بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صبح زندگی

تصنیف

مصوّرِ غم علامہ راشد الخیری مدظلہ

مصنف :۔ شام زندگی ۔ شب زندگی ۔ نوحہ زندگی ۔ الزہرا وغیرہ وغیرہ

جسے

مُلّا محمد الواحدی دہلوی

نے

بماہ رمضان المبارک ۱۳۴۵ہجری النبوی مطابق مارچ ۱۹۲۷ عیسوی

تیرہویں مرتبہ

خواجہ اینڈ سنز دلی پرنٹنگ پریس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا

قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ

اطلاع

صبح زندگی کا دائمی حق اشاعت خان بہادر شیخ عبدالقادر صاحب جج ہائیکورٹ سابق مالک و اڈیٹر رسالہ مخزن نے مجھے دیدیا ہے۔ اس لئے کوئی صاحب اسے یا اس کے کسی حصہ کو بطور خود چھاپنے کا ارادہ نہ کریں ورنہ اخلاقی وقانونی جرم کے مرتکب ہونگے۔ ہاں کتب فروش حضرات اس سے فائدہ اٹھانا چاہیں تو معقول کمیشن پر اس کی جلدیں دفتر نظام المشائخ دہلی سے خرید سکتے ہیں۔

جس کتاب پر پبلیشر کے قلمی دستخط نہ ہونگے وہ مال مسروقہ سمجھی جائے گی۔

خاکسار محمد الواحدی

مالک و اڈیٹر نظام المشائخ دہلی

توبہ توبہ کس کام کی ایسی نیت ہوئے چماروں کے بچے بھی اچھے ہونگے۔ دیکھو سندر کا بچپن کے ساتھ اس کی لڑکی سکھیا آتی ہے۔ بھرا ہوا چھیبا ہوتا ہے کبھی آنکھ اٹھا کر بھی دیکھتی ہے آج تو خیر میں نے تمکو چھوڑ دیا۔ اب اگر کسی چیز کو دیکھکر بلکیں یا مانگیں تو ایسا ماروں گی کہ تم کو مزہ ہی آجائیگا۔

دل کیا کڑا، زبان کی میٹھی۔ کام بنا ہوا تھا۔ پھوپھی کے منہ سے بات نکلنے کی دیر تھی۔ سیدھی بھتیجی کے دل میں جا کر اتری۔ وہی تسیمہ جو دونو لئے چاولوں پر بچھ بلکان ہوئی۔ منوں چیز گھر میں آتی اور آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتی۔

(۳)

تخم تاثیر صحبت کا اثر۔ سنجیدہ جیسی عورت، پھوپی کی پھوپی، ماں کی ماں۔ استانی کی استانی معلمہ کی معلمہ جس کی رگ رگ میں خدا کی عظمت اور مذہب کی وقعت بھری ہوئی تھی اس کی تربیت کا فیض جو کچھ نہ ہوتا تھوڑا۔ جاڑا پالا گرمی برسات صبح و شام دن رات آندھی جائے مینہہ جائے۔ مگر اس کی نماز اور قران نہ جائے! اتنا وہ ہم سے زیادہ سمجھتی تھی کہ یہ چھ برس کی جان سمجھے گی تو کیا خاک مگر ساتھ ہی اسکے یہ بھی جانتی تھی اور خوب جانتی تھی کہ کچی لکڑی کے سیدھا کرنیکا یہی وقت ہے۔ ذرا غفلت کی تو سانپ نکل گیا۔ لکیر کو بیٹھی پیٹا کروں۔ پھر ٹھنڈے لوہے پیٹنے سے درست ہو نیوالے نہیں سنجیلی کا نمونہ موجود ہے۔ تیرہ چودہ برس کی لونڈھا بیٹی کیسی نماز اور کہاں کا روزہ کہ سر کا خدا اور کہاں کا قرآن۔ پہر سوا پہر دن چڑھے سو کر اٹھی منہ پر دو چار چھینٹے مار تازہ باسی جو ہاتھ لگا کھا نے لگی۔ چھوٹی سکا ر لڑ رہی، مغرور خانہ داری سے الگ شرم و حیا سے کوسوں دور ذرا سی بات خلاف مزاج ہوئی اور آواز ہے کہ پرے محلے پہنچ رہی ہے۔ باپ کی لاپرواہی، ماں کا خیال ہوا نہیں پہلی چنگی لڑکی ہاتھ سے جاتی رہی۔ سنجیدہ کے واسطے یا قنا د خاصا اچھا سبق تھا اس نے اپنی چھوٹی سی بچی کو اس ٹھہرے پر ڈال لیا کہ نماز سے فارغ ہوئی قرآن کھولا اور روزہ

کر جانماز پر ساتھ لے بیٹھی۔ گرمی کے موسم میں ایک دن صبح کا سہانا وقت تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ سنجیدہ نسیمہ کو پاس بٹھائے قرآن پڑھ رہی تھی۔ کوٹھے کی مٹی پر شامانے بولنا شروع کیا۔ بچی کچھ دیر تو چپکی بیٹھی غور سے دیکھتی اور شوق سے سنتی رہی اور پھر کہنے لگی

لے لو پھوپھی اماں۔ شاما بول رہی ہے۔

پھوپی - تم جانتی ہو یہ کیا کہہ رہی ہے۔

نسیمہ - نہیں تو۔ کیسے مزے سے بول رہی ہے۔

پھوپی - یہ صبح ہی اٹھکر خدا کی تعریف کر رہی ہے اور دعا مانگ رہی ہے کہ سارا دن خیر صلاح سے گزر جائے۔

نسیمہ - **پھوپی**۔ خدا بھی سن رہا ہے کہ یہ کیا کہہ رہی ہے۔ خدا تو آسمان پر ہے۔ ہاں ہاں پھوپھی اماں دیکھو اس کا منہ بھی آسمان ہی کی طرف ہے۔ خدا ہی سب کو کھانا بھی دیتا ہے۔ اچھی پھوپی اماں۔ تجھے بھی رات کو ہی سنے آم دیئے تھے۔

پھوپی - ہاں ساری دنیا کو وہی کھلاتا پلاتا ہے۔ امیر ہو چاہے غریب، آدمی ہو چاہے جانور۔ سب اس کے محتاج ہیں۔ رونگٹا رونگٹا اس کا شکر ادا کرے تو پورا نہیں ہو سکتا ماں سے زیادہ چاہنے والا باپ سے زیادہ پیار کرنے والا۔ تکلیف کا سننے والا۔ دکھ درد میں کام آنے والا۔ کھانا پانی۔ کپڑا لتا گہنا پاتا۔ اوڑھنا بچھونا سب اسی کی برکتیں ہیں۔

نسیمہ - اچھی اچھی میری پھوپی اماں لاؤ میں بھی خدا کی تعریف کروں۔

پھوپی تم کہاں تک اس کی تعریف کرو گی۔ اس کی محبت تو دیکھو۔ دیکھنے کو آنکھیں دیں باتیں کرنے کو منہ دیا۔ کام کاج کو ہاتھ دیئے۔ چلنے پھرنے کو پاؤں دیئے کس کس چیز کا شکر کرو گی۔ ہماری بہنیں بہت سی ایسی ہیں جنکو گز بھر لنگی بھی نصیب نہیں جو پڑ رہیں وزیر آباد سے آتی دفعہ دیکھا نہیں تھا؟ بہت سے فقیر اور فقیرنیاں جامع مسجد کی سیڑھیوں پر سکڑے پڑے تھے، لحاف نہ رضائی۔ پلنگ نہ چارپائی۔ رحیمن بیچاری کو دیکھو

آنکھوں سے اندھی ہاتھوں سے لولی پاؤں سے لنگڑی یہ بھی تو آخر ہماری جیسی آدمی ہیں
تندرست تھی تو بہتیرا ہی کہا کم بخت کبھی تو خدا کو بھی یاد کر لیا کر مگر اس چار دن کی زندگی
پر ایسی بھولی کہ کبھی بھول کر بھی اس کے آگے سر نہ جھکایا اب کچھ لوگوں کو رحم آگیا آدھی پاؤ
روٹی دیدی نہیں تو کڑاکے کے فاقے جو بویا وہ کاٹے جیسا کیا ویسا بھگتے۔ ہم سب مرد اور
عورتیں اللہ کے لونڈی غلام ہیں۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہر وقت اس کا شکریہ ادا کرتے رہیں دلوں
کے حال وہ جانتا ہے جو کہتے ہیں وہ سنتا ہے جو کرتے ہیں وہ دیکھتا ہے۔ ذرا اپنے گملوں کو
کو تو دیکھو کیسے رنگ برنگ کے پھول کھل رہے ہیں۔ یہ سب اسی کی قدرت کا نمونہ ہے
چاند سورج دن رات سب چیزیں ہمارے آرام کے واسطے بنائیں۔ دیکھو یہ پھول
ہوا سے سرسراتے نہیں ہیں اپنے خدا کی درگاہ میں سر جھکا رہے ہیں۔ تم بیوی صبح ہی اٹھکر گڑیوں
کے سنوارنے کی دھن پڑ جاتی ہے کبھی یہ بھی خیال آتا ہے کہ اپنے تئیں بنا سنوار کر خدا کے
حضور میں حاضر کرو۔ بتا دو تو سہی دن میں کے دفعہ وضو کر کے نماز پڑھتی ہو۔ بڑی بی کو
دو روپے مہینے اور کھانے پر ہم نے گویا مول لے لیا۔ ذرا کام کو دیر ہو جاتی ہے تو کیسا
غصہ آجاتا ہے۔ پرسوں تمہاری بچیہ ذرا جل گئی تھی کتنی بگڑی ہو۔ مگر تم کو بھی کبھی اپنے
آقا۔ اپنے مالک کا دھیان آتا ہے؟

نسیمہ۔ تو پھوپی اماں آپ نماز میں اللہ ہی کی تعریف کرتی ہیں۔

پھوپھی۔ نماز تو ہم پر فرض ہے جس طرح بڑی بی کھانا پکا کر اپنا فرض ادا کرتی ہیں۔
اسی طرح ہم نماز پڑھ کر فرض سے ادا ہو سکتی ہیں۔ خدا کی عنایتیں اور مہربانیاں تو اتنی زیادہ ہیں
کہ بیان نہیں ہو سکتیں زمین سے اناج اگایا آسمان سے مینہ برسایا پینے کو پانی دیا سانس
لینے کو ہوا دی جب تک چاہے زندہ رکھے جب چاہے مار ڈالے۔ دنیا میں ہم کو اس لئے
بھیجا ہے کہ ہم اس کی عبادت کریں جب ہم اس کے پاس جائیں گے اور آمنا سامنا ہوگا
اس وقت وہ ہم سے پوچھیگا کہ میرے احسان کے بدلے میں تم نے مجھکو کتنا یاد کیا۔ میں نے تمکو

روٹی دی ٹکیا دی۔ حلوا دیا۔ مگر جب میں بھوکا ہو کر تمہارے پاس آیا تو تم نے مجھپر رحم نہ کھایا اور منہ پھیر لیا۔

نسیمہ۔ اے ہے پھوپھی اماں تو اللہ بھی بھوکا ہوکرآتا ہے۔

پھوپھی ٹھہرو۔ پہلے سن لو۔ اور صاحب میں نے تم کو کانوں میں بالیاں دیں۔ ہاتھوں میں پہونچیاں دیں۔ پاؤں میں چوڑیاں دیں تاروں کی اوڑھنیاں دیں گوٹے کے کرتے دیئے چوڑیدار پاجامہ دیا اور پھر بھی میں نے تم سے مانگا تو تم نے ایک پیسہ بھی مجھکو نہ دیا! بھوکا ہوا تو روٹی نہ دی پیاسا ہوا تو پانی نہ پلایا۔ میں بھوکا پیاسا تمہارا راستہ تکتا رہا۔ اور تم نے آنکھہ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

نسیمہ۔ بس تو پھوپھی اماں آج اللہ کو بلا دینا۔ میں اپنی روٹی کہلا دونگی۔

پھوپھی۔ توبہ توبہ۔ اللہ کچھ تھوڑی کھاتا ہے۔ اس کا تو نہ ہاتھ ہے نہ پاؤں نہ منھ ہے نہ سر

نسیمہ ہائیں اہ، اور ابھی کیا کہہ رہی تھیں۔

پھوپھی۔ ہاں سچ تو کہہ رہی تھی۔ جب دکھیارے مصیبت مارے ہم سے آ کر سوال کرتے ہیں تو ان کا دینا ایسا ہی ہے جیسے اللہ کو دیا اللہ نے ہم کو حکم دیا ہے۔ تم انکو دو مجھکو پہنچ جائیگا۔ بن باپ کے بچے کئی کئی وقت کے بھوکے بڑی آس لگا کر ہمارے پاس آتے ہیں۔ ان کو محبت سے کہلانیوالا۔ چمکار کر پاس بٹھانے والا کون ہوتا ہے۔ اگر ان کو دیکھکر ہمارا دل کڑہے اور ہم اُن کی خدمت کریں تو اللہ ایسا ہی خوش ہوگا جیسا اس کو مل گیا۔ بیٹی بڑے ناشکرے اور بیوقوف ہیں وہ لوگ جو دنیا میں آکر خدا سے غافل ہو جائیں۔ بھلا سوچو تو بھی جانور اپنے پیدا کرنے والے کی یاد کریں اور ہم آدمی ہو کر بھولجائیں! اللہ تمہاری عمر میں برکت دے۔ ایمان سب سے بڑی نعمت ہے اور ایمان کے معنی یہ ہیں کہ اللہ ہر وقت یاد رہے۔ جب اس کی درگاہ میں عاجزی سے حاضر ہوگی اور اس کو یاد کروگی تو وہ سو مہربانوں کا مہربان ہے جو چاہوگی وہ پاؤگی جو مانگوگی وہ لوگی۔ اچھا آؤ میرے ساتھ ملکر اس کی تعریف کرو۔

حمد جناب باری — رکھو زباں پہ جاری

باقی ہے بس وہی رب — فانی ہے ماسوا سب

کافی ہے وہ اکیلا　　باقی ہے سب جھمیلا
وہ خالق جہاں ہے　　وہ رازق جہاں ہے
حاکم ہے بحر و بر کا　　مالک ہے خشک و تر کا
فرش زمیں اسی کا　　عرش بریں اسی کا
از ماہ تا بماہی　　ہے اسی کی بادشاہی
شاہنشہ جہاں ہے　　معبود انس و جاں ہے
حاکم ہے دو جہاں کا　　مالک ہے این و آں کا
ہر جا ظہور اُس کا　　ہر شے میں نور اُس کا
ہر چیز میں نہاں ہے　　ہر چیز میں عیاں ہے
سب سے قریب تر ہے　　سب سے عجیب تر ہے
خورشید میں نہ آئے　　پھر ذرہ میں سمائے
کھائے پئے نہ سوئے　　بولے ہنسے نہ روئے
بے آنکھ سب کو دیکھے　　بے کان سب کی سن لے
بے ہاتھ پاؤں سب کام　　کرتا ہے وہ بہ آرام
ممکن نہیں کسی سے　　تعریف اس کی لکھے
توصیف اس خدا کی　　کیا لکھے مشت خاکی
مذکور جلوۂ ذات　　چھوٹا سا منہ بڑی بات

بس کر کہ تیرے بس کا
رشد نہیں یہ قصہ

پھوپھی نے تو بھتیجی کے سامنے باتوں ہی باتوں میں خاصا چھوٹا سا وعظ کہدیا جیسی چھوٹی سی سننے والی ویسا ہی چھوٹا سا وعظ۔ چپکی بیٹھی بیٹھی مُنہ پھوپھی کا منھ

تکتی رہی۔ دعا کا وقت آیا تو ننھے ننھے ہاتھ اُٹھا کر خدا کی تعریف بیان کرنے لگی، اتفاق کی بات ہے۔
جب تک وعظ ہوتا رہا شاہا بھی بیٹھی رہی، ادھر وعظ ختم ہوئی اُدھر شاہا بچھونے سے اُٹھ بیٹھی۔ سچ پوچھو
تو سنجیدہ کی نہ یہ غرض تھی نہ یقین کہ آج ہی دین کی ساری باتیں اسے گھول کر پلا دوں۔ ہونہار
بروا کے چکنے چکنے پات۔ مضمون تھا سچا بات تھی اچھی۔ بچی کے دل پر جم گئی۔ منجھلی بہن کا یہ
حال، اول تو وہ نو بجے کے بعد سو کر اُٹھے اور پھر چھوٹتے ہی ناشتے کا سوال۔ جب تک کلا
گرم نہ ہو کسی سے بات کرنی قسم۔ ذرا دیر ہوئی تو گھر بھر پر آفت۔ یہ توڑ وہ پھوڑ۔ اس کو مار اس کو
دھاڑ۔ تن تازہ ہونے سے پہلے ٹھنڈے سے ہونٹوں بات کرنی گناہ۔ کھا پی پیٹ آباد کیا اور
گڑیوں میں جا داخل پھر قدرت کر ڈالو کوئی مرے یا جیے اس کو وہاں سے اُٹھنا حرام کبھی کبھار
بھولے بسرے اُٹھی بھی تو ایک کو گھرک دوسرے کو ڈانٹ بہن کو نوچ بھائی کو کھسوٹ غرض
جس طرف نکلی تراہ تراہ مچ گئی۔ انا کی پھوپھی نالاں، لونڈیاں حیران، مامائیں پریشان
لڑکی کیا عذاب تھا۔ جدھر گئی آفت ادھر جس کے سر ہوئی جھاڑ کا کانٹا۔ خدا کا خوف نہ دنیا
کا ڈر۔ ماں کا لحاظ نہ باپ کا۔ وقر ماں کو رہی مامتا۔ باپ ہا بے خبر۔ لڑکی ماشاء اللہ دن دونی رات
چوگنی۔ ذرا سی غفلت میں کا بیل اور تل کا پہاڑ بن گئی۔ شروع میں علاج ہوتا تو آج نوبت
کاہے کو آتی، مرض ہوا لاحق، دوا کی نہیں، ہر وہ کھلتا گیا، زبان بڑھتی گئی۔ چھوٹی لیاقت
کلڑا، بے رحم، نکمی، کام چور، گستاخ، بے ادب، بے شرم، بے حیا۔ غرض پانچوں عیب
شرعی موجود تھے۔ اسی پیٹ کی اولاد اور اسی باپ کی بیٹی نسیمہ تھی کہ ایک وعظ نے
کندن بنا دیا۔ صبح منہ اندھیرے اُٹھی لوٹا بھر وضو کیا اور پھوپھی کے ساتھ جا نماز پر ہو
بیٹھی۔ ادھر پھوپھی نے سلام پھیرا ادھر اس نے گڑگڑا گڑگڑا کر دعا مانگنی
شروع کی۔

(۳)

عید کے دن دوپہر کے قریب محلے میں ایک موت ہوئی۔ جب اکبر کا قدیم مقولہ

زمانہ کا آدمی۔ ایک ٹانگ سے لنگڑا۔ بڈھا پھونس۔ آس پاس کے ٹھکانوں میں پانی بھر بھرا یال بچوں
کے پیٹ میں ٹکڑا ڈال دیتا۔ دو میاں بیوی ایک لڑکی سستا سماں۔ برکت کے دن تھے شتم پشتم
کسی طرح گذر کر لیتے، جاڑے کا موسم ضعیف آدمی چار بجے صبح اٹھکر پانی بھرتا۔ بخار اور بخار کے
ساتھ پسلی میں درد ہوا۔ تل تار ٹوم جھیلا جو کچھ موجود تھا بیماری میں خرچ ہوا۔ مرا تو ایسا کہ گور
گڑھا اور کفن دفن تو در کنار ملتانی کے واسطے ادھی کی کوڑیاں بھی گھر میں نہ تھیں نسیمہ خدا
جانے کس کام کو کوٹھے پر جا نکلی، برابر کے گھر سے رونے کی آواز آئی۔ کھڑکی کھولکر دیکھتی ہے
تو سقفی رو رو کر دیواروں سے ٹکریں مار رہی ہے۔ رو چکی تو خدا سے کہنے لگی اب کس کس کے
آگے ہاتھ پھیلاؤں کہاں کہاں بھیک مانگوں۔ برس کا برس دن تہوار کا روز اپنی اپنی جگہ سب
خوشیاں منا رہے ہیں۔ کون کس کی سنتا ہے۔ بڑے نواب صاحب کے ہاں گئی تھی بیگم صاحب
تو میری جان کو آگئیں میں نے تو اپنی بپتا سنائی وہ لگیں خفا ہونے کہ بوا میرے دل میں وہم
آتا ہے۔ گھر کے مرد اللہ رکھے نماز کو سدھارے ہیں تہوار کے دن میرے ہاں بیٹھ کے تو رو نہیں
وہاں سے اٹھ حکیم جی کے ہاں آئی۔ وہ پوری طرح ابھی سننے بھی نہ پائی تھیں چھوٹتے ہی
کہنے لگیں۔ واہ ری خوب! اے میرا یاں بچوں کا گھر تو ہے تمہارے واسطے! اندر گھس آئی یتیم خانہ
میں چلی جاؤ وہاں سے گور گڑھا ہو جائیگا اپنا سا منہ لیکر چلی آئی رستے میں تکی مسجد ملا جی سے کہا
پہلے تو وہ سمجھے سویاں لائی ہے چھوٹی چینی کا بڑا سا پیالہ لیکر لپکے میں نے حال سنایا تو اس طرح للکارا
جیسے کوئی کتے کو دھتکارتا ہے۔ بچی کے کان میں چاندی کی بالیاں ہیں ان کو لیجاتی ہوں
مگر وہ بکیں ہی گی کتنے کی دو روپیہ کی تو چھ میں خریدی تھیں اتنی دیر کا مردہ پڑا ہوا ہے
اور اس مسلمانوں کے محلے میں کوئی آتا نہیں کہ اول منزل کر دے۔ اتنا کہکر خوب کا جی بھر آیا
ہچکی بندھ گئی بچی کو پاس بلا کر بالیاں اتارنے لگی تار سے چھدے ہوئے کان پک پک کر پہلے ہی گل گئے
تھے پہلی ہی بالی نے کان لہولہان کر دیا نسیمہ کچھ دیر تک تو چپکی بیٹھی ٹھنڈے سانس بھرتی رہی
دل تو خوب ہی کے بیان نے ہلا دیا تھا۔ لڑکی کے کان نے بالکل ہی بے قابو کر دیا عیدی کے چوہتر روپے

رکھے تھے۔ آئی صندوقچی کھول پانچ روپے نکال اوڑھنی کے کونے میں باندھے اور پھوپی کے
پیچھے سے لپٹ کر کہنے لگی "یہ گرہ کھول لو"۔ روپے دیکر آئی تو پھوپی نے کہا بیٹی کیا لے گئی تھیں

نسیمہ۔ جی کچھ نہیں ایک چیز لے گئی تھی۔

پھوپی۔ جیسے گئیں تو کچھ نہیں کیا؟ اسی چیز کو تو پوچھتی ہوں کیا لے گئی تھیں

نسیمہ نے پہلے تو کچھ ٹال دیا۔ مگر جب پھوپی نے زیادہ اصرار کیا تو سارا احوال ٹھیک
ٹھیک بیان کر دیا۔ سنتے ہی سنجیدہ نے نسیمہ کو کلیجے سے لگا لیا اور کہنے لگی میں اپنی
بچی کے قربان نسیمہ بیٹی تم نے ایسا اچھا کام کیا کہ میرا دل بہت ہی خوش ہوا۔ یہ کہکر
کوٹھری میں گئی۔ تین اشرفیاں پانچ روپے لا کر دیئے اور کہا لو تم اپنی صندوقچی میں رکھو
بتاؤ یہ کتنے روپے ہوئے۔ ایک اشرفی کتنے کی ہوتی ہے۔

نسیمہ۔ پندرہ کی ہوتی ہے۔

پھوپی۔ تو پندرہ تیئے کتنے ہوئے؟ پندرہ کا پہاڑہ پڑھو

نسیمہ۔ پندرہ تیئے پینتالیس۔

پھوپی۔ اور پانچ

نسیمہ۔ پچاس

پھوپی۔ بس تو پانچ کے بدلے اللہ نے تمکو پچاس دیئے۔ ایک کے بدلے
دس ہوگئے کہ نہیں۔

نسیمہ۔ جی ہاں پھوپی اماں وہ دہ در دنیا ستر در عاقبت۔ عاقبت کے آگے ہے۔

پھوپی۔ ہاں ہاں شاباش شاباش۔ اچھا ایک بات تو تم بتاؤ۔ تم نے یہ روپے
خدیجا کے خوش کرنے کے واسطے دیئے یا اللہ کو۔

نسیمہ۔ پھوپی اماں میں نے فقط اللہ کے واسطے دیئے ہیں۔

پھوپی۔ آؤ۔ پھوپی کے گلے سے لگ جاؤ اس سے زیادہ اچھی کوئی چیز نہیں۔

احسان جتانے سکو بھی معلوم ہو کہ جیتے تمہاری کتنی خدمت کی ہو اور اس کا تمہارے اوپر کیا
کیا حق تھا! موئے کلہ اور بیماری ہیں کہ ایک ٹانگ سے معذور تھا۔ لکڑی ٹیکتا کنوئیں پر جاتا اور
تمہارے لیے مشک بھر کر لاتا۔ خود تکلیف اٹھا کر تمکو آرام دیتا تھا۔ بکو جو آج کل کا بھی
تو نہیں چالیس برس کا ساتھ گرمی کے دنوں میں جب پانی مٹکے میں اور صراحی میں
تیل ہوتا تھا کوس بھر سے اندارے کی ٹھنڈی مشک بھر کر لاتا تھا۔ چلے کے جاڑے میں
جب دانت سے دانت بجتے تھے ٹھنڈا پانی کندھے پر ڈھو کر لاتا آسان کام نہیں ہے۔

نسیمہ۔ مگر پھوپھی اماں اس کو مہینہ بھی تو اسی کا ملتا تھا۔

پھوپھی۔ ضرور ملتا تھا اور اس کا کام بھی یہی تھا۔ مگر پھر بھی جس طرح یہ لوگ
ہماری خدمت کرتے ہیں۔ ہمکو لازم ہے کہ ان کے وقت پر ہم کام آئیں۔ ہمارے اوپر بھی تو
ان کا حق ہے اور خدا نہ کرے کہ کسی حقدار کا کوئی حق مارے۔ تم نے جو کچھ کیا تم کو ایسا ہی
چاہیے تھا۔ سچی خیرات اسی کا نام ہے۔ یہ جو کٹے موٹے تازے مستنڈے اور خنگرے جو دن
بھر بھیک مانگتے پھرتے ہیں اور دھوکے دیکر آٹوں سے جھولیاں اور پیسوں سے جیبیں بھرتے
ہیں ان کا دینا حاصل دین نہ حاصل دنیا۔ بلکہ الٹی انکو بھیک مانگنے کی عادت سکھانی ہے۔
خیرات کے قابل صرف وہ لوگ ہیں جو سچ مچ کمانے سے بالکل ہی معذور ہیں اور خدا کا
حکم بھی یہی ہے کہ مستحقوں کو دو۔ اور الفتوں کو کھلانا اور حاجتمندوں کے حق مار کر ان
بدمعاشوں کو دینا سخت گناہ ہے۔ ہم کو اگر خدا نے دیا ہے تو اسی لئے دیا ہے کہ بھوکوں کو
کھلا کر کھائیں نہ یہ کہ بھوکے پیاسے تو پیٹ سے پٹی باندھ کر پڑے رہیں اور یہ فیلسوف صبح سے
شام تک سیروں آٹا اکٹھا کر لیں کہیں شیرینی بنائیں کہیں پرانی جمع ہو جائیں کہیں کورا اگر کسی کو
دیکھو کہ خدا ایسے دغاباز فقیروں اور فقیرنیوں سے سب کو بچائے۔ بیچارہ رحمتا ان ہی کی ماری
ہیں جو آج تک نہیں ملا ایک ٹکٹکی کے ڈھیپ پر چڑھ کر دیتی ہیں۔ نہیں۔ خدا بخشے تو وہ رسول بخش
تو وہ اس کمٹی نے ہاتھ لگا کے بیٹھا اور مہینہ ڈیڑھ مہینہ خدمت کروائی سو الگ میاں ان

سکالدوں کےنام سے جلتی ہوں، اچھی خاصی ہاتھ پیروں سے تندرست ہٹی کٹی ہوئی اور بھیک مانگنے نکل کھڑی ہوئیں مفت کی روٹیوں کا مزہ پڑ گیا نوکری کرے اُن کی جوتی اور کام کرے ان کا صدقہ اُن کو دینا کنوئیں میں پھینکنا ہے۔ میں بہت خوش ہوئی کہ تم نے سچی خیرات کی۔ خدا تمکو ہمیشہ خوش رکھے۔ حق داروں کے حق اسی طرح سمجھنا اور کبھی اس بات کا خیال نہ کرنا کہ کسی کے ساتھ سلوک کرو تو وہ احسان مانے۔ چلو اب ابا جان کو بھی سلام کرلو۔ عیدگاہ سے آگئے ہوں گے۔

(۵)

آگے آگے پھوپھی، پیچھے پیچھے بھتیجی، کھڑکی میں سے نکل بڑے گھر میں آئے۔ دیکھتی ہیں تو وہاں عجیب ہی تماشا ہو رہا ہے۔ منجھلی نے ایک کتیا کے گلے میں رسی کا ٹکڑا ڈال درسے باندھ رکھا ہے اور لکڑیوں پر لکڑیاں مار رہی ہے کتیا غریب رسے بندھی ہوئی نہ کہیں بھاگ سکتی تھی نہ چھپ سکتی تھی۔ صبح سے جو مار پڑنی شروع ہوئی ہے تو دوپہر قریب آگئی بانس کی موٹی کھپچی کے پرزے اُڑ گئے مگر مار دھاڑ ختم نہ ہوئی مارتے مارتے تھک گئی تھوڑ دیر دم لے لیا۔ اُٹھی اور پھر مارنا شروع کر دیا۔ بے زبان جانور نہ کچھ کرنے کے قابل نہ کہنے کے لائق ایک ایک کا منہ حسرت سے تک رہی تھی کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ ایسا رحم دل آجائے جو مجھے اس مصیبت سے بچائے۔ ماماؤں بیچاریوں کی تو ہستی ہی کیا تھی جو دم مار سکتیں۔ خود بدولت یعنی اماں جان کا یہ حال کہ ایک دفعہ منع بھی کیا تو جانور پر رحم کھا کر نہیں بلکہ اپنی تکلیف سے اُکتا کر اور وہ بھی اس طرح۔

اے ہے منجھلی بس چھوڑ دے۔ کیا موئی ہاروتی کتیا ہے۔ آواز ہے کہ کان کے پار ہوئی جاتی ہے۔"

منجھلی ۔ میں تو اس کی کھال اُڑا دونگی۔

پھوپھی ۔ اور تم نے اس کو پکڑا کیونکر؟

منجھلی۔ اور تم نے پہچانا بھی؟ نانی جان ! الی کتیا ہی۔ میں تو اس سے بہت جلی ہوئی ہوں۔ اس دن میں تو ان سے ہنسی ہنسی میں چھاپے جیسن ہی تھی آپ آئی مجھ پر یہاں سے پہونچتی ہوئی۔ میں تو اسی دن سے اس کی فکر میں تھی۔ بڑی مشکل سے ہاتھ آئی ہی۔ کیا لپ لپ کر کے قلفی بڑا کھایا ہی۔ چھینچی کتنا ہی یہ تو دیکھو! اتنا کہہ لڑکی نے پھر مارنا شروع کیا۔

پھوپی۔ بیٹی برس کے برس دن اچھا ثواب کمایا۔ یہ تو کوئی ایسا قصور نہیں ہی۔ تم نے ان سے چھاپے چھینے۔ وہ سمجھی یہ میری مالک سے لڑ رہی ہی۔ اپنے آقا کا دشمن سمجھکر تم پر بھونکی گناہ کیا کیا؟ تم زبردست ہو یہ کمزور ہی تمہارے قبضہ میں ہی اور پہنچی ہوئی۔ جتنا جی چاہیے مار لو۔ مگر جس طرح آج تم اس پر حاوی ہو۔ اسی طرح کوئی تمہارا اور اس کا دونوں کا مالک بھی ہی جو تم سے بھی شہ زور ہی۔ کمزور پر ترس نہیں آتا تو طاقتور سے تو خوف کرو۔ جانوروں کا بنانے والا بھی وہی ہی جو آدمیوں کا! ان کو اس لئے نہیں بنایا کہ تمہارے ہاتھوں ایسی اذیتیں بھگتیں۔ کل دوپہر سے مار رہی ہو اور دل ٹھنڈا نہیں ہوتا۔ تم کیا سمجھتی ہو کیا جانور بد دعا نہیں دیتے۔ اس سچے دربار میں جو ایک زبردست بادشاہ کا ہی آدمی ہو یا جانور سب یکساں ہیں جس طرح تمہاری سنتا ہی اسی طرح اُنکی سنے گا۔ شاباش ہی تمہاری طبیعت کو کس دل سے تم ایک بے زبان جانور کو یہ کچھ تکلیف پہنچا رہی ہو۔ تم نے تو سینکڑوں مار دیں اور بس نہیں۔ اگر ایک کھچی میں تمہارے لگا دوں تو کھچی کے ساتھ۔ جانوروں پر رحم کرنا انسانیت کی ایک صفت ہی۔ آدمی کو ستاؤ گی تو وہ ایک کے بدلے چار یوں سنائیگا اور ہزار آدمیوں میں بات پہنچائیگا۔ کتیا بد نصیب تو اتنا بھی نہیں بتا سکتی کہ اتنی دیر کہاں رہی۔ ہمارے رسول مقبولؐ نے تو ایک دفعہ اپنے ہاتھ سے ایک کتے کو جو پیاس کے مارے ہانپ رہا تھا پانی پلایا بلکہ ایکدفعہ کسی شخص نے چیونٹیوں کو جلا کر اُن کے بلوں میں بھول ڈالدیا۔ آپ کو خبر ہوئی تو بہت ناخوش ہوئے۔ تم مسلمان ہو کر ایسی کٹر کہ جانور پر اتنا ظلم روا رکھا اور ہنستی پھر رہی ہو۔ سبکتگین بادشاہ کا حال تم نے کیا خاک سنا ہوگا

بادشاہ تو وہ پیچھے ہوا پہلے تو بیچارہ نرا سپاہی تھا۔ ایک دن جنگل میں کیا دیکھتا ہے کہ
ایک ہرنی اپنے بچے کو ساتھ لئے چرتی پھر رہی ہے۔ بچے کو دیکھ کر سپاہی کا جی للچایا اور دل میں
آیا کہ کسی طرح اس کو پکڑ لوں۔ بچہ بھاگ نہ سکتا تھا ہاتھ آ گیا۔ لیکر چلا تو پیچھے سے رونے
کی سی آواز آئی۔ مڑ کر دیکھتا ہے تو ممتا کی ماری اپنے بچے کے واسطے چیختی چلی آتی ہے۔ کیفیت
دیکھ کر سبکتگین کا دل بھر آیا۔ فوراً بچے کو چھوڑ دیا۔ ہرنی ہنسی خوشی اچھلتی کودتی اپنا بچہ لیکر جنگل
کو چلی۔ تھوڑی دور چلتی تھی اور پھر پلٹ کر دیکھتی تھی گویا اس احسان کا شکریہ ادا کرتی
تھی اور دعا دیتی تھی کہ جس طرح تو نے میرا کلیجہ ٹھنڈا کیا تو بھی ہمیشہ خوش و خرم رہے۔ یہ بات
گئی گذری ہوئی۔ رات کو خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک شخص کہہ رہا ہے۔ سبکتگین تو نے جو آج
خدا کی مخلوق پر رحم کیا اور ہرنی کا بچہ چھوڑ دیا۔ یہ خدا کی درگاہ میں پسند آیا۔ اس کے بدلے
غزنی کی بادشاہت تجھکو عطا ہوئی۔ مگر دیکھ بادشاہ ہو کر اپنی ہستی کو نہ بھول جائیو۔"

تم نے تو ایسا برا کام کیا جس کا اب کوئی علاج نہیں ہو سکتا۔ آدمی ہوتا تو معاف کروا لیتیں
بے زبان جانور سے کیونکر معاف کراؤ گی۔ کیسی چپکی بیٹھی دم ہلا رہی ہے۔ کمبخت ڈر رہی ہے
کہ دیکھئے اب کتنی دیر میں لکڑیاں پڑنی شروع ہوتی ہیں۔ تم نے ایسے جانور پر ستم
کیا جو آدمی سے بھی بہتر ہے۔ نمک حلال وفادار، مر جائے مگر نمک حرامی نہ کرے۔ ایک دفعہ
روٹی کا ٹکڑا دیدو عمر بھر احسان مانے۔ کتے کو تو خدا نے اس لئے بنایا ہے کہ آدمی اس سے
عقل سیکھیں۔ عبادی ہو نہ ایک دفعہ کا ذکر کرتی تھی۔ کپڑوں کی لادی رکھ بچے کے ہاتھ میں
روٹی دے لکڑیاں چننے چلی گئی۔ درخت پر بیٹھا تھا بندر روٹی دیکھ نیچے اتر آیا۔ چاہتا تھا کہ روٹی
لے اچکے کتے نے دیکھ پایا اور لپک کر بندر کو جا دبوچا۔ بندر تھا چنگا وہ بھی روٹی اور بچہ سب
چھوڑ کتے کو لپٹ گیا اور سارا لہولہان کر دیا۔ مگر کتے نے بھی ایسی گردن پکڑی کہ نہ چھوڑنی
تھی اور نہ چھوڑی اسی طرح زمین میں پٹخنیاں دے دے کر مار ڈالا۔ ایسے جانور سے جس کے دل میں اپنے
آقا کا اتنا درد ہو سبق سیکھو۔ ایک یہ جانور ہیں کہ اپنے مالک پر اس طرح جان چھڑکتے ہیں

ایک ہم آدمی ہیں کہ کبھی بھولا کبھی اپنے آقا کا خیال نہیں آتا۔

سنجیدہ، بھائی اور بھابی کی اولاد سے الگ تھلگ رہتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ میاں اور بیوی بیٹے اور بیٹیاں ایک سرے سے آقا کا آداب ہی بے تمیز ہیں کیونکہ اس سے زبان لڑائی اور ہاتھ پاؤں چلایا۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی تھوڑی بہت عزت یا بزرگی کا بھرم بلحاظ اس کا قائم تھا۔ بھائی رشتہ میں چھوٹا۔ عمر میں چھوٹا۔ بھاوج برابر کی سہیلی ساتھ کی کھیلی۔ چاہیئے کہ وہ ان سے بالکل ڈرتی، ہرگز نہیں تیسرے چوتھے آٹھویں دسویں آکر کھڑی آگئی بچی اٹھی چلی گئی۔ میاں بیوی کے معاملے میں دخل نہ دیتی۔ اولاد کے جھگڑے میں وہ نہ پڑتی اور اس لحاظ سے اس کی احتیاط بہت درست۔ بھائی کی اپنی عزت اپنے ہاتھ ہے کیوں ایک کہی اور دو سنیں۔ یہ کچھ تھوڑا سا ڈر یا ادب باقی ہے برائے نام باقی ہے چار دن میں ختم ہو جائیگا۔ آج بھی خدا جانے اس نے کیا جانی دنیا دیکھی تھی کہ اتنا کچھ بولی اور اگر سچ پوچھو تو اس میں بھی اس کی مصلحت تھی کہ دیتی رہیں تو کبھی کچھ بھوری تو کان دھرتی منجھلی کی طرف ضرور تھا مگر ان آنکھوں سے تسمہ کو دیکھتی جاتی تھی وہ خوب سمجھتی تھی کہ منجھلی کی اصلاح اب بیچاری تو کس گنتی میں ہوں بہتر فرشتوں کے بس کی نہیں۔ بگڑا ہوا دل کھلی ہوئی زبان بیٹھا ہوا دیدہ چھوٹے ہوئے ہاتھ برسوں کے جمے ہوئے رنگ ایسے رنگ تھوڑی ہیں کہ پوٹے ہاتھوں صاف ہو جائیں۔ یہ امید کہ پھوپھی کی اس جھک جھک کا منجھلی پر کچھ اثر ہوتا بالکل غلط کیا خوف خدا اور کس کی ندامت وہ تو بے انتظار کر رہی تھی کہ پھوپی کی باتیں ختم ہوں اور میں جواب دوں۔ یہ اتفاق کی بات تھی کہ ماں تھوڑی دیر تک تو منہ کی ہار بیٹا ہاں لڑائی پر تھی مرنے کا ذکر سنتے ہی تھرا اٹھی۔ شامت جو آئی تو منہ سے اتنا نکل گیا۔

"آپا تم دیکھتی ہو میرا تو کچھ بس ہی نہیں۔ تہوار کا دن کوئی خیرات کر رہا ہے کوئی خیر منا رہا ہے اس نکھٹو نے صبح سے پیا اور ہم بیچار کبھی ہیں میری تو اتنی مجال نہیں کہ دم مار سکوں

چپکی بیٹھی دیکھ رہی ہوں اور جل رہی ہوں"

پھوپھی کا تو خیر وہ سچ یا جھوٹ زیادہ یا کم کچھ نہ کچھ لحاظ کرتی یا نہ کرتی گفتگو کے ختم کا انتظار اور جواب میں کچھ سوچ بچار کرنا ہی پڑتا۔ مگر یہاں غریب ایک بات کہکر گنہگار ہوگئی۔ سب کو چھوڑ چھاڑ پنجے جھاڑ جڑ ماں کے پیچھے پڑی تو جان چھڑانی مشکل ہوگئی زبان تھی کہ الامان ایک منہ میں بیسیوں کوسنے اور ایک سانس میں سیکڑوں فضیحتیاں "اہیں بڑی بچاری وہاں سے ماسٹے ہیں تو ہم کٹر ہیں آؤ ہم۔ دو سر حمایت لینے والا کون؟ اسی واسطے میں کسی سے بولتی نہیں چالتی نہیں پھر کوئی میٹھے کیوں کہے۔ اس کتیا کے تو آج میں پرخچے اڑا دوں گی۔ دیکھوں تو سہی کون روکتا ہے"

اتنا کہتے ہی جو کتیا پر پلی تو ماسے کچیوں کے کچومر نکال دیا۔ انگنائی میں پھوپھی بھتیجیاں چبوترے پر کتیا سنجھلی۔ دالان میں ماں۔ باورچی خانہ میں ماما سب گم سم کھڑے تھے ماں نے تو جیسا کیا ویسا پایا۔ مگر پھوپھی کو تو گویا سانپ سونگھ گیا۔ جہاں کھڑی تھی وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ کتیا اتنی پٹی کٹی مگر پھر بھی زندہ رہی۔ اتنے میں میرزا صاحب بھی آگئے بھائی کو آتا دیکھکر سنجیدہ بچی کا ہاتھ پکڑ اپنے ہاں چلدی۔ تھوڑا سا لحاظ۔ ماں باپ کی شرم اتنا اثر بیٹی پر ہوا کہ کتیا کو چھوڑ کمرے میں گھس گئی۔ مگر میرزا صاحب بہرے نہیں اندھے نہیں بیٹی کے پکارنے کی آواز سات گھر پرے پہنچ رہی تھی وہ باہر ہی سے سمجھ گیا تھا کہ کہیں روزہ چٹکا ہے میرے ہاں عید چٹکات ہی یا ہے۔ خدا خیر کرے خبر نہیں کیا آفت آئی۔ سنجیدہ اس وقت تو بھتیجی کا ہاتھ پکڑ ساتھ لے گئی۔ مگر وہاں پہنچکر جو خیال آیا تو کہنے لگی۔

نسیمہ۔ جاؤ باپ کو سلام کر آؤ۔ دیکھو ادب سے بیٹھنا۔ جو کچھ پوچھیں اس کا جواب دینا خبردار جو خواہ مخواہ کسی معاملہ میں دخل دیا۔ نیچی نگاہ کرکے ایک طرف بیٹھ جانا۔

(۷)

پھوپھی کا حکم پاتے ہی نسیمہ ماں کی طرف چلی تو پھوپھی نے کہا یہاں تم آؤ میں تو

فقط تم کو دیکھ رہی تھی کہ خود بھی خیال آتا ہے یا نہیں۔ اس طرح چھم چھم کرتے باپ کے آگے جانا۔ تم کو شرم نہیں آتی۔ اب تم ایسی نادان نہیں ہو جو اتنی موٹی بات بھی نہ سمجھ سکو۔ باپ کے سامنے اس جھنکار سے جانا شاباش بیٹی شاباش۔ وہ تو مرد ہیں اور میں عورت پھر ایک لحاظ سے پھوپی، ایک لحاظ سے ماں مگر خدا کی قسم تمہارا یہ چھنا کا مجھکو زہر معلوم ہوتا ہے۔

پھوپی کی زبانی اتنا سنتے ہی نسیمہ پانی پانی ہو گئی۔ جھانجن چوڑیاں اُتار پلنگ پر ڈالیں اور باپ کے سلام کو چلی۔ سنجیدہ نسیمہ کے ایک ایک قدم کو نگاہ میں رکھتی تھی جب تک وہ کھڑکی کے پاس پہنچی غور سے دیکھتی رہی۔ اُترنا چاہتی تھی کہ پھوپی نے وہیں سے کہا تو بھی ایسی بے ڈھنگی بیٹی ہو کہ کسی چیز کا ٹھیک ٹھور ہی نہیں جہاں چاہا اتار پھینکی تم تو پھینک پھانک لیتی ہو اور میں بیٹھی رکھوالی کروں۔ تہوار کا دن آنے جانے والوں کا تانتا لگا ہوا ہے۔ دھوبن بھشتن۔ ماما بھنگن بیسیوں انیاں خنیاں آجا رہی ہیں۔ ذرا میری نگاہ چوکی اور کوئی بغل میں کیا چلتا ہوا تو بیٹھی روئا۔ بیٹی ذات اور ایسی بدتمیز کہ کسی چیز کی سرت ہی نہیں۔ لو کنجیاں لو قفل میں رکھو۔

نسیمہ کوٹھری کھول چیزیں رکھنے چلی تو ایک ڈانٹ اور پڑی۔

"کے دفعہ بتا چکی ہوں کہ اوڑھنی کا بکل سیدھی طرح لگایا کرو۔ مگر جب دیکھو وہی بیہودہ پنے سے۔ بیٹی الٹی طرف کا پلا زیادہ رکھتے ہیں۔ سیدھی طرف کا بکل لگا الٹی طرف کا کندھے پر ڈال لیا۔ مردوں کے سامنے تو ان باتوں کا خیال رکھا کر۔ بے شرم باپ کے سامنے جا رہی ہے اور سارا بازو کھلا ہوا ہے۔ آج باپ بھائی سے لحاظ کرو گی تو کل دیور جیٹھ سے شرم آئے گی۔ یہیں سے دیدہ ہوائی کیا تو وہاں کیا خاک ہو گا۔

اوڑھنی ٹھیک کر ماں کے ہاں پہنچی تو دونوں میاں بیوی سر جوڑے منجھلی کی بے ترتیبی پر افسوس کر رہے تھے، میرزا بیوی پر الزام تھوپ رہے تھے اور بیوی میاں پر سارا چھپر رکھ رہی تھیں۔ اتنے میں نسیمہ گلابی ململ کی ریشمی اوڑھنی آگے پیچھے چھپا کی

تو بی بیچ میں گوکھرو کی ٹپیاں سبز ساٹن کا پاجامہ موریوں پر چنبیلی کے جال کا بیٹھا آگے بانکڑی
گلابی رشیمی کرتہ گھیر میں توئی ہٹیا کلیوں پر ایک تاری بیک گلے میں چمپا کلی۔ ہاتھ میں ٹھوس
کڑے۔ لوک میں اک اک تیہ بالی۔ دبے پاؤں جھکی جھکائی سامنے آبا باپ کے سلام کو جھکی سلام
کر چکی تو الگ کھڑی ہوگئی، باپ کو دیکھا تو پسینے پسینے ہو رہا تھا پنکھا ہاتھ میں لے پیٹھ کے پیچھے
جھلنے لگی۔ باپنے دعا دی۔ پانی مانگا تو نسیمہ نے قلعی دار کٹورہ لیجا کر پہلے خوب دھویا۔ پھر
صراحی میں سے پانی اُلٹ اوپر نیچے ہاتھ رکھ سامنے لا کھڑی ہوگئی۔ بیٹی کی یہ تمیز دیکھکر
باپ کا دل بہت ہی خوش ہوا۔ پانی پی چکا تو اپنے پاس بلا کر کہنے لگا۔ اوہو بیٹی تمہارے
کپڑے تو ماشاء اللہ خوب ہیں عید تو اصل میں تمہاری ہی ہے۔ کہو عیدی کے کتنے روپے جمع ہوئے

نسیمہ۔ چھ روپے ہوئے تھے جس میں سے پانچ اٹھ گئے۔ اللہ نے مجھے پچاس اور دیئے۔ اب اکیاون ہیں۔

باپ۔ پچاس روپے تمکو کس نے دیئے۔

نسیمہ۔ پھوپھی اماں نے۔ لیجئے وہ بھی آگئیں۔

پھوپھی۔ پچاس کیا اگر پانسو ہوتے تو میں اپنی بچی پر قربان کر دیتی۔ جب سقہ کا مردہ بے کفن پڑا تھا۔ اپنی عیدی میں سے اس نے پانچ روپے دیئے میرا اتنا دل خوش ہوا کہ بس میں ہی جانتی ہوں۔

دونوں ماں باپ یہ سنکر دعائیں دینے لگے۔ باپنے اسی وقت دس۔ ماںنے پانچ روپے نکالکر اور دیئے۔ پھوپی نے پوچھا ہاں لو اب تو بتاؤ تمہارے پاس کُل کتنے روپے ہوئے۔

نسیمہ۔ اکیاون تو پہلے ہیں۔ دس ابا جان کے اکسٹھ پانچ اماں جان کے چھیاسٹھ ہوئے۔

باپ۔ سو میں کتنے کم رہے۔

نسیمہ۔ چھیاسٹھ اور چار ستر۔ ستر اور تیس سو۔ تیس یہ چار وہ چونتیس رہے۔

باپ۔ تمہارے پاس سو روپے ہو جائیں تو بس دھوم سے گڑیا کا بیاہ کر ڈالو۔

ماں - واہ اچھا دہوم سے کیا وہ تو ایسی سوم ہو کہ خدا کی پناہ۔ نگوڑی مٹھائی کی وڑے لیوں
کی بھی کچھ اصل ہی۔ آٹھ دن سکھا کر کہیں اور پھر بھی خبر نہیں کہائیں یا نہیں ۔ وہ ایک ایک پیسہ
جوڑ کے روپے کرتی ہی۔

پھوپھی ۔ واہ بوا واہ سُوم کیوں ہونے لگی۔ کس کام کی وہ لڑکیاں کہ پیسہ ہاتھ میں آیا
اور چل پیٹ میں ایسے کھانے سے خاک نہ کھالے خدا نہ کرے جو کنواری بیٹی کو چاٹ چاٹ لونڈوں
کا مزہ پڑ جائے۔ ہوت نہ ہوت تو سب ہی کے ساتھ ہی۔ لپکا پڑ گیا تو پھر نہیں چھوٹتا۔ چوری کرو یا
قرض لو۔ میکے میں میا کا دوپٹہ۔ سسرال میں میاں کی پگڑی، بیچ باچ چٹ کر لو۔ دور کیوں
جاؤ پڑوس ہی میں دیکھ لو۔ اِدہر کا چھن بارہ آنے کو جھپک رہی ہی۔ اُدہر کچوری والی ڈیڑھ
روپئے کو پیٹ رہی ہے۔ کنجڑا الگ رو رہا ہے ۔ حلوائی جدا سر ہو رہا ہے۔ کس کام
کی وہ بیٹی جس کی وجہ سے دروازے پر تقاضا آئے۔ ان کو کہلانے پلانیوالے ہم کیا مر گئے
بھلی۔ بُری۔ تازی۔ باسی۔ جو میسر ہو پہلے یہ پیچھے ہم۔ بیشک وہ تو کبھی ادہی بھی
نہیں اُٹھاتی۔ میں خود ہی دو پیسہ روز کا سودا منگا دیتی ہوں۔ اس کے ہاتھ میں پہنچ
جائیں تو وہ ان کو بھی جمع ہی میں ڈالے ۔

ماں - بی آپا۔ تمہارا تو باوا آدم ہی نرالا ہی۔ مگر یہ بات تو تیا دوان گوٹے ٹھپوں یہ
تم تو ہمیشہ ناک بھوں چڑہاتی ہو۔ پھر یہ بچی کو کیوں مصالحہ میں لادو یا اب یہ بوجھوں نہیں
مر رہی۔

پھوپھی۔ میں اب بھی وہی کہتی ہوں اور سچ کہتی ہوں۔ تمہارے سمجھنے میں فرق ہی
سینکڑوں روپے مصالحہ میں اینڈ کرنا بیوہی میری سمجھ میں تو آتا نہیں۔ میں نہیں کہتی کہ دہوبی
کے دہوئے ہوئے سفید کپڑے پہنو۔ مگر ہاں یہ ضرور کہتی ہوں کہ مصالحہ سے لپے ہوئے
جوڑے صندوقوں میں سینت کر رکھنے حاصل دین نہ حاصل دنیا۔ تم ہی کہو تم کو کتنے جوڑے
سلے، کتنے کام آئے اور کتنے کیڑوں کی نذر ہوئے۔ میرا ساڑھے چار سو کا چوتھی کا جوڑا

یوں ہی کھا رکھا غارت ہو گیا۔ اس ڈہائی ڈہوئی میں دہر تو لگتا ٹپکا۔ اُدہر صندوق تھا پُرانا
دراڑوں اور درزوں میں سے سارا پانی اندر پہنچا۔ دوپٹہ اور پاجامہ دونوں گلکڑا ہو گئے۔
میں یہاں تھی نہیں۔ اماں جان کو اللہ بخشے خیال نہیں رہا۔ دہوپ دینے کی کبھی نوبت نہ آئی
ایک تو وہ اور اس کی لپیٹ میں سات اور سب اسی مینہہ کی ہبیٹ چڑہے! مصالحہ ٹانکو میں
منع نہیں کرتی مگر ضروری ضروری۔ یہ نہیں کہ گرمی میں ایک تو ڈہائی پاٹ کا دوپٹہ اوپر
سے مصالحہ انبار رہوں۔ پورے ایک ٹاٹ کا بوجھہ ہو جائے اور جو کہیں خدانخواستہ بیچنے
کی نوبت ہوئی تو روپیوں کا مال کوڑیوں کے مول۔ یہ سترہ اور اکیس جوڑے تم ہی کو
پسند ہونگے۔ میں اس کو فرض نہیں سمجھتی کہ چاہے جان تک کی بک جائے مگر جوڑے
لیے ہی ہوئے ہوں۔ تم ہنسو گی تو سہی مگر میں سچ کہتی ہوں یہ وضع وضع کی بیلیں اور طرح طرح
کے کنارے تمہاری ان کناری بانکڑیوں سے اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ خوبصورت کے
خوبصورت صوفیانے کے صوفیانے، اور سب سے بڑی بات تو یہ ہو کہ کواریوں بیاہیوں میں
بھی کچھ فرق ہو گا یا نہیں۔ وہ اپنی گھر والی گرہستنیں برتیں آزاد مختار جتنا چاہیں اوڑہیں جو
چاہیں بنائیں۔ یہ بیچاریاں ماں کی محتاج باپ کی دست نگر جو ہاتھ اُٹھا کر دیدیا وہ لے لیا
اُن کے دل کے کہنے کا وقت تو یہی ہے۔ چار پانچ برس کی مہمان سمجھہ لو۔ پھر خدا جانے تقدیر
میں کیا لکھا ہی۔ کوئی بھلے مانس مل گیا۔ عزت آبرو سے گذر گئی۔ کسی بدذات سے پالا پڑا ہر وقت
کی سوختنی۔

میکے میں بھی ان کی بات نہ پوچھی گئی تو سو بدنصیبوں کی بدنصیب تو یہی ہیں۔ تم سب مجھکو
دیوانی کہو یا سٹرن کہو میں تو کہوں ہانکے پکارے کہوں۔ کہلے خزانے کہوں۔ کہوں اور پنچوں
میں کہوں کہ تم سب بے ایمان خدا لگتے تو مرنے ہی کے بعد ان کا آدھا حصہ کہا تھا تم نے جیتے
جی ان کو لونڈیوں سے بدتر بنا دیا۔ سُنا ہی کہ عرب میں جیتی لڑکیوں کو گاڑ دیتے تھے بلا سے
وہ اچھا تھا یہ روز روز کے کچوکے اور ہر وقت کی آفت تو نہ تھی کہ تار کا سالن بیٹوں کو ڈہیر

ڈہیر قلفیاں بیٹیوں کو روغنی روٹیاں بیٹوں کی تر بتر اُٹھے بیٹوں کے۔ بچا کھچا رکھا یا اُن بیچاریوں کے واسطے۔ کپڑوں کو دیکھو اپنی اپنی حیثیت کے بموجب چلے ہیں نئے ثابت جو کچھ ہیں پہلے بیٹے وہ بنے پھر بیں چہیلا۔ یہ ماں کے گہر کی بیٹی گودڑ لپیٹی ہیں نے اپنی آنکھہ سے بڑی ممانی جان کے ہاں دیکھا ہی اور آجتک یاد ہی کہ ایک دن برف والا بولا بڑے نے سات اور چھوٹے نے چھہ قلفیاں چٹ کیں اور تینوں لڑکیاں بیٹھی منہ دیکھتی رہیں۔ جب وہ اچھی طرح کھا چکے نیت اور پیٹ دونوں بھر گئے تو ممانی جان نے کہا ایک ایک قلفی ان تینوں کو بھی لاوے۔ خدا کی قسم میرا کلیجہ کٹ گیا جب بڑے نے آکر کہا قلفیاں ہو چکیں، بوا یہ تو ساون کی چڑیاں ہیں۔ چگ چگا کر اڑ گئیں جب تک اِن کی تقدیر کا آب دانہ ہی بیٹھی ہیں جب اُٹھ گیا دوسرا گھر جا بسایا۔ پھر طرح طرح کی تکلیفیں اور مصیبتیں۔ ذرا تو انصاف کرو یہ تو جانوروں سے بھی بدتر نکلیں۔ یہاں بھی ان کی خاطر مدارات نہ ہوئی تو یہ بھی کیا یاد کریں گی کہ ہم دنیا میں پیدا ہوئے! ان کی تقدیر کا سکھ چین تو بس میکے ہی تک سمجھو۔ سسرال جا کر تو بڑی بڑی رئیس زادیوں کو دیکھ لیا ایمان سے کہو۔ ایک دن خدا کو منہ دکھانا ہی جیسے ان بیچاریوں کے من مارے ہیں اور ان کی مٹی پلید کی ہی۔ خدا دشمن کی نہ کرے۔ کیسے ظلم کی بات ہی۔ جو سدا کے رہنے بسنے والے گھر کے مالک مختار اُن کی تو یہ عزت کہ آنکھ تک میلی نہ ہو۔ اور وہ بیچارے مسافر جو رستہ چلتے چلتے تھک کر رات کی رات دم لینے آٹھریں۔ اُن کی بات ہی نہ پوچھو۔ بوا بیٹیوں کے لئے تو میکا سرا سمجھو۔ چڑیا رین بسیرا ہی۔ صبح ہونے کی دیر ہی۔ اِدھر نقارہ بجا اُدھر کوچ۔ پھر یہ کہاں اور تم کہاں؟ تم کو تمہارے بیٹے مبارک، تمہارا گھر نصیب، بیاہی بیٹی ڈیوڑھی داخل! بیٹے تو جوتیاں ماریں گے اور لیں گے۔ لیں گے اور عمر بھر لیں گے۔ زندگی کی کمائی بیٹے۔ ہزار برس کی نیو ہو۔ گھر کا کوڑا بیٹی۔ جھاڑو دی نکال پھینکا۔ اللہ رکھے تم بھی اولاد والی ہو۔ خدا بچوں کی عمر میں برکت دے۔ ایمان سے کہنا جتنی رفاقت کی بو ان بے زبانوں سے آتی ہی۔ لڑکوں میں بھی پاتی ہو۔ پھر اس مجبوری اور بے بسی کو دیکھو جس کے سر چاہا چھینک دیا

جہاں جی چاہا پٹخ دیا۔ ہر حال راضی ہر جگہ خوش۔ بی سعیدہ ہی کو دیکھ لو سینکڑوں کوس دور جا پڑیں کس میں اتنا بوتا ہی کہ تین سو روپے خرچ کرے اور بلائے۔ بال بچوں کے جھگڑوں میں ایسی پھنسیں کہ سب بھول بسر گئیں آرام کے دن اور سکھ کا وقت تو بس وہی تھا جو میکے میں کٹ گیا! ماں باوا کی صورت دیکھنے کو دل نہ تڑپتا ہوگا؟ بہن بھائیوں سے ملنے کو جی نہ چاہتا ہوگا؟ مگر کس سے کہے اور کیا کہے؟ نہ آنے والی میں اتنی ہمت نہ بلانے والوں میں اتنی طاقت۔ ہم یوں گئے وہ یوں گئیں۔ ہم یہاں تڑپیں وہ وہاں تلملائے۔ چلو چھٹی ہوئی۔

(۷)

بھاوج غریب نے تو آمد سخن ایک بات کہدی تھی اس کو کیا خبر کہ نند ایک داستان شروع کر دیگی۔ کچھ دیر تک تو بیٹھی سنتی رہی اور ہنستی رہی۔ مگر پتہ کی باتیں تھیں۔ ایک چھوڑ تین تین بیٹیاں آگے کچھ ایسا ممتا کا جوش ہوا کہ بے اختیار ہوگئی نسیمہ سے چار آنکھیں ہونا تھا کہ آنکھ سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ دوڑ کر گلے لگا لیا اور لگی بلائیں لینے۔ میر زاہد بیچارے سیدھے سادے بھولے بھالے ادہر تو بہن کی لچھے دار تقریر اُدہر بیوی نے شروع کیا رونا۔ نرم دل تو تھا ہی دل بھر آیا۔ پہلونٹی کی بیٹی سعیدہ کالے کوسوں حیدرآباد بیٹھی تھی۔ کچھ اس کی جدائی کا خیال کچھ منجھلی کی شرارتوں کا ملال دل ایسا بے قابو ہوا کہ ہچکی بندھ گئی۔ بھائی کو روتا دیکھ بہن کو بھی تاش رہی! ادہر بہن بھائی ادہر ماں بیٹیاں چاروں دیر تک روتے رہے۔ مگر صد آفریں اس کلثوم منجھلی کو۔ یہ کچھ ہوا کہ مامائیں تک پسیج گئیں مگر وہ ہی ٹس سے مس ہوئی۔ اس پر طرہ یہ کہ ماما کی لڑکی کو دیا پیسہ کہ تو نگ چڑے لادے۔ چھ برس کی جان عید کا دن۔ کبابوں کا دونا ہاتھ میں۔ ادہر اُدہر دیکھتی بھالتی چلی آتی تھی۔ نالی پر آئی تو اوپر سے چیل نے ایسا جھپٹا دیا کہ کباب پنجہ میں اور دونا موری میں ہاتھ میں چھن نکلا سو الگ۔ غریب روتی بسورتی گھر میں آئی۔ صاحبزادی بلند اقبال کے دربار میں کس کی مجال تھی کہ دم مارتا۔ لڑکی ڈر سے لگی سوں سوں کرتی اپنے ہاتھ کو

دیکھ رہی تھی۔ پوچھا کباب لائی؟ چھچھوٹے کا نام سنتے ہی ایک ایسا دھکا دیا کہ بچی لڑکتی پڑکتی انگنائی میں پہنچی۔ ادھر پنجوں کی کھرینچ ادھر دھکے کی چوٹ، اوپر سے پڑا دھتّڑ بلبلا اٹھی۔

ماں تو امیر غریب سب ہی کی ہوتی ہے۔ بیٹی کی یہ کیفیت دیکھ کر ماما سے صبر نہ ہوا، گھبرا کر اٹھی اور بگڑ کر کہنے لگی۔ اے ہے منجھلی بیگم وہ تو ابھی کیڑا ہی ہے۔ چھیلیں نامرادیں تو بڑے بڑے مردوں کے ہاتھوں سے چیزیں لیجاتی ہیں۔ ایک پیسہ کے واسطے آپنے بچی کو ہلکان کر دیا۔ اس کا ہاتھ تو پہلے ہی لہولہان ہو رہا ہے۔ برس کے برس دن نگوڑا اتنا سارا جیتا جیتا خون نکل گیا۔

منجھلی۔ لہولہان کیا میں تو اس کو جان سے مار ڈالوں گی، میرا پیسہ مفت کا تھوڑا ہی ہے کہ کباب کھا دونا چاٹ جھوٹ موٹ ٹسوے بہانے چلی آئی۔ بڑی سوتیا صرف ہو تو میرا پیسہ دیدو۔

دن دہاڑے کا معاملہ بیچ انگنائی کا ذکر ٹھیک دوپہر کی بات ماں اور بیٹی آنا اور ماما کون تھا جس نے یہ سیر نہ دیکھی اور غل نہ سنا۔ مگر جورو کی ماں گھٹنوں میں سر دیے اور روئے دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کا منہ دیکھکر چپ ہو گئے۔ کس کے سر پر اتنے بال تھے کہ الف سے بے کرتا۔ دیکھا اور منہ پھیر لیا۔ کسی نے ہنسکر کسی نے رو کر۔ ماما نے بٹوا کھول پیسہ نکال آگے ڈالدیا۔ اور لڑکی کا ہاتھ پکڑا باورچی خانہ میں چلی گئی۔

گرمی تو تڑاقے کی پڑ رہی تھی۔ میر صاحب عید گاہ کی تھکان۔ روٹی کی کوفت پلنگ پر لیٹے اور لیٹتے ہی آنکھ لگ گئی۔ باپ کو سوتا دیکھ نسیمہ پنکھا لے پاس بیٹھ گئی اور جھلنے لگی۔ آنکھ کھلی تو ظہر کا وقت تھا۔ اذان کی آواز آتے ہی سنجیدہ بھتیجی کو ساتھ لے اپنے ہاں آئی دونوں نے وضو کیا نماز پڑھی۔ پڑھ چکی تو سنجیدہ نے کہا! بیٹی نسیمہ تم میری بات پھر بھول نہ جانا وہاں تو میں تمہارے ابا کے سامنے لڑکیوں کی حمایت لے رہی تھی۔ لیکن سچ پوچھو

تو اچھی یا بری جیسی بھی بیٹی ہوگی ماں باپ بھریں ہی گے۔ گانے کو سنگ دسبھر نہیں ہوتے مگر پیٹ سے
منداں لڑکیوں پر جو صریحاً جانتی ہیں کہ ماں باپوں کے پاس چند روز کی مہمان ہیں اور دم ناک
میں کر دیں۔ اماں جیسی چیز کہ اگر دنیا جہاں چھان مارو اور زمانہ ڈھونڈ ڈھونڈ ڈالو کہیں میسر نہیں۔ نام سے
بیزار ہو جائے۔ کیسی محنت اور مصیبت سے پالا پوسا۔ پڑھایا لکھایا۔ اتنا بڑا بوجھ گھنٹہ آدھ
گھنٹہ بھی تو نہیں مہینوں پیٹ میں کہا گود میں کہا۔ عیش آرام سب حرام کیا کھایا تو پرہیز
سے پیا تو احتیاط سے۔ دنیا میں منوں اور انباروں میوے اور ترکاریاں بکیں اور آئیں
گر بچی والی کے دل سے پوچھو کیا کھایا۔ آم وہ نہیں کھاتی برف وہ نہیں چکھتی۔ کھیرے
ککڑی۔ خربوزے تربوز اس کی طرف سے ہوئے نہ ہوئے دونوں یکساں لوگوں کے
کہنے سننے سے ارادہ بھی کرتی ہے۔ پھر خیال آتا ہے "ثقیل ہیں" قربان کئے تھے خربوزے
چولھے میں گئے تربوز، خدا میری گود بھری رکھے۔ اس سے بڑی نعمت اور کیا ہوگی۔ پھر مزا
یہ کہ نہ کسی کا ظلم ہے نہ زبردستی جو کچھ ہے وہ اپنی خوشی سے اور دلی محبت اور ممتا سے لیتی
کو دیکھو چکی کا ہتھا ہاتھ میں ہے۔ بچہ برابر میں پڑا ہے پیستی جاتی ہے اور اس کو دیکھ دیکھ کر نہال
ہوتی جاتی ہے۔ نہ اپنی تکلیف کا خیال نہ اپنی مصیبت کی پروا برابر پنکھا جھلے جا رہی ہے جب
پیس پاس کر فارغ ہوئی اور بچہ کو کلیجہ سے لگا کر دودھ پلایا اس وقت اس کا دل دیکھو۔ کہ
بادشاہ سے بھی تو زیادہ ہے۔ اس کی گود میں ایسی نعمت ہے کہ سلطنت ہو تو اس پر
سے قربان کر دے۔

یہ ممتا ہی کا جوش تھا کہ اس وقت بیچاری بلاقن نے تمہاری منجھلی آپا کے آگے پیسہ
نکال پھینکا۔ لو سامنے اس چڑیا کو دیکھو تم کو معلوم ہو جائیگا۔ ممتا کیا چیز ہے۔ گھونسلے
میں بچہ بیٹھا ہے۔ ادھر اُدھر سے دانا دنکا جو کچھ ہاتھ لگتا ہے چاپ چپکا کر لاتی ہے اور اس کے پوٹے
میں ڈالتی ہے لے ہے نسیمہ ذرا دیکھو تو سہی۔ بچہ کس طرح ماں کے آگے بازو اور پر پھیلا کر
چیں چیں کر رہا ہے۔ جانتا ہے کہ ممتا کی ماری کہیں نہ کہیں سے چرا چھپا اپنی جان جوکھوں

میں ڈال کچھ نہ کچھ ضرور لیکر آئی ہے۔ تم بڑی خوش نصیب ہو اور خدا تم کو سدا ایسا ہی خوش
نصیب رکھے۔ کہ تمہارے پاس یہ نعمت موجود ہے۔ ہمارے چاہنے والے جنپر ہر طرح کا زور تھا جنگل
میں جا سوئے۔ جب تک اُدھ میاں باہر رہتے تھے۔ اماجان اللہ بخشے بیسیوں ہی دفعہ صلاح
سے لوٹنے کی تسبیح پڑھتی تھیں۔ اب جہاں چاہیں خاک اُڑاتے پھریں۔ کون پوچھنے والا
بیٹھا ہے۔ یوں تو جس کے ساتھ سلوک کرو وہی فرمانبردار اور عاشق زار بننے کو موجود
مگر ایسا دعاگو کہاں سوتے جاگتے اُٹھتے بیٹھتے پاس ہوں یا دور یہی آرزو اور یہی
ارمان کہ اقبال میں ترقی عمر میں برکت۔ اگلے ہی برس کی تو بات ہے۔ تم کو کیا یاد نہ ہوگا
جب شام کو بکری چر کر آتی تھی دن بھر کے چھوٹے ہوئے بچے کس طرح ماں کو لپٹتے تھے اور کیسی
محبت سے وہ اُن کو چاٹتی تھی۔ جس وقت وہ پھلواسے بچے اچھل اچھل کر دودھ پیتے تھے
اس وقت جیسا بکری کا دل باغ باغ ہوتا ہوگا اس کی قدر ممتا ہی والے کر سکتے
ہیں۔ جب غدر پڑا ہے اور ہم سب بھاگ کر وزیرآباد گئے ہیں کیسی حویلی اور کس کے
مکان۔ ایک ٹوٹے ہوئے قبرستان میں رات کو بسیرا کیا۔ خدا وہ وقت دشمن کو نہ دکھائے
سٹ ہی سٹ پڑ جاتی تھی۔ اُن کھنڈروں میں جہاں رات بھر اُلو اور گیدڑ بولتے
تھے۔ ٹوٹے پھوٹے چبوترے اور کچی پکی قبروں پر اپنے اپنے دوپٹے بچھا اینٹیں سرہانے رکھیں
اور بھوکے پیاسے پڑ رہے! بوا سلمیٰ بھی ساتھ تھیں ان کی ایک بچی سلمہ جو اسی کمبخت غدر
کی بھینٹ چڑھی گود میں تھی۔ ڈیڑھ پونے دو برس کی ہوگی۔ جس مصیبت سے ان
بیچاری نے رستہ طے کیا ہے۔ میں کیا بتاؤں۔ ڈھیلے پائنچوں کا پاجامہ چار پانچ کوس
کی ریت۔ گود میں بچی ایک ایک قدم بھاری تھا۔ ساری بیویاں لپک لپک کر آگے بڑھی
جا رہی تھیں اور وہ بیچاری کبھی پائنچے اٹھائیں کبھی بچی کو سنبھالتیں۔ یوں تو ہم سولہ
سترہ بیویاں تھیں مگر سب کی سب کچھ ایسی گھبرائی اور سٹ پٹائی کہ جو تھا وہ مرنے
سے بدتر۔ کیسی سخت مصیبت کا سامنا تھا۔ ادھر سے کالے ادھر سے گورے

پھر کان کے برابر سے گولیوں کا سن سن کرکے نکلنا۔ جانوں کا خدا حافظ اور دلوں کا اللہ بیلی تھا۔ ماماکا حال معلوم کرنے کا وہ وقت تھا۔ گرمی کے دن دوپہر کا وقت دھوپ اس شدت کی کہ چیل انڈا چھوڑے۔ سلمتی نصیب کی جوتی بھی اس بھاگڑ میں گر پڑی۔ لوکے وہ جھکڑ کہ الٰہی توبہ ماما کی ماری بچی کو گلے سے لگائے چلی جا رہی تھی۔ آپ ننگی ہوئی دوپٹہ اُتار جارتہ کیا اور لڑکی کو اوڑھایا کہ لُو کے جھونکوں سے کچھ تو بچے۔ دونوں ہاتھوں سے چھپائے کلیجے سے لگائے چپکے چپکے پڑھ پڑھ کر پھونکتی جاتی تھیں اور کہتی جاتی تھیں کہ الٰہی میری ننھی کی خیر۔ کس وقت اور آفت سے وہ کٹھن رستہ طے کیا ہے کہ خدا کی پناہ۔ جھٹ پٹا وقت ہوگا جب ہم وہاں پہنچے قبروں کے ڈھیر اور خاک کے تودوں کے سوا کھانے پینے کو اللہ کا نام تھا بچی ادھر تو پڑی چار پہر کی دھوپ اُدھر پیاماں کا جلتا بھلستا دودھ۔ گرمی کے دن رات کا وقت ہوا بند۔ بچے یوں ہی پھول پان ہوتے ہیں۔ کوڑہ میں کھاج مفلسی میں آٹا گیلا لڑکی کو پیاس ہو گئی اب پانی کے واسطے اس بچی کا بلبلانا۔ ایک بیچ آسمان اور ایک زمین تم ابھی بچہ ہو کیا سمجھو گی۔ مگر مجھکو آج کی گھڑی تک یاد ہے کہ اس ڈیڑھ برس کی چینچلی کی ماماتے ماں کی جان پر بنا رکھی تھی۔ چاروں طرف پریشان پھر رہی تھیں اور ایک ایک سے پوچھتی تھیں۔ کیوں بہنی یہاں کہیں پانی بھی مل جائے گا؟ بھلا وہاں پانی کہاں تھا ہی بی سلمتی جو دن دہاڑے کوٹھری میں اکیلی جاتی ڈرتی تھیں اندھیرا گھپ جنگل بیابان جا بجا منہ اُٹھا نکل کھڑی ہوئی۔ اس ننھی سی جان پر اپنی جوان جان قربان تھی۔ چور کا کھٹکا نہ سانپ کا ڈر۔ بچی کو کندھے سے لگا گاؤں کی طرف چل پڑیں کسی اللہ کے بندے نے رحم کھا کر پانی دیا جب وہاں سے لوٹی ہیں گود میں بچی ایک ہاتھ میں مٹی کا لوٹا پانی بھرا ہوا بیٹھے بیٹھے کر یہاں پہنچیں۔ بچی اتنی دیر جو بلکی بالکل ہلکان ہو گئی۔ ادھر ملا پانی اُدھر سے ٹھنڈی ہوا اور سب سے بڑا امان کا بچھوا۔ آنکھ لگ گئی ہم سب بھی پڑ کر سو گئے۔ مگر اس اللہ کی بندی کو بات سے پلک جھپکانی حرام تھی۔ ٹانگیں شل ہاتھ

پاؤں تھنتے کمر پھرا۔ ایک رخ بیٹھے بیٹھے گود بھی تھک گئی بہتیرا ہی کہا مگر اس کے دل نے گوارا نہ کیا کہ بچی بےچین ہو۔ وہ آفت و مصیبت کچھ بھی یاد نہ رہی۔ بچی گود میں کیا تھی گویا خدائی کی نعمت تھی جھک جھک کر پیار کرتی تھی اور بلبلا بلبلا کر دعائیں مانگتی تھی۔ رات بھر تو لڑکی خاصی اچھی طرح سوتی رہی۔ صبح کو بھی اچھی تھی۔ دوپہر سے بگڑ گئی، خدا جانے لو لگی یا پیاس ہوئی۔ شام تک تو ہاتھوں میں تھی۔ مغرب کی نماز کا وقت تھا اور لڑکی ماں کی گود میں آنکھیں بند کئے پڑی تھی۔ ماں کی نگاہ بچی کے چہرے پر تھی۔ جب بےبسی کے عالم میں کراہتی تھی تو کلیجہ پر ممتا کی چھریاں چلتی تھیں۔ منہ پر منہ رکھ دیتی تھی رو رو کر بھینچتی تھی۔ اور گڑگڑا گڑگڑا کر کہتی تھی۔

"میرے اللہ مجھ دکھیاری پر رحم کر۔ اے میرے اللہ میری بچی کو اچھا کر دے"

دعا مانگ کر بیٹی پر دم کر رہی تھی کہ لڑکی نے آنکھ کھولی اس وقت کی حالت بیان کے قابل نہیں کس محبت سے چمٹی اور رو کر کہا ہے۔

"اے سلمہ میں ماں نہیں لونڈی ہوں" ابھی ماں کی التجا ختم نہ ہوئی تھی کہ لڑکی کو ایک ہچکی آئی اور ماں کی صورت کو تکتی ہوئی ہمیشہ کے واسطے گود خالی کر دی۔ اِدھر اُدھر کی عورتیں تو دن ہی میں گاؤں کو چلی گئی تھیں۔ بس ہم گنتی کے پانچ آدمی وہاں تھے۔ ہر چند سب نے سر پٹکا مگر اس مصیبت زدہ نے بچی کو گود سے نہ اتارا اور رات بھر مردے کو کلیجے سے لگائے رہی۔ میں نے جب صبح کی نماز کا سلام پھیرا ہے۔ دیکھتی کیا ہوں گم سم بیٹھی لڑکی کے منہ کو ٹکٹکی باندھے تک رہی ہے۔ میرا پاس جا کر بیٹھنا تھا کہ ایک چیخ ماری اور یہ کہکر بیہوش ہو گئی۔

"ہائے آپا اٹھو اب میری بیگم کو جنگل میں سلا دو"

سمجھیں، بیوی تمہیں یہی ماں کی ممتا، بارش ہے، کا دل جانتا ہے جیسی جیسی مصیبت اٹھانی پڑتی ہے۔ بچہ کا نیند اچکا ہوا اور ماں کا خون خشک۔ ہاتھ پاؤں مار لئے ہنک کر گود جب

آگیا اور خون چلوؤں بڑھ گیا۔ اپنے تئیں گیلا اُسے سوکھا آپ کہہ اُسے سکھہ ذرا جی بے مزہ ہوا اور جان پر بنگئی۔ دوائی ٹھنڈائی چھانتی اور بناتی پیستی اور پلاتی کیا کیا بتاؤں ایسی خدمت گزار عورت جس کو ماں کہتے ہیں۔ یہی لائق ہی کہ جب بیٹیاں پل پلا کر بڑی ہو جائیں تو سامنے کھڑی ہو کر زبان چلائیں۔ زمین کا پیوند ہو جائیں ایسی ناگتی اور کمینی بیٹیاں دنیا میں روپیہ پیسہ عیش آرام گہنا پاتا کپڑا لتہ سب چیزیں میسر آجاتی ہیں مگر نہیں ملتے تو ماں اور باپ آؤ تم کو ایک کہانی سناؤں۔

ایک دن لڑتی ہوئی دو عورتیں — آئیں عادل شاہ کے دربار میں
ایک ننھے بچے پر تکرار رہتی — دونوں اس معصوم کی تھیں مدعی
شاہ نے ہر چند سمجھایا اُنہیں — تا کہ جو قصہ ہو وہ سچ سچ کہیں
پھر بھی لیکن یہ کہا ہر ایک نے — میرا بچہ ہی عنایت ہو مجھے
آخرش کچھ سوچ کر شہ نے کہا — ہم ابھی آتے ہیں تم ٹھہرو ذرا
کہہ کے یہ تشریف اندر لے گئے — اور اس بچہ کو بھی لیتے گئے
کوئی دس بارہ منٹ میں لوٹ کر — آکے بیٹھے بادشاہ پھر تخت پر
ایک خادم کی بغل میں ساتھ تھا — ایک صندوق آبنوسی خوشنما
شہ نے وہ صندوق رکھا رو برو — اور یہ کی عورتوں سے گفتگو
اب بھی گر دونوں نے دعویٰ کیا — تو بڑا نقصان ہوگا دونوں کا
بند ہی وہ بچہ اس میں دیکھ لو — کس کا ہی تم دونوں میں سے سچ کہو
جس کا ہے لیلے وہی ایمان سے — ورنہ پھر کیا فائدہ نقصان سے
باوجود اس کے کہا ہر ایک نے — میرا بچہ ہی مجھی کو دیجئے
زیر دربار ایک دریا بہتا تھا — بادشاہ نے خادموں سے یہ کہا
پھینک دو دریا میں اس صندوق کو — اور پھر ان دونوں کو بھی ڈال دو

پھینک کے صندوق شاہ کے حکم سے
آئے خادم عورتوں کے واسطے
ایک تھی بس جیتے جی ہی مر گئی
ایک تھی وہ دریا میں فوراً جا پڑی
اور جا لپٹی اسی صندوق سے۔
تاکہ اس کو ڈوبنے بہنے نہ دے
شاہ نے فوراً نکلوایا اُسے
اور یہ تاکید کی خدام سے
لا دو اس بچہ کو اندر سے ابھی
اصل میں اس بچہ کی ماں ہے یہی
شہ نے اسکا بچہ اس کو دیدیا
اور اس میں یہ سنایا فیصلہ
مستحق بچہ کی ہی یہ نیک بخت
دوسری کو دیں سزا کی قید سخت
دے کے بچہ ایک کو رخصت کیا
دوسری کو قید میں ڈلوا دیا
تمنے دیکھا ؟ کیسی کودی دوڑ کر
مامتا کا ایسا ہوتا ہے اثر
جان کا اپنی نہیں بالکل خیال
لیکن اس بچہ کا تھا از بس ملال
ماں کے رشتہ سے بڑا رشتہ نہیں
ماں سے بڑھ کر چاہنے والا نہیں
جاگنا راتوں کو بچہ کے لئے
اور پھرنا گود میں لے کر اُسے
بے مزہ ہو کچھ اگر بچہ کا جی
پھر نہ پوچھو اس کے دل کی بیکلی
اور بچہ دودھ پیتا ہو اگر
اور اس کے پیٹ میں ہو کچھ کسر
یا اگر ہو جائے بچہ کو زکام
تو اُسے دنیا کی سب چیزیں حرام
کھانے میں پینے میں دن رات میں
جاگنے میں سونے میں ہر بات میں
الغرض ہر وقت ہی اس کو خیال
یہ نہ ہو تکلیف پائے میرا لال
کس کو ہے ماں کی محبت میں کلام
بس میاں رشار کر و قصہ تمام

(۸)

دن آرہے ہیں اور جا رہے ہیں۔ عمر دں کو وفا زمانہ کو قیام، روز روز صبح اور روز روز

شام۔ کل کی بات ہی۔ بی نسیمہ کے دودھ چھٹنے کی طیاریاں تھیں۔ آج ماشاء اللہ سات
بھر کر آٹھویں میں، پڑھنے اور یاد رکھنے کا وقت اصل میں تو اب ہی تھا۔ مگر سنجیدہ وہ سمجھدار
اور ہوشیار عورت جس کے پرچھاواں پڑتے سے آدمی تمیزدار ہو جائے۔ بھتیجی کے
پڑھانے لکھانے سے غافل نہ تھی۔ پانچ ہی برس کی کو اس نے ایسے رستہ پر لگا لیا کہ جو
دیکھتا واہ واہ کرتا۔ اس نے پنی نیرکالہ کی مینا کچھ ایسے ڈھنگ سے اٹھائی اور ایسے رنگ سے
سدھائی کہ خدا ساری دنیا کی بیٹیوں کو ایسی استاد نصیب کرے۔ پورے پانچ برس کی بھی
نہ ہوئی تھی کہ اس نے بسکٹ کی ننھی ننھی سی ٹکیاں بنا کر حرف لکھوا لیئے۔ صبح ناشتہ کا
وقت آیا اور آٹھ دس ٹکیاں آگے ڈالکر کہا۔ حرف بتاتی جاؤ، اور کھاتی جاؤ۔ ایک
مہینہ ہی بھر میں الف سے لیکر یٰ تک سارے حرف ایسے ذہن نشین ہوئے کہ دس بیس کیا
ایک ہزار میں چھپا دو تو جو حرف کہو الگ نکال لائے۔ حرف اچھی طرح پہچان چکی تو سنجیدہ
نے اپنے ہاتھ سے گڑیاں بنائیں ماتھے پر نام لکھے جھنی کا نام خانم۔ گڈے کا احمد
گڑیا کا رحمت کسی کا کلثن کسی کا سوسن۔ کسی کا مریم۔ کسی کا اسلم۔ گھر بنایا تو ایسا کہ
اس اتنی سی خانم منزل میں ضرورت کی تمام چیزیں۔ سرکنڈے کی تیلیوں کا پنکھا ٹیا
پٹی کے پردے، نواڑ کی پلنگ، بان کی چارپائیاں، مٹکا، گھڑونچی، لوٹا، صراحی، توا
پھکنی، کرچھا کڑاہی، گرمی کا سامان الگ، جاڑوں کا اسباب جدا۔ ہر چیز پر نام لکھا۔
ڈھنگ سے رکھی۔ قرینے سے لگی۔ غرض پڑھنے پڑھانے کا تو اس نے ابھی نام بھی نہ لیا اور
کھیل ہی کھیل میں یہ کمال کیا کہ چار حرف تک کے لفظ کیسے مشکل کیوں نہ ہوں مجال
نہیں کہ اٹک جائے رات کو ساتھ لیکر لیٹتی تارہ وں کا ذکر کرتے کرتے دوزخ جنت زمین
آسمان سب کے معنی بتا دیئے۔ دن کو پاس لیکر بیٹھتی کھانا پینا ملنا جلنا ہر ایک کے متعلق تمام
حالات سنا دی گئی۔ لڑکی ذہین ایسی کہ جو بات ایکدفعہ سن لی ایسی ذہن نشین ہوئی کہ پھر نہ بھولی
سات برس کی نسیمہ تو اردو کی تیسری اور چوتھی ماشاء اللہ فر فر پڑھتی تھی تصویروں کا

شوق بچوں کو قدرتی طور پر ہوتا ہی۔ سنجیدہ یہ نئی ترکیب کرتی تھی۔ تھانوں پر سے چھپیاں اتاریں ادہر چھپی کے نیچے موٹی موٹی تین چار سطریں لکھدیں دو ایک باتیں منہ زبانی بتاکر ایسی چاٹ لگا دی کہ جب تک سارا احوال نہ پڑھ لیتی چین نہ پڑتا۔ تصویروں کا شوق نئی کتابوں کا شوق۔ نسیمہ تو کتابوں کو ایسی لپٹی کہ سنجیدہ کا بھی جی اُکتا گیا دن ہو یا رات صبح ہو یا شام جب دیکھو کتاب ہاتھ میں نگاہ حرف پر۔ ایک دن صبح کے وقت نسیمہ بیٹھی پھوپھی کو سبق سنا رہی تھی۔ اتفاق سے ماں بھی نکل آئی۔ دودھ پیتا بچہ گود میں تھا۔ بیٹی کو پڑھتا دیکھ پاس آبیٹھی۔ تنندے پان بنا کر دیا۔ بیٹی نے پڑھنا شروع کیا "با ادب بانصیب بے ادب بے نصیب۔ خوش نصیب ہیں وہ لڑکیاں جو بڑوں کا ادب کرتی ہیں اور رشتہ تک کی بوڑھیوں کا کہا نہیں ٹالتیں۔ گھر بھر میں اُنکی واہ واہ اور کنبہ بھر میں اُنکی تعریف ہوتی ہی۔ جو دیکھتا ہی وہ کہتا ہی کیسی سعادتمند بچی ہی کیسے ہی خفا ہو کتنی ہی فضیحتیاں کرو۔ جا بیجا کچھ ہی کہو مگر کیا مجال جو کسی بات کا بھی جواب دے۔ انا ہو یا ماما۔ دادی ہو یا نانی۔ بزرگوں کا ادب عین شرافت کی نشانی ہی۔ حیف ہی اس لڑکی پر کسی بڑی بوڑھی نے کوئی بات کہی اور اس نے ٹکڑا توڑ کر جواب دیدیا۔ لڑکیو! اگر آج تم بزرگوں کا ادب کروگی تو کل تمہارے چھوٹے تمہارا ادب کریں گے۔ اگر اس وقت تم نے اپنی نالائقی اور ناہنجاری سے ان کی بے توقیری کی تو یاد رکھو۔ اس سے زیادہ تمہاری بے عزتی ہوگی۔ اے اس کتاب کی پڑھنے والی بچیو! بڑوں کی خدمت کرو ان کا ادب کرو۔ دعائیں لو۔ مرادیں پاؤ۔ پھولوگی پھلوگی خوش و خرم رہوگی۔ جب کسی بزرگ کے سامنے جانیکا اتفاق ہو یا وہ کسی ضرورت سے نکل آئے اس سے اوجھل ہو کر اپنی اوڑھنی سنبھالکر اوڑھو۔ شکل ٹھیک طرح سے لگاؤ۔ یہ نہیں کہ بازو کھلا سر ننگا۔ اوڑھنی کا چھتڑا کندھے پر۔ لڑکیوں کا سب سے بڑا جوہر شرم و حیا ہی۔ بعض لڑکیوں میں بدتمیزی سے پان کھانے کا سخت عیب ہوتا ہی۔ کپڑے ٹھیک

کر لینے کے بعد یہ دیکھو کہ پان کی سرخی یا چھوں تا تو نہیں آ رہی۔ ہونٹ بیر بہوٹی ہو رہے ہیں تو کلی کرو منہ صاف کرو اور نہایت ادب سے آہستہ آہستہ ہلکے سامنے آؤ۔ جھک کر سلام کرو اور سامنے سے ہٹ جاؤ۔ یہ بھی عیب کی بات ہے کہ بس وہیں کِل گئے۔ وہ بلائے تو پاس جاؤ سوال کرے تو جواب دو۔ بغیر بلائے سر پر سوار ہونا اور گھس کر بیٹھنا بڑی بیہودہ بات ہے اگر کسی بات کے جواب دینے کی ضرورت ہو تو نیچی نگاہ کر کے ادب سے جواب دو۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تڑاق پڑاق باتیں کرنی بھی عیب میں داخل ہیں۔ پاس بیٹھنے کا اتفاق ہو تو اتنی احتیاط ضرور کرنی چاہیئے کہ بولنے میں چھینٹیں منہ سے نہ اڑیں اگر کسی مجلس میں کوئی بزرگ کسی کام کو کہے تو اس کے حکم کی تعمیل شرافت کی عین دلیل ہے۔ اگر چند بیویاں بیٹھی کسی کا ذکر کر رہی ہیں تو سُنی اَن سُنی کر دو۔ خواہ مخواہ دخل دینا اور فضول باتیں کرنی سخت نالائقی ہے۔ ایک بہت بڑا عیب لڑکیوں میں لُترے پن کا دیکھا گیا ہے۔ اس کی برائی اس سے اور اس کی اس سے۔ خدا ہماری ماں بہنوں کی بیٹیوں کو اس سے بچائے۔ پہلے پہل تو لوگ بہت عزت کرتے ہیں کہ یہ مخبر ہے اِدھر اُدھر کا حال معلوم ہوگا۔ مگر تھوڑے ہی دنوں میں جہاں قلعی کھلی بس وہ جھوٹی عزت رخصت ہوئی۔ بلکہ الٹی ذلت حاصل ہوتی ہے۔ کھانا کھانے میں بہت سی باتوں کی احتیاط چاہیئے خصوصاً آواز سے چپڑ چپڑ کر کے کھانا پرلے سرے کی بدتمیزی ہے۔ نوالہ اس طرح چبانا چاہیئے کہ برابر والے کو بھی آواز نہ آئے یہ نہیں کہ منہ میں نوالہ لینے کے واسطے زبان آدھ گز باہر آ جائے۔ جس برتن میں کوئی دوسرا شخص کھا رہا ہو۔ اس میں بھی کھانا اچھا نہیں لیکن اگر ضرورت مجبور کرے تو تمیز کے یہ معنی ہیں کہ اپنے آگے سے کھاؤ۔ نہ یہ کہ دوسرے کے آگے سے اٹھا اٹھا کر اپنا پیٹ بھر لیا۔ ایسے کھانے سے بہتر نہ کھانا۔ جو دوسرے نام رکھیں مانگے تانگے پر فخر کرنا اکثر لڑکیوں میں دیکھا گیا ہے اور یہ ایسا بڑا عیب ہے کہ خدا کی پناہ دوسرے کی چیز پر غرور اور پرائی چیز پر ناز کرنا محض بیوقوفی ہے۔ اپنے پاس چیز

نصیب نہیں مگر دوسروں کی لیکر اترانا عام دستور ہو گیا ہے جو سخت بے شرمی اور بیحیائی کی بات ہے، اگر کسی کی کوئی چیز کھوئی گئی تو نقصان کا نقصان ہوا اعتبار کا اعتبار گیا۔ شرمندگی ہوئی سو الگ، دوسروں کے پلاؤ قورمے اور زردہ بریانی سے اپنی روکھی سوکھی دال دلیہ ہزار درجہ بہتر۔ جو کچھ خدا نے دیا اس پر قناعت اور جس حال میں رکھا اس پر صبر سب سے بڑی انسانیت اور سب سے بڑی نعمت ہے۔ بنارس سے کوئی چودہ کوس پر ایک بستی ہے وہاں کے نواب صاحب کے ہاں بیٹے کا بیاہ رچا۔ دور دور سے لوگ آنے شروع ہوئے۔ رئیس کے ہاں کی خوشی۔ بیٹے کا بیاہ۔ روپیہ۔ ارمان۔ دل۔ ساچق والے روز تو تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ صدر دالان میں نواب کا کنبہ اور بغلی کمروں میں بیگم صاحب کی میکہ والیاں اتری تھیں۔ نواب صاحب کی سگی بھانجی، تھی تو لڑکی۔ مگر لڑکی کیا آفت کا پرکالہ تھی جب دیکھو کلا گرم منہ میں گلوری ہے۔ کواری لڑکی کو یوں تک کاجل۔ آئینہ سامنے رکھا ادھر ادھر پھری اور شکل دیکھنے بیٹھ گئی۔ چلنے کا یہ حال کہ وہ آفت کہ جدھر نکل گئی قیامت عطر اتنا غضب کہ ذرا سی دیر برابر میں بیٹھنا مصیبت۔ چال ایسی حال ایسا سب نے یوں منہ چوڑنا شروع کیا۔ مگر وہ شیخی خوری اسی طرح چاروں طرف اتراتی پھرتی تھی۔ دو مامائیں ساتھ۔ ایک کے ہاتھ میں خاصدان۔ دوسری کے پاندان۔ دم پہ دم پان اور گھڑی پہ گھڑی آئینہ۔ بدتمیزی کی یہ کیفیت کہ سفید انڈا سی دیوار۔ پیک کے دھبوں سے گلنار بنا دی۔ اجلی سفید صاف شفاف چاندنی۔ پانی جو گرا تو گیلی چوڑا۔ اس پر اوندھی کاجل کی ڈبیا۔ جگہ جگہ خاصے بڑے بڑے کالے چکتے پڑ گئے۔ چاہیئے کہ لڑکی اپنی اس نادانی پر کچھ پشیمان ہوتی۔ لاحول لا قوۃ۔ خیال تو یہ تھا کہ دستور کے موافق ڈولی یا پالکی سے اتر پہلے سب سے مل ملا لی ہو گی۔ مگر بی بی کی صحنک کے وقت معلوم ہوا کہ کمبخت کو اتنی بھی توفیق نہ تھی کہ کسی بڑے کے واسطے دو انگلیاں بھی ماتھے پر رکھتی۔ بیگم صاحب کے پاس گئی تو کس کا سلام اور کیسا ادب۔ دیدہ ہوائی۔ آنکھ میں صفائی۔ انگنائی ہی میں

آواز لگائی۔ کہو بی ممانی اچھی ہو؟ کھلکھلاتی چلی جھومتی جھامتی آئی اور آلتی پالتی مار
برابر میں آن بیٹھی۔ اسی عمر کی ایک اور لڑکی رشتہ میں بیگم صاحب کی دور کے کی بھتیجی۔ گو غریب
تھی مگر باحیا سلیقہ شعار۔ چاندی کی بالیاں ننگے ہاتھ خالی پاؤں ہوں تو ہوں مگر ایک
جوہر شرافت اس کے پاس ایسا تھا کہ لاکھوں کا زیور قربان ہو جائے۔ ایک کونے میں دبکی سکڑی
کونے پر بیٹھی تھی۔ اس شیخی خوری مغرور لڑکی کو اتنی تاب کہاں کہ غریب لڑکی برابر میں
بیٹھ جائے۔ پاؤں کا ایک ٹھوکا ایسا دیا کہ مسکین سرک کر الگ ہو بیٹھی۔ اس پر بھی ٹھنڈک
نہ پڑی تو کہنے لگی "اے ہے ممانی یہ کیا ست بیڑا کارخانہ کر رکھا ہے۔ پہلے ہم لوگوں کو کہلا دیا
ہوتا۔ پھر ان بیچاریوں کو بٹھاتیں۔ دیکھو تو سہی اس لڑکی کے کپڑوں میں سے کیسی بو آرہی ہے
پھر اتو بھی بھی متلانے لگا ماشہ دو ماشہ عطر بھی نصیب نہیں تھا تو شادی میں آنے کی کیا ضرورت
ماری جاتی تھی اور پھر یہ بیحیائی کہ برابر گھس کر بیٹھنا۔ بیگم صاحب کو بھانجی کا یہ کہنا ناگوار تو
بہت معلوم ہوا مگر سسرال کا معاملہ سگی نند کی لڑکی اپنے گھر کی مہمان کچھ سوچ سا چ
دم بخود رہ گئیں۔ ہاں اور بیویوں کو یہ تکتوڑے بہت ہی زہر معلوم ہوئے۔ مفلس غریب بے ماں
کی بچی وہاں سے اٹھ الگ کونے میں جا بیٹھی۔ اس کی حسرت و بیکسی دیکھکر آخر ایک بڑی بی کو
غصہ آ گیا۔ کہنے لگیں۔ لڑکی ذرا اپنی ہستی کو دیکھکر بات کر۔ تو نے تو موئے کا فروں کو
بھی مات کیا۔ امیری اور گہنا کسی کی ذات نہیں ہے۔ جس جگہ سے تو نے اس وقت ایک
بے ماں کی بچی کو اٹھا دیا۔ تجھے خبر ہے یہ کس کا دربار ہے اور یہ صحنک کس بیوی کے نام کی
ہے۔ یہ اس باپ کی بیٹی ہے جو مسلمانوں کے سر کا سرتاج یہ وہ بیوی ہے جس کا نام فاطمہ زہرا ؑ جو خود
دکھیاری مصیبت کی ماری تھی۔ دو دو تین تین وقت کے فاقوں میں بھی جو کچھ میسر آیا
وہ حاجتمندوں اور مسکینوں پر سے قربان کر دیا۔ اور اپنی نیکیوں کا نمونہ ایک ایسی یادگار
چھوڑ گئی کہ آج مسلمان بیویاں اس نام پر فخر کرتی ہیں۔ اے شیخی میں چور اور دولت میں مغرور لڑکی
تو نے بیچ دربار سے ایک ایسی اصل نسل سیدانی کو اٹھا دیا جو تجھ سے زیادہ حق دار ہے۔ دنیا فانی

اور یہ دولت آتی جاتی ہے۔ ارے نادان کس چیز پر پھولی! خدا سے ڈر اور مرنے کو مرنا سمجھ۔ اس
وقت اس یتیم بچی کا دل کیا کہہ رہا ہوگا۔ اس کی آہ بُرے دکھے ہوئے دل کی فریاد ہے اور ایک
ایسے بادشاہ کے حضور میں ہے جو تجھ سے بہت زیادہ اختیار والا اور منصف مزاج ہے۔ میری
آج کی بات یاد رکھ کہ اگر اس کو راضی نہ کیا تو برباد ہو جائے گی۔ بڑی بی کی باتیں کچھ ایسی
درد بھری تھیں کہ سب کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ مگر نہ ٹس سے مس ہوئی تو ڈھیٹ بخت
بہتیرا ہی ممانی نے کہا مگر اس کے کان پر جوں چلی! اُلٹی اور منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی ہوئی
سیدھی ہو لی۔ سب گنوں پوری کوئی نہ کھونٹے وری۔ اتنا کچھ اللہ نے دیا تھا مگر شیخی کہاں
جاتی وہ تو بغل ہی میں تھی۔ چلتی دفعہ پھوپی زاد بہن سے اینڈوی کے کنگن ایک ہاتھوں
میں ڈال لیے رات کو پڑ کر سوئی تو نہ کڑوں کا خیال نہ گہنے کی احتیاط یوں ہی پہنے پہنے
ڈھیر ا بڑے ہاتھوں سے کنگن ڈھیلی کیلیں ایک کھلکر گر پڑا۔ صبح اُٹھی تو ہاتھ منہ کنگی چوٹی
سرمہ کاجل سب ہی چیزوں کا ہوش! ورنہ ہوش تو گہنے کا۔ ماما نے دیکھکر جتایا تو ڈھونڈ یا پڑی ڈھونڈ کا
ہنگامہ سینکڑوں آدمی پھرے کنگن کیا خاک ملتا۔ ستم یہ ہوا کہ اس بننے والی بیبی کے
بھی کنگن میکے کے نہ تھے سسرال کے کنگن چڑھاوے کے آئے ہوئے۔ نقصان ہوا وہ الگ
شرمندگی ہوئی سو جدا۔ بیٹیو اس واقعہ سے تم کو سبق لینا چاہیئے کبھی کسی کے مانگنے کی چیز کا
استعمال نہ کرو کہیں شادی میں جاؤ تو بڑوں و چھوٹوں سے ملکر جو جگہ تمہارے واسطے تجویز
ہوئی وہاں اپنا بچھونا بچھاؤ۔ اس بات کی سخت احتیاط کرو کہ تمہاری وجہ سے مکان
میں دھبے وغیرہ نہ پڑیں۔ میزبان کا بچھونا خراب ہو۔ جو کچھ خدا نے تم کو دیا ہے وہی پہن اوڑھ
کر جاؤ۔ ملو تو اس طرح کہ جو دیکھے وہ خوش ہو۔ رہو تو اس طرح کہ جو بلائے وہ باغ باغ۔ جدا ہو
تو اس طرح سے کہ دوبارہ ملنے کی آرزو باقی رہے جو کچھ اتارنا ہو تو پہلے مسہری اس کی نگاہ میں کہو
سوتے وقت سب چیزیں اُتار کر کسی بڑی بوڑھی کے سپرد کرو۔ بالیوں کی گوکھیں۔ پونچیوں کی
گھنڈیاں، کڑوں کے موگرے، بازوبند یا جوشنوں کے ڈورے۔ مگر کیوں کا ٹانا ان سب چیزوں کی

طرف سے اطمینان کر لو کہ ٹھیک ہیں اور گرنے والی نہیں صبح اُٹھتے ہی منہ ہاتھ دھونے کے بعد جیسی پوشاک کو پہنا ہے اس کی جانچ کرو۔ بد صورت لڑکیوں پر کبھی ہنسو ممکن ہے کہ انکی سیرت تم سے بہت اچھی ہو کسی کو حقارت اور نفرت سے دیکھنا بڑی بھاری غلطی ہے!

ایک لڑکی کا ذرا کالا تھا رنگ
اور اس کے بھائی کا گورا تھا رنگ

کھیلتے تھے مل کے وہ دونوں بہم
کچھ نہیں تھا اُن کے دل کو رنج و غم

ایک دن اُنکو کہیں گھر میں پڑا
اتفاقاً ایک آئینہ ملا

دیکھی صورت جس میں دونوں نے جو ہیں
کھلکھلا کر ہنس پڑا لڑکا وہیں

اسکے ہنسنے کا سبب وہ پا گئی
اور اپنے دل میں شرمندہ ہوئی

آئی پھر روتی ہوئی وہ ماں کے پاس
اور یوں کہنے لگی ہو کر اداس

بھائی کو بلوا کے اماں جان ابھی
کہدو آئینہ نہ دیکھیں وہ کبھی

ماں نے اس کی جو بہت تھی ہوشیار
پونچھ کر آنچل سے آنسو کر کے پیار

اس کی ٹھوڑی کو پکڑ کر یہ کہا
کون اس صورت کو کہتا ہے برا

خاصی اچھی شکل ہے اے میری جان
کچھ نہ کرنا اپنے دل میں اسکا دھیان

اور اگر ایسا ہی تمکو ہے خیال
اور صورت کی برائی کا ملال

تو کرو بیٹی ہمیشہ نیک کام
تاکہ ہو دونوں جہاں میں نیک نام

صورت اچھی گر نہیں تو شرم کیا
سیرت اچھی چاہیئے اے باحیا

اور پھر بلوا کے لڑکے سے کہا
تم کو دعویٰ ہے بہت کچھ حسن کا

کیوں ہنسے تھے تم بہن کی شکل پر
کیا برائی اس میں آئی تھی نظر

یہ جو صورت ہے تمہاری چاند سی
ہے نہیں یا تو سے کچھ کچھ ماند سی

گر کسی کی شکل ہو سچ مچ بری
تو بھی اس میں کیا خطا اس شخص کی

اور جس کو اچھی صورت دے خدا
اس کو بھی کچھ نہیں حق فخر کا

ہاں مگر جو کوئی اپنے ہاتھ سے — اپنی صورت کو بنائے آپ سے
شرم کی جا نہ ہی بیشک فخر بھی — یہ نہیں ممکن مگر بیٹا کبھی
کام اچھے کرکے تم اے میرے چاند — اپنی صورت کو لگاؤ چار چاند
اس کو سمجھتا ہی خدا نے جو شرف — یہ نہ ہو لگ جائے اس میں کچھ کلف

اچھی صورت سے ہیں اچھے اچھے کام

ختم کردیا شد حکایت والسلام

(۹)

یہانتک پہنچکر نسیمہ ہچکی تو ماں نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور نند سے کہا لے بی آپا اس غریب لڑکی کا حال سنکر تو میرا جی بہت ہی کڑھا۔ مگر ایک بات کہتی ہوں لڑکیوں کے پڑھانے لکھانے سے فائدہ کیا۔ ان کو کہیں نوکری نہیں کرنی۔ روٹی نہیں کمانی۔ سارے جہان کا حال بتا کر اور دیدہ دلیر کرنا ہے

نند۔ اللہ کا شکر ہے میں بھی مسلمان ہوں اور تم بھی۔ ہمارے حضرتؐ نے فرمایا ہے کہ علم ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر فرض ہے۔ نسیمہ کی ماں تم بھی کیا بچوں کی سی باتیں کرتی ہو۔ پڑھنے سے اور عقل آئے گی یا دیدہ دلیر ہوگا۔

بھاوج حضرت کے فرمانے کی تو مجھے خبر نہیں مگر میرے ابا اللہ بخشے آخر اتنے بڑے مولوی تھے۔ لیکن ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ لڑکیوں کا پڑھانا بہت ہی بری بات ہے۔

نند۔ میں تمہارے والد کے شان میں تو کچھ نہیں کہتی۔ مگر جن بزرگوں کا یہ خیال تھا وہ غلطی پر تھے، وہ بات کی تہ کو نہ پہنچے اور مسلمانوں کو جان بوجھکر کنوئیں میں دھکیل دیا۔ مائیں ہیں جاہل بچوں کی تربیت اچھی نہ ہوئی۔ خاصی بھلی چنگی قوم کا ناس ہو گیا پیغمبر زادیاں اور پیغمبر صاحب کے زمانہ کی مسلمان عورتیں علم کا دریا تھیں۔ یہ تو موٹی سی بات ہے کہ

علم آدمی کو آدمی بنا دیتا ہے۔ پڑھ لکھکر عورتیں خدا کو خدا سمجھنے لگیں گی۔ گناہ سے بچیں گی برائی سے پرہیز کرینگی۔ ایمان کو ایمان عزت کو عزت بڑوں کو بڑا چھوٹوں کو چھوٹا ہر چیز کی اصلیت معلوم ہو جائے گی! دیدہ دلیر کی جو کہتی ہو تو کیا ان پڑھ عورتیں چلتی ہوئی نہیں ہوتیں۔ جاہل تو ایسی چلتر ہوتی ہیں کہ بڑی بڑی پڑھی لکھیوں کے کان کاٹیں۔ تم کو کچھ سنت کی بھی خبر ہے۔ کبھی اخبار دیکھو اور دنیا کا حال سنو تو معلوم ہو کہ مسلمان کتنے ذلیل ہو گئے روز بروز بدتمیز نالائق جھوٹے کمینے ہوتے جاتے ہیں۔ یہ کیوں صرف اس وجہ سے کہ عورتیں جاہل ہیں اور گود ہی میں دنیا بھر کے عیب بچوں میں پیدا کر دیتی ہیں۔

بھاوج واہ بواہ واہ عورتیں جاہل ہیں تو مردوں سے واسطہ یا وہی کہاوت ہے کہ کمہار پہ بس نہ چلا، گدھیا کے کان اینٹھے۔

نند (ہنسکر) ہاں ہاں بہت بڑا واسطہ ہے بچوں کا سب سے پہلا مدرسہ سمجھو اتالیق سمجھو جو کچھ بھی ہے ماں کی گود ہے جو سنیں گے وہ جانیں گے جو دیکھیں گے وہ سیکھیں گے اماں کی یہ حالت کہ نہ خدا کی نہ رسول کی تہذیب سے کوسوں دور جہالت میں چکنا چور عقل نہ ہوش برکت نہ نور۔ چہرہ پر پھٹکار صورت پر خدا کی مار۔ نالائق طریقے بیہودہ اطوار وہی اثر بچہ پر ہوگا یا کچھ اور بچپن کی پڑی ہوئی عادتیں قبر تک ساتھ جاتی ہیں اور کسی طرح چھٹائے نہیں چھٹتیں جھوٹ۔ مکر۔ دغا۔ بے ایمانی یس ہی کا نام مسلمانی رہ گیا ہے تم بھی تو مسلمان ہو۔ تمہارا دل یہ نہیں چاہتا کہ مسلمان دنیا میں عزت حاصل کریں! اور اس مصیبت سے چھٹکارا پائیں۔ کل ہی تو میں نے اخبار میں پڑھا ہے جیلخانہ کے قیدیوں میں اسی فیصدی مسلمان ہیں یعنی سو میں اسی۔ باقی بیس میں اور سب قومیں۔ یوں سمجھو اگر شہر میں پانچ آدمی پکڑے جائیں جو چور دغاباز بے ایمان ہوں تو ان میں چار مسلمان ہیں۔ کیسے شرم کی بات ہے۔ اگر آج لڑکیاں پڑھ لکھکر ان ڈھکوسلوں سے کسی طرح چھٹی پا جائیں تو چاہے ہم ہوں یا نہ ہوں مگر ایک پچاس برس بعد جو جیتا رہیگا وہ دیکھ لیگا

کہ ایمان جس پر انسانیت کا دارومدار ہے کیسا درست ہوتا ہے اور جب ایمان یعنی آدمی
طینت ٹھیک ہے تو دنیا اور دین دونو اچھے۔ مجھکو تعجب اور افسوس ہوتا ہے۔ کس طرح
لوگ دوسرں کو دہوکا دیکر اپنا کام کر لیتے ہیں۔ انسانیت کے یہ معنی ہیں کہ جو بات آدمی اپنے
واسطے پسند نہ کرے دوسرے کے لئے بھی روا نہ رکھے۔ نہیں تو وہی کہاوت ہو گی اپنا
پوت اور کا ڈھینگر۔ تعلیم سے بچے کے خیال چاہے لڑکا ہو یا لڑکی کچھہ نہ کچھہ کیا
بہت کچھہ درست ہو سکتے ہیں۔ خدا وہ دن کرے کہ مسلمانوں کی لڑکیاں پڑہنے
لکھنے لگیں پھر تم دیکھنا کہ ان ہی گودوں سے ایسے بچے نکلیں کہ واہ واہ سبحان اللہ
کہو کیا سمجہیں۔ سچ ہے یا جھوٹ۔

بھاوج۔ سچ جھوٹ تو میں جانتی نہیں۔ مگر ہاں یہ ضرور کہوں گی۔ سو میں کہوں
ہزار میں کہوں کہ اگر ایسا ہی پڑہانا ہے تو قرآن شریف پڑہا دو۔ نماز سکہا دو بس
اس کے آگے ٹھیک نہیں۔ لکھنا سکہانے کی تو میری صلاح ہرگز نہیں ہے۔ کون سے
دفتر لکھنے ہیں۔ لکھنا آتا ہے تو جس کو جی چاہا لکھہ بھیجا۔

نند۔ جی نہ ہوا پاگل ہوا کہ جس کو جی چاہا لکھہ بھیجا۔ پڑہے لکھے جی چاہا تو جہاں
جی چاہا نکل کھڑے ہوئے۔ ایک اس بیہودہ خیال نے ہم کو کہیں سے کچھہ بنا دیا۔ یوہی
علم تو اور بری باتوں سے روکتا ہے یا الٹا تم اور یہ الزام لگاتی ہو۔ میرا اتنا سمجہانا
بھی بیکار گیا۔ اچھا اور ایک بات بتاؤ۔ میاں بیوی کا رشتہ کیسا ہوتا ہے۔ سینکڑوں
باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ دوسرں کے بتانے کے قابل نہیں۔ اگر میاں پردیس میں ہے
اور لکھنا نہیں آتا تو اول تو ایک ایک کی منت خوشامد کرو دوسرے تمام دنیا میں اپنے بھیدوں کا
ڈھنڈورا پیٹو۔ گھر کا بھیدی لنکا ڈہائے۔ اپنی ضرورت کے وقت کچھہ نہ معلوم ہوا لیکن جیسے
سر پر آ پڑی تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ بولو بیوی ہاں نا کچھہ تو جواب دو چپ بیٹھنے کی بھی نہیں ٹھہری۔

بھاوج۔ ہاں یہ تو سچ ہے۔ مگر آپا پڑہنے لکھنے سے ذرا عقل زیادہ تیز ہو جاتی ہے اور

پھر دوری ہی کی سوجھتی ہے۔

نند پھر عقل زیادہ ہونا بھی عیب ہے۔ برا تو مانتا نہیں اس اپنے گوشت کے لوتھڑے منجھلی کو ہی دیکھ لو۔ کیا چیز نہیں ہے۔ آنکھ۔ ناک۔ کان۔ ہاتھ پاؤں۔ انگلیاں کسی کی ہوں پانچ اس کی چھ۔ خفا ہوگی تو ہو لیتا۔ ایک پڑھنے کی وجہ سے جانور ہو گئی۔

بھاوج۔ اس کی تقدیر کیا کروں۔ میں آپ اس کے ہاتھوں نالاں ہوں باتوں ہی باتوں میں سب کچھ کہہ دیتی ہوں مگر وہ تو اس کان سنا اور اس کان اڑا دیا۔ چکنا گھڑا بوند پڑی پھسل گئی۔ موئے کتے کی سی ادر ہوگی ورا اس کی نہیں۔ غیرت ہے تو سب کچھ ہے جب اتار لی منہ کی لوئی تو کیا کرے گا کوئی۔ مسلمان کی بچی اور کبھی خدا کو سجدہ نہ کرے کرے کہاں سے دل میں خوف ہو تو کرے لوٹی کوڑی پر قسم۔ بات بات میں قرآن جوان لڑکی ہٹی کٹی موٹی تازی کھانے کو سب سے پہلے موجود۔ کام کے نام موت لیں بی آیا اب میں جاتی ہوں۔ دیکھو کتنی دیر ہوگئی۔ اب ان کے آنے کا بھی وقت ہو گیا۔ جاؤں کھانے کا ٹھیک ٹھاک کروں۔

(۱۰)

بھاوج مزاج کی کیسی ہی صابر کیوں نہ ہو مگر نند نے آج ایسا آڑے ہاتھوں لیا کہ وہی باتوں میں سٹی بھول گئی۔ کچھ بات کی پچ کچھ مرے ہوئے باپ کی غیرت کا خیال منہ در منہ قائل نہ ہوئی تو کیا۔ دل میں تو اتنا سمجھ ہی گئی کہ نند جو بات کہہ رہی ہے وہ پاؤں تولے اور پاؤ رتی کی۔ دو کیوں جاؤں پہلے اپنی ہی لڑکیوں کو نہ دیکھوں کہنے کو تو دونوں ایک ہی پیٹ کی اولاد میں ایک ہی ماں کا دودھ پیا ایک ہی گھر میں پیدا ہوئیں ایک ہی محلہ میں پلی بڑھیں۔ مگر زمین آسمان کا فرق ہے۔ دو بیگم یہ کہتا کہ وہ آدمی ہے جانور ہے کہنے کو جو چاہے سو کہہ لوں۔ مگر ایمان کی بات ہے قصور میرا ہی ہے۔ ایک تربیت اچھی ہونے سے لڑکی ہاتھ سے جاتی رہی۔ ڈیڑھ گز کی زبان سا تویں آسمان پر مزاج۔ لڑکی کیا

فرعون بے سامان ہی! نرگس کی دشمن سوسن کی قاتل، باکھی ہر وہ تماشا کی تمایاں ہر وہ شالا لی۔ پھوپی ناخوش۔ باوا بیزار۔ خدا کی قسم اس مردار نے تو میرا دم ناک میں کر دیا۔ ننھیال اور ددھیال ایک بھی تو خوش نہیں، پھر یہ کیسی آفت ہی کنبہ تو کنبہ اور محلہ تو محلہ شہر بھر میں نام اچھل رہا ہی۔ بیچاری دلہن لینے میں نہ دینے میں، آس نہ پاس، پرسوں بیٹھے بٹھلائے اسی کی جان کو آگئی۔ زبان ہی کہ الامان الحفیظ۔ سینکڑوں کوسنے اور ہزاروں فضیحتیاں، بچہ نہیں نادان نہیں، پاگل نہیں، بہرن نہیں، یہاں تو خیر جیسی گزرتی تھی گزر گئی اور جیسی گزرنی ہوگی گزر جائے گی۔ مجھکو تو آگے کا اندیشہ ہی! کون بھریگا اور کیا کریگی۔ نسیمہ کی طرف سے ٹھنڈی ہوا آرہی ہی۔ الٰہی دنیا بھر کی خوبیاں اس کو۔ دودوں نہائے پوتوں پھلے۔ باپ کی اچکن میں کھڑے کھڑے ایسا بخیہ کیا کہ میرے تو باپ سے بھی نہ ہو۔ سگھڑ بے زبان مسکین تمیزدار بڑی بی تک جو چاہیں کہدیں کیا مجال جو اُلٹ کر جواب دے۔ کیسا دل خوش ہوا ہی جب بھری محفل میں ملانی جی نے کہا ہی کہ میرا تو منہ نہیں جو نسیمہ کی تعریف کروں۔ مجھہ اندھی دہندی کا جیسا خیال رکھتی ہی۔ رونگٹا رونگٹا دعا دیتا ہی۔ محلہ بھر پڑا ہی اور ایک سے ایک افضل اور اعلیٰ۔ اللہ رکھے کھاتے پیتے مگر کوئی بات بھی نہیں پوچھتا لیکن وہ تھی سی بیگم ولی کہوں فرشتہ کہوں جب تک مجھکو کھانا نہ بھیجدیگی اپنے منہ میں ڈالنا حرام۔ کون کسی کو پوچھتا ہی! اس عمر میں وہ دل ہی کہ میں نے تو اتنی عمر میں دیکھا نہیں یہ کرتہ اور پاجامہ اسی کے ہاتھ کا ہی۔ جان سے مال سے ہاتھ سے پاؤں سے ہر وقت اور ہر لحظہ تیار اور موجود۔ گھڑی بھر کو نکل جاؤں تو زردہ پر زردہ۔ پانچوں وقت نماز کے بعد دعا مانگتی ہوں الٰہی دنیا کا عیش اس بچی کو نصیب ہو۔ عزت آبرو تو خدا کے ہاتھ ہی مگر میرے ساتھ تو اس نے ایسا سلوک کیا کہ میرے موئے باپ دادا کی لاج بڑوں کی عزت سادات کی شان اُس کے دم سے باقی رہ گئی۔ ورنہ در در بھیک مانگتی ٹکڑا نصیب ہوتا۔

رات کا وقت گھر بھر پڑا سوتا تھا اور وہ نیک بخت پلنگ پر لیٹے لیٹے کبھی ہنس رہی تھی

کبھی رو رہی تھی۔ ان دنوں کے جھگڑوں سے چھٹی پائی تو بڑی کا دھیان آیا! پردیس کا خیال
آتے ہی ایک جھگڑا بندھ گیا۔ سوچنے لگی کہ جمعہ جمعہ آٹھ جمعہ جمعہ پندرہ جمعہ جمعہ بائیس ہفتہ تیئس
اتوار چوبیس پیر پچیس منگل چھبیس آج ستائیسواں دن ہے خط نہ پتر خیر نہ خبر کس سے پوچھوں
کیا کروں، پہر ہوتے اٹھ کر جاتی دیکھ کر آتی۔ ننھے کا جی بے مزہ لکھا تھا خیر تھا اب کیسا ہے
خراب خراب باتیں برے برے وہم دل میں آ رہے ہیں۔ خدا کرے اچھی بھلی ہو۔ گرمی کا موسم
دن لیسے پہلی گرمی بچہ کا ساتھ خدا اپنا فضل رکھے۔ دو حرف لکھوا کر بھیج دیتی۔ تو کچھ
پریشانی نہ ہوتی۔ مگر اس بیچاری کا قصور ہی کیا۔ پرائے ہاتھ کی محتاج کہاں جائے
کس سے لکھوائے۔ میاں دورے پر گیا ہوگا۔ غریب اسی ادھیڑبن میں تھی کہ لوٹھا بیٹی نے
بلبلانا شروع کیا۔ سات دن سے آنکھیں دکھ رہی تھیں بہتیرا سب نے کہا، دو دن گھر آ لگا لے
تیسرے دن تارا سی آنکھیں ہو جائیں گی۔ مگر وہ کس کی سنتی تھی۔ پھوپھی نے ہر چند سمجھایا کہ
اودھی کی پھٹکری کر چھے میں کھکر بھون لو پھول جائے تو سرمہ سی پیس کر گلاب میں حل کر لو اور چھان کر
شیشہ میں بھر لو۔ پر کا قلم میں بھیجدونگی دو تین ہی دفعہ کے ڈالنے میں دیکھنا کتنا فرق معلوم ہوتا ہے
آلکسی معلوم ہو تو اس کو بھی جانے دو ایک پیسہ میں پوست۔ پھٹکری۔ چھوٹی ہڑ۔ بہیڑہ۔ یہ چار چیزیں
منگوا کر دو پوٹلیاں باندھ پانی میں ڈال لو وہ پھیرتی رہو۔ دیکھنا ایک ہی دن میں آنکھیں چند دن
سی ہو جائیں گی۔ چاکسو تو لگتا بہت ہے۔ کہو میں رات کو آ کر سفیدہ بھر دوں۔ ذرا سی تکلیف
تو ہوگی صبح اٹھتے ہی یہ کھٹک وٹک کچھ بھی نہ رہیگی۔ اگلے برس میری آنکھیں کیسی ٹوٹ کر
آئی تھیں۔ ڈاکٹر کی دوا دو تین ہی دفعہ ڈالی تھی بالکل صاف ہو گئیں۔ آنکھوں کا معاملہ ہے
کھٹائی میں نہ ڈالو۔ غرض اپنی اپنی جگہ سب ہی نے سمجھایا مگر منجھلی بیگم کی سرکار میں کہنا
بیسود اور سمجھانا بیکار۔ کیسا علاج اور کس کی دوا۔ چاہیئے کہ نون مرچ بادی ثقیل کسی چیز
کا تو پرہیز کرتی، توبہ سب ہی کچھ کھایا اور سب ہی کچھ پیا۔ ستم یہ کیا کہ ادھر تو کھائی بریانی
اوپر سے پیا ڈٹ کر پانی۔ دوپہر کو آئی کاچھن اس سے بنوائے کچالو اور وہ بھی امرود کے۔

کھانا تھا کہ آنکھوں میں دُسے پڑ گئے۔ سونے لگی تو آنکھوں کا حال کچھ اور ہی تھا۔ دم بھر کو چین نہ آیا لیٹی۔ اُٹھی بیٹھی۔ تڑپی، آخر رونا شروع کیا۔ ماں پہلے ہی لیٹی بیٹی کی تقاریر کو جھیک رہی تھی، غصہ تو آ گیا تھا مگر خدا نے ہی کچھ سمجھ دیدی کہ چپکی پڑی رہی۔

رات تو خیر جوں توں گذر گئی صبح کو نسیمہ کی ماں خاصی اچھی طرح اٹھی منہ دھویا زردہ کھایا، ترکاری میٹھی بنا رہی تھی کہ سر چکرانے لگا! ابھی زردہ ہضم ہوا ہی تھا کہ دماغ کو چڑھ گیا۔ مگر سر نے تو وہ گھمیری لی کہ خدا کی پناہ۔ گود کے بچے نے ضد شروع کی تو ایسی کہ اللہ دے اور بندہ لے۔ دے ایڑیاں اور دے پٹخنیاں! ہر چند دودھ دیا بہلایا۔ کھڑی ہوئی لئے لئے پھری، سینیاں بجائیں۔ کنڈیاں کھٹکھٹائیں چمکارا پیار کیا۔ میاں کہا دولہا کہا۔ سب ہی کچھ کہا۔ اور سب ہی کچھ کیا۔ مگر وہ بار رونی کس کی سنتا تھا۔ گھر بھر کو سر پر اٹھا لیا۔ چکروں نے پہلے ہی جان پر بنا رکھی تھی۔ بچہ کی ضد اور مرے کو مارے شاہ مدار ہو گئی۔ کھڑی ہو کر ٹہلے تو ذرا تالو سے زبان لگ جائے۔ جہاں بیٹھی اور پھر وہی چیخم دھاڑ۔ سر کہے کہ ذرا ہلی اور دم نکلا۔ بچہ کہے کہ ذرا دم لیا تو جینا دوبھر کر دوں گا۔ بھائی کا چیخنا بلکنا سنکر نسیمہ آئی۔ دیکھتی کیا ہے کہ بچہ پچھاڑیں کھا رہا ہے اور ماں سے ہلا نہیں جاتا بیٹی کی صورت دیکھکر ماں کی جان میں جان آئی۔ کہنے لگی نسیمہ دیکھ تو سہی۔ میری تو جان نکلی جا رہی ہے اور یہ ہے کہ کسی عنوان نہیں مانتا۔ کیونکہ کھڑی ہوں، ذرا ہلتی ہوں تو بھیجا نکلا پڑتا ہے۔ خدا کے واسطے اس کو اپنے ہاں لیجا۔

نسیمہ میرے تو سبق کا وقت ہے۔ ذرا قرآن شریف پڑھ لوں تو پھر لے لوں گی۔

پھوپی بھی بھتیجے کے پیل سنکر کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی تھی بھتیجی کا جواب سنکر دنگ رہ گئی اس سے تو کچھ نہ بولی مگر آپ آ کر لڑکے کو لے لیا۔ بچہ کی فقط ضد تھی پھوپی نے جو کندھے سے لگا کر لگاتار پھیرے کئے منہ رکھکر سو گیا۔ الگ سے جھولے میں لٹا چار پانچ جھونٹے دیئے، بھاوج پاس آ بیٹھی۔ دستور تھا ماما کو بلا بھیجا۔ دہیلے کے کچکن کے

پھول منگوائے پیکر لگانے سے کہ درد کا پتہ بھی نہ تھا۔ سبق پڑھ پڑھا چکی تو نسیمہ بھی ماں کے ہاں آئی مگر پھوپھی اس کی صورت دیکھتے ہی وہاں سے اُٹھ کھڑی ہوئی اور کھڑکی کھول اپنے ہاں۔ بچہ تو سو ہی گیا تھا نسیمہ بیٹھی ماں کا سر دباتی رہی۔ کھانے کا وقت آیا تو ماں کہنے لگی۔ بس بیٹی تو ٹھنڈی رہ۔ اب جا کر کھانا کھا پھوپھی راہ دیکھ رہی ہونگی۔ گھر آئی تو پھوپھی کا منہ پھولا ہوا۔ کچھ دیر تک تو وجہ سوچتی رہی جب کوئی بات سمجھ میں آئی تو کہنے لگی کھانا تیار ہے نکالوں۔

پھوپھی۔ تم کو بھوک ہو تو کھا لو۔ میں تو ابھی نہیں کھاؤں گی

نسیمہ۔ کیوں؟ آپ کو بھوک کیوں نہیں ہے۔

پھوپھی۔ اس بحث سے کیا حاصل۔ میں تم سے بات بھی کرنی نہیں چاہتی۔ تم برابر بولے جاتی ہو۔

نسیمہ۔ مجھے اپنا قصور معلوم ہو جائے کہ مجھ سے کیا خطا ہوئی۔

پھوپھی۔ مجھے کیا خبر نہیں۔ میں سب سن رہی تھی۔ ایسی کٹر بیٹی، الٰہی دشمن کو نصیب نہ ہو ماں کی یہ حالت کہ درد کے مارے بات تک نہ کی جائے کتنی خوشامد سے اس نے کہا بیٹی ذرا اس کو لے لے اور تیرا دل نہ پسیجا۔ بے سود ہیں وہ بیٹیاں جو اس طرح بھر منہ ماں کے ہاتھ میں ٹکا سا جواب دیدیں۔

نسیمہ۔ آپ نے خیال نہیں کیا۔ میں نے کیا عرض کیا تھا، وہ سبق کا وقت تھا۔ اس لیئے میں نے کہا پڑھ کر لے لونگی۔

پھوپھی۔ ہاں ہاں میں نے سن لیا تھا سبق تھا نماز تو نہ تھی کہ قضا کا ڈر ہو۔ تھوڑی دیر ٹھہر کر پڑھ لیتیں۔ ہاں کھانے کو ذرا دیر ہو جاتی۔

نسیمہ۔ اے ہے پھوپی اماں۔ مجھے تو کھانے دانے کا بالکل بھی خیال نہ تھا اگر یہ قصور ہے تو اماں جان سے ابھی معاف کروا لیتی ہوں ا میں سچ عرض کرتی ہوں

صرف پڑھنے کی وجہ سے اس وقت عذر کیا۔ ورنہ ایسی خطا ہرگز نہ ہوتی۔

پھوپھی۔ پڑھنے کا تو میں جواب دے چکی۔ تم کو یہ سوچنا چاہیئے تھا کہ اس وقت کی تعمیل فقط ماں ہی کا حکم نہیں ایک حاجتمند کی مدد بھی ہے۔ تم نے اپنا ذاتی فائدہ ان دونوں باتوں سے بہتر سمجھا۔ کس کام کا وہ آدمی جو اپنے فائدہ کی وجہ سے دوسروں کی پرواہ نہ کرے۔

نسیمہ وہ لڑکی جس نے آجتک کسی کی آدھی بات نہ سنی ہو پھوپھی کا اعتراض سنتے ہی بے اختیار ہو گئی۔ بس تھا تو بے دیکرا اپنی آنکھوں پر۔ کھانا چھوڑ چھاڑ الگ کونہ میں جا بیٹھی اور لگی پھوٹ پھوٹ کر رونے۔ ماں سے زیادہ چاہنے والی پھوپھی جس نے آٹھ نو برس میں کبھی بھتیجی کو ہوں تک تہ کی کہتے تو اتنا کہہ گئی مگر بچی کے آنکھ سے آنسو نکلنا تھا کہ اس کی اپنی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہو گئی۔ مگر سمجھدار عورت دور اندیش آدمی دل بہت تڑپا اور جی بہت ململایا لیکن خوب جانتی تھی کہ اگر اسوقت اس کو چمکارتی ہوں تو یہ ناز برداری میرے واسطے نہیں اسی کے واسطے اندھیر ہو گی طبیعت بھر آئی تو کمرہ میں جا آپ بھی رو آئی مگر اس کے سامنے آئی تو خاصی اچھی طرح نسیمہ رو دھو چکی تو آکر پھوپھی کے قدموں پر گر پڑی اور کہنے لگی میرا قصور معاف کر دیجیے۔ بھتیجی کا آکر گرنا تھا کہ تڑپ اٹھی سر اٹھا کر کلیجہ سے لگا لیا اور کہا میرا تو کچھ قصور نہیں۔ جاؤ اپنی ماں سے معاف کراؤ میں بھی پیچھے پیچھے آتی ہوں۔ اماں غریب ان قرینوں سے کیا واقف وہ تو اس بیٹی کی ماں تھی جس نے آجتک کبھی کہا ہی نہ مانا۔ اسکو یاد بھی نہ تھا کہ میں نے کیا کہا اور اس نے کیا۔ مگر نسیمہ کی اس فرمانبرداری سے دل باغ باغ ہو گیا

(۱۱)

بات رفع دفع ہو گئی وقت گزر گیا سنجیدہ اس وقت تو چپ ہو گئی مگر رہی تاک میں کہ کب موقع ملے اور میں اس کو ٹٹولوں۔ برسات شروع ہو گئی تھی ایک دن رات کے وقت لڑکیاں بالیاں جھولا جھول رہی تھیں۔ پہلے بیاہی لڑکیوں نے ملار گائے۔ پھر چھوٹی چھوٹی

بچیوں نے یہ گیت شروع کیا۔

نیم کی نبولی پکی ساون بھی کبھی آوئے گا
جیوے میری ماجایا ڈولی بھیج بلاوئے گا

دونوں پھوپی بھتیجیاں برابر لیٹی سُن رہی تھیں اور جھولے کی لڑکیاں لہک لہک کر گا رہی تھیں دیوار بیچ گھر تھا صاف آواز آرہی تھی سنجیدہ نے بھتیجی سے کہا نسیمہ تم نے گیت سنا۔

نسیمہ۔ جی ہاں مجھے پہلے سے بھی معلوم ہے۔

پھوپی۔ کچھ اس کا مطلب بھی سمجھتی ہو۔ کہنے کو تو ایک معمولی سا گیت ہے۔ مگر ذرا غور کرو اور بہن بھائیوں کی محبت کا اندازہ لگاؤ۔ بھائی جیسی چیز بھلا کہیں دنیا میں نصیب ہوتی ہے۔ یہ بیچاری لڑکی اپنی سسرال میں ہے۔ جہاں میکے کی چڑیا تک نصیب نہیں۔ نیا نیا بیاہ اجنبی آدمی غیر لوگ۔ رہتے رہتے جی اُکتا گیا اور میکے والوں کی صورت دیکھنے کو آنکھیں ترس گئیں ماں اور باپ دونوں کا سایہ سر سے اُٹھ چکا ہے۔ جنکے دم سے میکہ تھا جب وہی چل بسے تو اب کون بات پوچھنے والا رہا بچپن کے دنوں کو یاد کر رہی ہے۔ گھر چھوٹا گھر والے چھوٹے جنکے ساتھ کھیلی بڑی اُٹھی بیٹھی اُن کی باتیں خواب خیال ہوگئیں۔ کوئی اتنا بھی نہیں کہ وہاں والوں کی خبر تو لا دے جس گھر میں اسوقت ہے وہاں نیم کا درخت لگا ہے ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھی پچھلے زمانہ پر آنسو بہا رہی ہے۔ اس رنج و غم کی حالت میں جب کلیجہ پر چھریاں چل رہی تھیں اور چاروں طرف نظر دوڑا رہی تھی خیال آیا کہ ماں مرگئی تو کیا "ماں جایا موجود ہے" ساون کے مہینے میں جب بھاوج کے واسطے جھولا پڑیگا اس وقت تو بھائی مجھکو یاد کرے گا۔ نند بھاوج بیٹھکر جھولیں گی۔ اتنا سوچتی تھی جو اوپر نگاہ گئی تو پکی پکی نبولیاں دکھائی دیں۔ یہ کسی سے سُن رکھا تھا کہ نبولی ساون کے قریب پکتی ہے۔ بے اختیار ہو کر کہتی ہے۔

نیم کی نبولی پکی ساون بھی کبھی آوے گا

یہانتک تو وقت آگیا کہ نبولی پک گئی کبھی نہ کبھی تو ساون بھی آوے ہی گا یعنی میں کبتک اس طرح ترسوں گی اور اپنے عزیزوں کے دیدار سے محروم رہوں گی۔ ساون آیا اور میکے پہنچی۔ اس یقین کے ساتھ ہی بھائی کی محبت کا جوش دیکھو پہلے اس کی درازی عمر کی دعا مانگی۔ پھر اپنی خواہش ظاہر کی۔

جیوے میری ماں کا جایا ڈولی بھیج بلا دے گا

تم نے یہ مثل سنی ہوگی بہن سو برس کی اور بھائی پانچ برس کا؟ بہن کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو چھوٹا سا بھائی بھی اس رشتہ میں بڑا ہی اس کا مان رکھنے والا۔ اس کی ناک بڑھانیوالا کیسی خوش نصیب ہیں وہ لڑکیاں جنکو اللہ نے یہ نعمت دی اور کیسی بدنصیب ہیں وہ لڑکیاں جو اس نعمت سے نفرت کریں۔ بھائی جیسی چیز بھلا کہیں نصیب ہوتی ہے۔ اپنا دم ہے تو سب کچھ میسر ہو جائیگا مگر یہ چیز کہاں! شاید ہی کوئی دن جاتا ہوگا کہ میں تمہارے چھوٹے چچا کو نہ یاد کرتی ہوں۔ کیسے ہنستے ہوئے دروازے میں گھستے تھے اور دہیں سے کہتے تھے آپا کدہر ہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ برسات کے دنوں میں رومال بھر کر امرود لائے کنجڑے کو کیا غرض پڑی تھی کہ وہ دہو دہلا کر دیتا۔ کیچڑ میں لتھڑے مٹی میں سنے سنائے حوالے کئے۔ میں حکیم جی کے ہاں چھٹی میں جا رہی تھی۔ کارچوبی دوشالہ سر پر تھا۔ انہوں نے رومال اُلٹا میں نے جھولی میں امرود لئے۔ سچ کہتی ہوں وہ کیچڑ کارچوب سے زیادہ عزیز تھی۔ دوشالہ خراب ہوگیا تو ہو گیا۔ اب بھی اس جیسے چار موجود ہیں مگر اس محبت سے لانے والا پیدا نہیں۔ نہ اماں باوا قبریں سے اُٹھکر آئیں گے نہ بھائی پیدا ہوگا چھوٹے بہن بھائیوں کی خدمت تو عین سعادت ہے۔ ہم کو پال پوس کر اس لئے بڑا کیا ہے کہ ہم ماں باپ کا ہاتھ بٹائیں۔ دکھ درد میں ساتھ ہوں جیسی ہماری خدمت کی ہے اس کا بدلہ تو ممکن نہیں مگر انسانیت کے معنی یہی ہیں کہ چل کر پھر کر اُٹھک بیٹھک جس طرح بھی ہو اور جتنا کچھ بھی ہو اُن کے شریک ہوں۔ مجھے تعجب نہیں سخت رنج ہوا کہ اس وقت تم جیسی سعادتمند بیٹی اور ایسی کٹر

ماں کا حکم، بھائی کی خدمت، اور انکار۔ وہ بیچاری تو اس معاملے میں پہلے ہی بدنصیب ہے۔
ایک ہی وہ ہزاروں کوس پڑی ہے مہینوں خیر صلاح کی خبر نہیں۔ دوسری صاحب ہیں
وہ نورٌ علیٰ نور۔ ماں مرتے مرجائے اور اس کی بات پوچھنی حرام۔ بہن بھائی تو دوسرے
درجہ پر رہے۔ اس کا بس چلے تو ایک کو سنکھیا دوسرے کو زہر آج ہی گھر بھر کا صفایا کر دے۔
رہیں تم سو خیر کبھی امرت کبھی زہر، مہربان ہوئیں ماماؤں تک کی دعائیں لے لیں۔ تیوری ان
ہوئیں تو ماجائے تک کی پرواہ نہیں۔ بات کرو تو ایسی کہ دنیا بھر تعریف کرے اور کام کرو تو ایسا
جو دیکھے وہ خوش ہو۔ چند روز میں میکہ کا زمانہ خواب و خیال ہو جائیگا نہ ماں خدمت کی
طلبگار ہوگی، نہ بہن بھائی عنایت کے خواستگار، ماشاءاللہ سمجھدار ہو اس وقت کی قدر
کرو۔ اور موقع کو ہاتھ سے نہ دو۔ یہ وقت پھر آنیوالا نہیں۔ بہت جلد ختم ہونے والا ہے
ایسے کام کر جاؤ کہ تمہاری محبت کا سکہ سب کے دلوں پر بیٹھ جائے۔ دلوں میں گھر کرو اور
منجھلی بہن کی ریس کرو جو ماں جیسی عاشق زار کی دشمن اور باپ جیسے شفیق کی قاتل اگر
احتیاط نہ کروگی تو آج کی میری بات یاد رکھنا روؤگی اور پچھتاؤگی۔ بس اب رات زیادہ
آگئی سو رہو۔

(۱۲)

برسات نکل چکی، گلابی جاڑا شروع تھا شبرات سر پر آئی۔ محلہ کے لڑکے لڑکیوں نے
صلاح کی کہ ہر سال بیسیوں روپے آتشبازی میں اُٹھتے ہیں۔ اب کے سب سے پہلے اکھٹے
کرلیں اور قاضی جی کے ہاں سے آتشبازی بنوالیں کسی نے روپیہ کسی نے اٹھنی
کسی نے چونی کسی نے دونی جمع کر کر اگندک بارود کوئلہ لوچون سب چیزیں فرزن سے
منگوالیں تین چار دن سے سب لڑکیاں صلاح کر رہی تہیں کہ کچھ نہ کچھ چندہ نسیمہ سے
بھی وصول کرنا چاہیئے۔ مگر اُدھر تو شیخو کا خوف ادھر نسیمہ کے مزاج سے ڈر ہمت نہ پڑتی تھی۔
آخر ایک دن دل کڑا کر کے دوپہر کے وقت ادھر تو پھوپھی بھتیجیاں کھانے سے فراغت

پا سینا پرونا لیکر بیٹھیں۔ اُدھر تین لڑکیاں پھٹی پرانی جوتی ٹوٹے کپڑے۔ گنے کے چھلکے چوستی آئیں دعا نہ سلام بات نہ کلام۔ کچھ دیر تک تو گم سم کھڑی رہیں اور پھر کہنے لگیں۔ لاؤ بی نسیمہ آتشبازی میں چندہ دو۔ ابھی نسیمہ کچھ جواب نہ دینے پائی تھی کہ پیچھے سے دو اور آدھمکیں محلہ کا محلہ گمراہ اور آوے کا آوا اندھا۔ پچھلی دو پہلی سے بھی بڑھ گئیں۔ چبوترے پر پھسکڑا مار لگیں چندہ مانگنے۔

نسیمہ۔ تم اندر آجاؤ۔ میں سمجھی نہیں کیسا چندہ

ایک لڑکی۔ اب کے ہم سب لڑکیوں نے ملکر یہ تجویز کی ہے کہ باہر سے منگوانے کے بدلے گھر ہی میں آتشبازی بنالیں۔ ایک روپیہ کی کمی ہے تم بھی شریک ہو جاؤ۔

نسیمہ۔ مجھے ان چیزوں سے بالکل رغبت نہیں اور الٹی نفرت ہے۔

سنجیدہ۔ تعجب ہے تم لوگ ایسی محنت سے تو گھر گھر پھر کر چندہ وصول کرو اور ایسے فضول کام میں صرف کردو۔ بہت سی ضرورتیں ایسی ہیں کہ وہاں بھیجو۔ آتشبازی تو نہایت خوفناک چیز ہے۔ ہر سال دو ایک آدمی اس کی نذر ہو جاتے ہیں۔ یہی روپیہ اگر کسی نیک کام میں لگایا جائے تو کیسی اچھی بات ہے۔ ہیں تو اگر خالی بھی بلاؤ تو مشکل سے آئیں اگلے برس اخبار میں دیکھا تھا کہ اسفندیار خان زیر سردار پور کی اکلوتی بچی انا کے ساتھ ڈیوڑھی میں آرہی تھی۔ انا تھی نمک حرام لڑکی کو اکیلا چھوڑ دار وغہ سے باتیں کرنے لگی۔ ڈیوڑھی میں جل رہی تھی ڈبیا۔ طاق تھا نیچا بچی ہاتھ میں اٹھا اندر لے آئی۔ انگنائی تک پہنچی ہو گی لو کرتہ میں لگ گئی۔ مہین پیوار کا کرتہ چٹکی بجاتے بجاتے بھڑ بھڑ ہو گیا۔ بلبلا اٹھی جب تک لوگ آئیں چیز نکل چکی تھی۔ میں تو کہتی ہوں کہ ڈبیا تک ایسی جگہ جلاؤ کہ بچوں کا ہاتھ نہ پہنچے نہ یہ کہ آتشبازی میں چندہ دینے دوں۔

(۱۴)

ادھر تو یہ گزری اور ادھر ماں بیٹیوں میں خاصی اچھی جھوڑ ہو گئی کمبخت کچھ معاملہ

بھی تو نہیں۔ فقط اتنی سی بات پر کہ سندر گھر کی لگی بندھی کاچھن چھبیا بھر کر ترکاری لاتی چاروں طرف سے بچے ٹوٹ پڑے منجھلی بیگم بھی تشریف لائیں۔ چھوٹے موٹے بچے تو صورت دیکھتے ہی نو دو گیارہ ہو گئے۔ بیچ کی راس کے ادھر ادھر دبک گئے۔ جو رہ گئے اُن میں سے کسی نے تہبر کسی کے چٹکی کسی کے گھونسا کسی کے لپڑ۔ غرض جھٹ پٹا کر دو تین بچے ہو گئے وہ بھی تننے ہوئے اور ڈرے ہوئے۔ صاحبزادی نے پہلے تو دس بارہ کھلی کھلی جامنیں چکھ کر دیکھیں پھر ان کا بھاؤ پوچھا۔ کاچھن نے کہا بیگم جو چاہے دیدو۔ بھلا میں تم سے بڑھتی لوں گی۔

منجھلی۔ پھر بھی آخر معلوم تو ہو۔

کاچھن۔ دو آنہ سیر بک رہی ہیں وہی دونگی۔

منجھلی۔ جھوٹی لپاٹن۔ لوٹنے کو یہی گھر رہ گیا ہے۔ دنیا جہان میں تو بکیں ٹکے سیر تو کہے دو آنہ۔ ایسی ایسی نامرادیں یہاں آن مرتی ہیں جنکو رزق نہ موت۔ بہت دنوں تک آسامی بناتی رہی۔ اب یہ داؤں یہاں چلنے والا نہیں۔ بے ایمانی تو دیکھو وہ گئے نہ گئے اکھٹے چو گنے اور موئی جامنوں میں جامنیں بھی تو نہیں، اینٹ پتھر کچی کچی اُٹھا لائی ٹکے سیر کے بھی تو لائق نہیں۔

کاچھن۔ سرکار، زبردستی تھوڑی ہی ہے نہ لو۔

منجھلی۔ چل مردار، نہ کیوں لو۔ پہلے تو بچوں کو لگا دیا اب لگی باتیں بنانے لے تول آدھ سیر۔

زیادہ نہیں فصل کا میوہ سمجھکر کاچھن ایک ڈھیری لے آئی تھی جو ملا کر کے ڈیڑھ پونے دو سیر ہونگی اس میں سے آدھ پایا تین چھٹانک تو بانگی میں ختم ہوئیں باقی میں سے آدھ سیر چھانٹیں تو اس طرح کہ جامنوں کی جان نکال لی۔ کوڑا چھوڑا ایک پیسہ آگے پھینک لگی چلنے۔

ایمان کی بات یہ ہو سندیں بائیس برس کی کا ہین منجھلی کی دادی تک کو سودا کھلاتے ہوئے، بھلا منجھلی کے منہ کیا لگتی، مگر پھیڑ کی لات گھٹنوں تک دن بھر تخ تخ کرتی در در پھرتی اور گھر گھر جھانکتی تو شام تک چار پانچ آنے بچ جاتے۔ دو آنے کا نقصان دیکھکر چپ سنانے میں آگئی۔ پیسہ پھیر دیا اور کہنے لگی۔ بیوی تمہاری بچی نے نہ کھائیں۔ تم نے کھائیں پیسہ رہنے دو۔

منجھلی۔ چڑیل زیادہ پھیلے گی تو اتنی جوتیاں ماروں گی کہ عمر بھر یاد کریگی۔

ماں۔ لڑکی دیوانی ہو گئی ہے؟ اس کا مال ہے چاہے دے چاہے نہ دے۔ جوتیاں مارنے کی کیا بات ہے۔ بات بیچاہے ذات نہیں ہے۔ زبان کاٹا نکا ہی ٹوٹ گیا ہے۔

بیٹی۔ بس جی بس۔ میں تمہارے منہ کے لائق نہیں ہوں۔ آئیں بڑی بیچاری وہاں سے حمایت لینے۔

ماں بیچاری تو اتنی سی بات کہکر چور بن گئی، بیٹی نے جو جو کچھ منہ میں آیا سب ہی کچھ کہہ ڈالا اور تو کچھ بن نہ آئی۔ میکے سے تین آدمی آچکے تھے کہ بھاوج پردیس سدہار رہی ہے آکر ملجاؤ۔ ڈولی منگوا چلی گئی۔ ایک بج چکا ہوگا میر زاہد گھر میں آئے چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ بیوی کا پتہ نہیں بیٹی سے پوچھا اس کو اس سے اچھا موقع اور اس سے بہتر وقت کون سا ملتا جو باپ سے بدلہ لے۔ چھوٹتے ہی کہنے لگی۔ خالہ حمیدن کے ہاں گئی ہیں۔ خالہ حمیدن وہ بشر تھیں جن سے اور میر زاہد سے تین ساڑھے تین برس مقدمہ لڑا۔ دونوں ایک دوسرے کی جان کے دشمن اور خون کے پیاسے۔ آمد و رفت میل ملاپ۔ ملنا جلنا سب بند۔ حمیدن کا نام سنتے ہی میر زاہد کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ عقل مند اچھی طرح جانتا تھا کہ میرے سامنے سالے کے ہاں سے صبح سے تین آدمی بلانے آچکے ہیں اور بیوی کہہ چکی ہے کہ ذرا کھانا سے دلا لوں تو آتی ہوں۔ مگر بیٹی کا کہنا خدا معلوم قرآن تھا یا حدیث کہ فوراً ہی ایمان لے آیا۔ پہنچنا تھا ہوا باہر نکلا تو ادھر سے ڈولی آرہی تھی اترنے

سے پہلے ہی پوچھا پاڑ شروع کر دی۔ آگے آگے بیوی، پیچھے پیچھے آپ اندر پہنچی تو بیگناہ چپکی کھڑی میاں کا منہ تک رہی ہے کہ یہ فرما کیا رہے ہیں۔ بات نہ چیت، واسطہ نہ غرض غصہ کا بھبکا اور خفگی کس کی۔ لڑکی ناہنجار اتنی کم بخت اور مردار کہ ماں آٹھ آٹھ آنسو رو رہی ہے اور آپ گردن مٹکا مٹکا کر ٹھٹے لگا رہی ہے، پھر والد بزرگوار اتنے بڑے سمجھدار کہ پوچھا نہ گچھا اور بیوی کو گھر سے نکالنے تک پر آمادہ ہو گئے۔ غصہ کی کوئی حد اور خفگی کی کوئی انتہا۔ کچھ دیر تک تو بدنصیب چپکی کھڑی دیکھتی اور سامنے بیٹھی روتی رہی۔ مگر جب دیکھا کہ اب میاں کے منہ سے شرافت کے پھول جھڑنے لگے تو وہاں سے اٹھ کوٹھری میں گھس اندر کنڈی لگا بیٹھ گئی۔ بہن دوڑی آئی تو کیا دیکھتی ہے کہ بھائی غصہ میں آگ۔ بھاوج کوٹھری میں بند اور بھتیجی دسے میں باغ باغ۔ بھاوج سامنے تھی نہیں۔ بھائی سے پوچھنا مناسب نہ سمجھا لے دے کر بھتیجی ہی بھتیجی نظر آئی۔ اس سے پوچھا تو وہ کیا کہتی ہے: جیسا کیا ویسا پائیں صبح کی گئی اب آئی ہیں۔ ادر پہنچی کہاں اسی حمیدن کے ہاں۔

بھائی۔ آپا تم نے بھی بیویوں کے یہ ڈھنگ دیکھے ہیں؟ وہ مردار حمیدن میری جان کی دشمن جس نے مجھ کو بھیک تک منگوا دی اس کے گھر ملنے گئیں۔ اس سے زیادہ اور کیا ستم ہوگا۔

بہن۔ تم نے خود جاتے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے آپ کہا یا کسی سے سُنا۔

بھائی۔ نہ میں نے دیکھا۔ نہ انہوں نے کہا منجھلی کہہ رہی ہے۔

سنجیدہ گو میرزا جیسے بھائی کی بہن تھی مگر زمانہ دیکھے ہوئے اور منجھلی جیسی بھتیجی بھتے ہوئے۔ سنتے ہی تاڑ گئی کہ یہ صاحبزادی نے گل کھلایا ہے۔ بھائی کو دھما کر اپنے ہاں لے گئی کوٹھری کی کنڈی کھلوا اندر گئی تو بھاوج نے کہا آپا۔ یہ اس مردار نے مجھ سے بدلہ لیا ہے۔ میں تو حمیدن کی صورت سے بھی واقف نہیں۔ سلیم کی دلہن رات کو ہرات جا رہی ہیں۔ ان سے ملنے گئی تھی۔ کھڑی سواری گئی اور آئی۔ اتنا قصور ہوا تھا سندر کی جات کو آ رہی تھی۔ میں نے منع کیا اس کے بدلے اس کم بخت نے یہ آفت ڈہائی

خیر میں تو کچھ نہیں کہتی۔

سنجیدہ نے بھاوج کی رام کہانی سُن لے تو نہیں چھوڑا اور بھائی کو جا کر وہ ٹھیک بنایا کہ وہ بھی یاد کرتا ہوگا۔ مگر دور اندیش عورت بھائی کو شرمندہ کیا بھی تو اس طرح کہ بھتیجی پر زیادہ بات نہ آنے نہ دی۔ ورنہ مرد اور غصے میں بھرا۔ خدا معلوم کیا کر بیٹھتا۔

بھائی شرمندہ صورت اپنے اوپر نفرین اور لعنت بھیجتا ہوا باہر گیا تو ماں بیٹیاں اور پھوپھی بھتیجیاں چاروں ایک جگہ بیٹھے تھے۔ سنجیدہ نے سنجھلی سے تو بات کی نہیں مگر نسیمہ کی طرف دیکھکر کہا۔

(۱۴)

دنیا میں جھوٹ سے بڑا عیب کوئی نہیں اور آج کل لڑکیوں میں یہ عام طریقہ ہے کہ اس کی بالکل ہی پروا نہیں کرتیں۔ ان بیوی کا تو کچھ نہیں بگڑا۔ ایک بات تھی منہ سے نکال دی نتیجہ یہ ہوا کہ گھر میں خون خرابے پڑ گئے۔ جھوٹا آدمی سب کی نظروں میں ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ یاد رکھو کہ دنیا کی کسی بات پر ہمیشہ پردہ نہیں پڑا رہتا۔ کسی نہ کسی وقت کیسا ہی بھید کیوں نہ ہو ظاہر ہو کر رہتا ہے۔ جھوٹی بات کا پہلے پہل تو سب یقین کر لیتے ہیں۔ لیکن جب کھل جاتی ہے اور پتہ چل جاتا ہے اس وقت سے جھوٹے کی وقعت بالکل جاتی رہتی ہے۔ اس کی سچی بات کا بھی کوئی اعتبار نہیں کرتا۔ خدا نہ کرے کہ کسی لڑکی میں یہ عیب ہو جس محفل میں ذکر ہوتا ہے سب ایک منہ ہو کر کہتے ہیں وہ تو بڑی لپاٹن ہے۔ اگر تم سے کوئی قصور ہو جائے اور تم کو یہ یقین ہو کہ اس کے اقرار میں بڑی آفت اور سخت مصیبت کا سامنا ہے تو بھی آنکھ بند کر کے صاف صاف کہہ دو سانچ کو آنچ نہیں۔ نہیں تو یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ قصور تو ظاہر ہو کر رہیگا۔ البتہ اس قصور کے ساتھ جو اتفاق سے ہو گیا۔ یہ دوسرا قصور جھوٹ کا اور کھلا جو جان بوجھ کر کیا اور دیدہ و دانستہ بولا۔ قصور جتنے ہیں سب معاف کرنے کے قابل۔ مگر جھوٹ ایک ایسا قصور ہے جو کسی حال میں معاف نہیں ہو سکتا جو

ان کی سدا سچ بولے اس کی عزت سبحان اللہ سب اس سے محبت کرتے ہیں مجھکو اس وقت ایک بات یاد آئی۔ آنحضرت صلعم کے بعد جو مسلمانوں میں چار بادشاہ ہوئے ہیں جنکو خلیفہ اس لیئے کہتے ہیں کہ وہ رسول خدا کے جانشین تھے یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ عمر فاروقؓ عثمان غنیؓ علی مرتضیٰؓ ان میں سے دوسرے خلیفہ عمر فاروق جن کے رعب سے بڑے بڑے بادشاہ تھراتے تھے اُن کے زمانہ کا ذکر ہے۔ ایک دن بھرے دربار میں جبکہ چاروں طرف عہدہ دار جمع تھے اور بزرگ آدمی موجود۔ ایک شخص ایک دوسرے شخص کو پکڑے حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا، امیرالمومنین (مسلمانوں کے سردار) اس شخص نے میرے باپ کو مار ڈالا۔ حضرت عمرؓ نے اس پکڑے ہوئے شخص سے پوچھا اس نے اپنے جرم کا اقرار کیا اور کہا یہ سچا ہے میں ایک پتھر مارتا تھا ایسا لگا کہ مر گیا۔ جب مجرم نے اقرار کر لیا تو مقدمہ صاف تھا۔ گواہ موجود تھے۔ حکم ہوا کہ بدلا لیا جائے اور قاتل کو موت کی سزا دیجائے۔ جلاد حاضر ہوا تو مجرم نے کہا خلیفۃ المسلمین (مسلمانوں کے خلیفہ) چار روز کی اجازت دیدیجیئے، میرے پاس ایک یتیم بچہ کی امانت ہے جو اس کا باپ مرتے وقت میرے سپرد کر گیا تھا وہ ایسی جگہ دفن ہے جس کا حال میرے سوا کسی کو معلوم نہیں اب میں مرتا تو ہوں ایسا نہ ہو بن باپ کے بچہ کا مال میرے ذمہ رہجائے اور میں پکڑا جاؤں حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر کوئی تیری ضمانت دے تو چلا جا۔ یہ حکم سنتے ہی اس کی مسترت بھری نظر سب سے پہلے جس پر پڑی۔ وہ ایک بزرگ آدمی تھے ان سے کچھ کہا نہ سنا حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ یہ میری ضمانت دیں گے۔ اب ان بزرگ کا حال سنو وہ کون تھے پیغمبر خدا کے دوست اور ان کے ساتھ رہنے والوں میں۔ فاروق اعظم یعنی حضرت عمرؓ نے ان کی طرف دیکھا۔ وہ فرمانے لگے "ہاں میں ضامن ہوا"۔

قاتل چھوڑ دیا گیا۔ تین دن گذر گئے چوتھے دن ٹھیک اسی وقت دربار فاروقی گرم تھا۔ مدعی جس کا باپ مار اگیا تھا عرض کیا امیرالمومنین قاتل کو آپنے چھوڑ دیا میں آپ

لے لوں گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر قاتل ابھی حاضر نہ ہوا تو ان بزرگ پر قصاص ہے۔ ان کو وہی سزا دی جائے گی۔ یہ حکم سنتے ہی سب دنگ رہ گئے۔ دفعتہً قاتل ہشاش بشاش حاضر ہوا اور کہنے لگا امیر المومنین خلیفۃ المسلمین، الحمد للہ میں امانت سے سبکدوش ہوا جلاد کو حکم دیجیے کہ اپنا کام کرے۔ اس شخص کی یہ گفتگو سنکر اور تمام درباری اور خود حضرت عمرؓ سب ششدر تھے، پوچھا کہ یہ بزرگ تیرے کون ہیں جنہوں نے ضمانت دی۔ اُن بزرگ سے پوچھا کہ آپ کو اس کی حاضری کا کیونکر یقین ہوا جو ضامن ہوئے۔ قاتل مسکرایا اور کہنے لگا۔ فاروق اعظم تعجب کیجیے۔ میں نظر پڑتے ہی سمجھ گیا تھا کہ مسلمان اور اتنے بڑے ضرور رسول اللہؐ کی خدمت کی ہوگی۔ ایک مسلمان کو مدد دینے میں دریغ نہ کرینگے۔ اب ان بزرگ کی باری آئی فرمانے لگے۔ میں نے اس شخص کو اس دن سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مگر جس وقت اس نے مجھکو ضمانت میں پیش کیا ہے مجھکو یقین تھا کہ مسلمان ہے مسلمان ہوکر جھوٹ نہ بولیگا۔ درباریوں میں سے ہر شخص نے اس قاتل کی سچائی پر تعریف کے نعرے بلند کئے اور درخواست کی کہ اسے چھوڑ دیجیے قتل کا روپیہ ہم ادا کرتے ہیں مگر مدعی نے خون بہا لینے سے انکار کیا اور کہا ایسے سچے شخص کو میں نے اپنے باپ کا خون معاف کیا

یہ صرف سچ بولنے کا نتیجہ ہے۔ چاہے جان جاتی رہے مگر زبان سے جھوٹی بات نہیں نکلنی چاہیئے۔

پھوپھی کی اس گفتگو کا کوئی نتیجہ یا اثر لاحول لا قوۃ الا باللہ منجھلی جس کا نام تھا اسکو اتنی بھی خبر نہ ہوئی کہ میاں بڑی پھوپھی کیا کہہ رہی ہے چین سے بیٹھی ہنستی رہی۔ بہت جی گھبرایا تو اٹھی چبوترے کا ایک آدھ چکر لگایا اور پھر وہیں آن بیٹھی۔ ایمان کی بات پوچھو تو خود پھوپھی ہی کو کیسا یقین اور کیسا شبہ وہم و گمان تک نہ تھا کہ یہ کان دھر کر میری بات سنے گی۔ اس کی غرض اور خواہش جو کچھ تھی سو یہ کہ کسی طرح دل کی بھڑاس نکال لوں۔ کہہ چکی تو بچی کو ساتھ لے اپنے گھر چلی گئی۔

لڑکیوں کے واسطے غیرت اور حمیت بڑی چیزیں ہیں۔ خدا نہ کرے کہ کسی بیٹی پر منجھلی کا
پرچھاواں پڑے۔ اس دن کے بعد سے ماں غریب نے تو بات کرنی ہی چھوڑ دی۔ مگر ہاں
مامتا کا جوش یا موقع و محل کی مصلحت اتنا ضرور کیا کہ میاں کے کان تک اسکی بدعنوانیاں
نہ پہنچائیں اور الٹا اس دن کا الزام بھی پورا نہیں تو آدھا پاؤ اپنے ہی سر تھوپ لیا۔ یہ اس کی
غلطی ہو تو فی مجبوری کچھ بھی ہو تاہم بھی کہیں گے کہ اگر علم ہو جاتا تو باپ ایسی ناہنجار
بیٹی کا آئندہ یقین نہ کرتا۔ اور اگر زیادہ نہیں تو اتنا فائدہ منجھلی کو بھی ہوتا کہ وہ پھر کبھی
اتنی بڑی جرات نہ کرتی۔ سچی بات یہ ہے کہ ادھر تو رہی تعلیم سے کوری۔ ادھر ماں نے توجہ
کی نہیں صحبت ملی خراب چھوٹی چھوٹی عادتیں بیل کا بیل بن گئیں۔ اگر خدا سمجھ دیتا تو
کچھ بڑی بات تھی کہ ماں شروع ہی سے ان نالائق لڑکیوں کو گھر میں نہ گھسنے دیتی۔
صبح ہوئی اور محلہ بھر کی بدتمیز ناہنجار انیاں ختنیاں کوئی بھٹیارے والی ہے تو
کوئی سقنی۔ ادھر ادھر سے آچٹیں۔ وہاں نسیمہ نماز سے فارغ ہو قرآن شریف پڑھ رہی
ہے اور یہاں آنکھ مچولی ہو رہی ہے۔

(۱۵)

میرو بھٹیارے نے ایک دن اپنے پیر بھکنی شاہ کی دعوت کی سیر بھر گوشت۔ ڈیڑھ سیر
چاول بیوی کو لا کر دیئے۔ وہ بیچاری گوشت کو چھپتی سے ڈھانک چاول پوٹلی میں باندھ
پیاز لینے کوٹھری میں گئی۔ لڑکی چاول کھول تین چار مٹھیاں جھولی میں ڈال آٹھ
دس بوٹیاں اچھی اچھی چھانٹ منجھلی کے ہاں پہنچی۔ ماں کوٹھری میں سے نکل کر دیکھتی ہے تو چاول
اور گوشت دونوں غائب۔ برقع اوڑھ پیچھے پیچھے آئی تو بی منجھلی ہنڈکلیا چولہے پر رکھ آگ
پھوں پھوں کر رہی تھیں بیٹی کو تو خیر جو منہ میں آیا سناتی رہی مگر منجھلی کو بھی ساتھ ہی ایسی کھری
کھری کہیں کہ کوئی دوسرا ہوتا تو چپنی بھر پانی میں ڈوب مرتا۔ مگر بےغیرتی ہو تو اتنی کہ اس کے
بھاویں بھی نہیں۔ بھٹیاری جیسی بیٹی کو اتنا فائدہ تو ہوا کہ ہاک جوک آدھی پاؤ

ادنے پونے چاول گوشت لے لوا گھر آ گئی۔ مگر منجھلی کیا چوکنے والی بشر تھیں ماں کی آنکھ بچا
کوٹھری میں گھس، گڑ، گھی، چاول، کھانڈ جو ستے چڑیا نکال لائی۔ ماں جو کسی ضرورت سے
اندر گئی تو کیا دیکھتی ہیں چاول بکھرے ہوئے ہیں گھی گرا ہوا، کھانڈ کی ہنڈیا ٹوٹی ہوئی۔ سمجھ تو
فوراً گئی مگر بیٹی کی جان کو صبر کر چپکی ہو بیٹھی۔ منجھلی کس کی بیٹی اور کس کی پوتی لیکن نصیبوں
پیٹی شروع ہی سے کچھ ایسی صحبت میں پڑی کہ جو کام کیا وہ بے ڈھنگا اور جو بات کی وہ بےتکی
کھیل کھیلے تو کم بخت نولیلوں سے رئیس کی تو موئے فقیروں کی ہاتھ میں کانٹا کو دیں تڑ پاؤں
سے کہ زمین پر چھپا چھپ چل رہا ہے۔ سر پر چھپا ہاتھ میں گنے بغل میں پنکھا۔ گنڈیریوں کی
آواز لگ رہی ہے۔ خدا کا کرنا کیا ہوتا ہے کہ ایک دن سقنی والی نے کہا آؤ بی منجھلی بیگم چور چور
کھیلیں۔ تم تو ہو چور رہتو ہمیں سپاہی اور ہم صاحب۔ دیکھو وہ جو تمہاری الماری میں نارنگیاں
رکھی گئی ہیں اس طرح چراؤ کہ ان کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہو۔ منجھلی بیگم کو کیا عذر تھا پان کے
بہانے ٹپاری پاس آئی اور اٹھتی دفعہ نارنگیاں جھولی میں ڈال رفو چکر۔ کھیل کا تو بہانہ
مطلب تھا نارنگیاں کھانا۔ مفت کا مال ان سولوں کیا برا تھا۔ تینوں چاروں نے
ملکر دسوں ختم کیں۔ مزہ یہ تھا کہ کولے تھے ناگپور کے وہ بھی بازار کے نہیں سوغات کے۔
رات کو میرزاہد نے مردانے میں منگوائے۔ گھر والی جا کر دیکھتی ہیں تو الماری صاف۔ نارنگیوں
کے بدلے اللہ کا نام۔ بہتیرا کیا اپنا سر۔ کونہ کونہ چپہ چپہ ڈھونڈھ ڈالا۔ سوئی تو تھی
نہیں جو چھپ جاتی۔ ادھر میاں ہیں کہ آدمی پہ آدمی تقاضے پر تقاضا۔ ادھر بیوی
ہیں کہ چونتی بیٹھی ہیں جب کچھ سمجھ میں نہ آئی تو دوڑی دوڑی سقنی کے پاس آئیں
اور لگیں قسمیں کھانے کہ آپا جل جائے زبان جو ایک پھانک بھی کھائی ہو۔ یہ سب
منجھلی کے بھینٹ چڑھیں۔ اب بتاؤ کیا کروں میں تو ایسی ذلیل عمر بھر نہیں ہوئی دونوں
ششدر ہو جیسی ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگیں۔ میرزاہد لاکھ بیٹی سے الگ رہتے
ہوں مگر اس کے گنوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ دیر پر تو غصہ آیا تھا مگر جب بالکل ناامیدی

ہوئی تو سمجھ گئے۔ دل ہی دل میں جل بھن چپ ہو رہی۔

(۱۶)

ہونی شدنی رمضان کا مہینہ تھا چوتھا پانچواں روزہ ہوگا نسیمہ اُگالدان لینے
ماں کے ہاں آئی۔ چلنے لگی تو بہن نے بلا اپنے پاس بٹھا لیا۔ پانچ چھ لڑکیاں اور بھی تھیں۔
نسیمہ کا بھی اُن کی باتوں میں دل لگ گیا ایسی بیٹھی کہ دوپہر ہوگئی اور اُٹھنے کا نام نہیں۔ پھوپھی نے
آکر دیکھا تو امجو والی کلثوم سے گُٹ گُٹ کر باتیں ہو رہی ہیں۔ بلا کر ساتھ لے گئیں اور گھر پہنچ کر
کہا۔ بیٹی تم اُگالدان لینے گئیں تھیں یا وہاں بیٹھنے۔ یہ رذیل بدتمیز لڑکیاں مجھے تو ایک
آنکھ نہیں بھاتیں۔ تمہیں ان کے پاس بیٹھنا کیا ضرور تھا۔ بھلے کے پاس بیٹھے چبائے
ناگر پان۔ بُرے کے پاس بیٹھے کٹائے ناک اور کان۔ سوائے اس کے کہ اُن کی خراب
عادتوں کا اثر تم پر بھی پڑے اور کوئی فائدہ مجھکو نظر نہیں آتا۔ خربوزے کو دیکھکر خربوزہ
رنگ پکڑے۔ آدمی کو دیکھکر آدمی ڈھنگ پکڑے۔ تم کو اُن کی بیہودہ حرکتیں دیکھکر اُن سے
بچنا اور پرہیز کرنا چاہیئے۔ نہ یہ کہ اُن کی رفیق بنکر ان ہی میں گھس بیٹھو۔ تھالی گری جھنکار
ہوئی۔ کیا خبر بھری تھی یا خالی۔ دیکھنے والے تو یہ سمجھیں گے کہ یہ بھی اُن ہی جیسی ہے خالہ
کلثوم کا حال سن چکی ہو۔ ایک تیلن کی صحبت نے عزت آبرو سب پر پانی پھیر دیا۔ بہتیرا
ہی سب نے منع کیا۔ مگر جب دیکھو وہیں گھسی ہوئی۔ اس کا باپ تھا چور۔ شیخ وہومی کے یہاں
ہوئی چوری تلاشی اُن کے ہاں بھی ہوئی۔ مال ملا نہیں پولیس کا نام سُنکر وہاں سے
بھاگ اپنے ہاں آئی۔ تھانہ دار کو ہوا شبہ وہاں سے اُٹھ سیدھا اُن کے ہاں۔ ایک ذرا
سی بات تھی مگر جس وقت خالہ کے گھر کی تلاشی ہوئی ہے محلہ بھرنے دانتوں میں انگلیاں
دے لیں۔ یاد رکھو بُرے کی صحبت میں بیٹھنے سے سوا برائی کے اور کچھ نہیں ملتا۔ اگر ایک رومال
میں تھوڑے سے پھول رکھو تو رومال پھول نہیں ہو جاتا مگر پھولوں کی صحبت کا اتنا اثر ضرور ہوتا ہے
کہ رومال میں بھی خوشبو پیدا ہو جاتی ہے۔ کبھی گلدستے کو غور سے دیکھو خوش رنگ

پھولوں کے ساتھ گھاس پھونس پر بھی عجیب ونق ہو جاتی ہے۔ ذرا اپنے ہاتھ دیکھنا سونے کی پونچیاں اور یہ معمولی ڈورا۔ مگر سونے کی وجہ سے اس ڈورے کی وقعت کچھ اور ہی ہو رہی ہے۔ ساتھ ایسے لوگوں کا اختیار کرنا چاہیئے جو سچے ہوں اور اچھے۔ نہ یہ کہ مکار اور نابہنجار لڑکا ہو یا لڑکی، پڑی ہوئی عادت اور لپکا پھر چھپائے نہیں چھپتا۔ تمہاری آپا کیوں بگڑیں صحبت ہی کی وجہ سے ناس ہوا یا اور کچھ۔ رات دن جب دیکھو یہی کمینی لڑکیاں موجود ہیں۔ محلے میں اتنے بھلے مانس ہیں کبھی ان میں سے بھی کسی لڑکی کو آتے دیکھا میں تو اس دن گڑیا کے بیاہ میں بھی دیکھ رہی تھی کہ بڑی سے چھوٹی تک جو تھی وہ ایسی ہی۔ نام کو کسی شراف کی لڑکی نہ تھی۔ سچ پوچھو تو موری کا کیڑا موری ہی میں خوش رہتا ہے خود منجھلی کا دل انہیں میں لگتا ہے۔ وہ بھلے مانسوں کی قدر کیا جانے بیٹی اب کبھی جا کر نہ بیٹھنا۔

(۱۷)

سنجیدہ کی چچازاد بہن پڑھی لکھی۔ عربی فارسی کی خاصی اچھی عالم فاضل پانچ برس کے بعد بیت اللہ سے واپس آئیں۔ آکر دیکھتی ہیں تو محلہ میں کچھ رنگ ہی اور چھایا ہوا ہے کیا کواری اور کیا بیاہی۔ جو لڑکی ہے مذہب سے غافل۔ خدا سے لاپروا کیسی نماز اور کس کی خیرات۔ کہاں کا روزہ اور کدھر کی زکوٰۃ۔ دن ہو یا رات بیہودہ خرافات۔ بچہ ہو یا جوان فرعون بے سامان۔ ان بیچاری کے تو دیکھ کر کان کھڑے ہو گئے۔ تین چار دن تو خون کے سے گھونٹ پی کر چپ ہو گئیں۔ جمعہ کے روز ظہر کے بعد وعظ کے بلاوے بھیجدئے دور دور سے بیویاں آکر جمع ہوئیں۔ استانی جی نے وعظ شروع کیا۔

بہنو، بیٹیو! میں تم سب کی بہت احسانمند ہوں کہ اپنے اپنے کام کاج بند کئے۔ اور میری درخواست پر یہاں جمع ہو گئیں۔ چلو اس بہانہ سے ملاقات تو ہو گئی۔ اس لحاظ سے تو میں ضرور خوش ہوئی کہ تم سب کو ابتک میرے ساتھ وہی محبت ہے جو چلتے وقت تک تھی۔ لیکن یہ دیکھکر مجھکو بڑا افسوس ہوا کہ میں نے جیسی ایک پانچ ہی برس کے عرصہ میں

نہ وہ آسمان ہا نہ وہ زمین سب چیزیں بدل گئیں۔ میں نہیں چاہتی کہ لڑکیاں پرانی لکیر کی
فقیر بنی رہیں۔ زمانہ کا رخ دیکھکر کام کرو۔ مگر نہ ایسا کہ دوسرے کی ریس میں اپنی اصلیت ہی کو بیٹھو۔
کوا چلا ہنس کی چال اپنی چال بھی بھول گیا۔ کون کہتا ہے کہ انگریزی جوتی پہننی حرام۔ مگر ہاں
یہ میں کہتی ہوں اور کھلم کھلا کہتی ہوں کہ نماز کے وقت گراموفون سننا ناجائز قطعی۔ نام
لینے سے کیا فائدہ مگر کل ایک کنواری لڑکی کو دیکھا کہ آیت الکرسی تک کی اوڑھنی پہنے تھی
معاف کرنا تمہارے کان ننگے تمہارے پاؤں خالی تمہارے ہاتھ سونے سے ہوں تو ہوں مگر تمہارا
سب سے بڑا زیور شرم و حیا، عفت و عصمت ہے۔ یہ وہ چیز ہے کہ سینکڑوں ہزاروں کیا
بلکہ لاکھوں کروڑوں روپے کے جواہر اس پر سے قربان۔ برا نہ ماننا اس آب رواں سے
گاڑھے کا کرتہ اور موٹی ترکی چادر ہزار درجہ بہتر ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ میں تعلیم نسواں کی ہمیشہ
موافق رہی۔ ہاتھ پاؤں سے جو کچھ بنی ہو سکا اور جتنا کچھ بھی ہو سکا اسی میں لگی لپٹی رہی
دو چار حرف جو آتے تھے اس کے بتانے میں کبھی دریغ نہ کیا۔ مگر میں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ
مذہب کو پیٹھ کے پیچھے ڈال دو۔ سن لو اور یاد رکھو۔ جن قوموں نے دنیا میں ترقیاں کیں
اور جن لوگوں کو آج ہر قسم کی عزت حاصل ہے وہ بھی یہی کہتے ہیں۔ اور کہتے کیا ہیں
انکو کہنا پڑتا ہے کہ مذہب سے الگ آدمی جانور سے بدتر ہے۔ تعجب ہے کہ تم سب کی سب اپنی
ترقی اور اصلاح کی اتنی کوشش کر رہی ہو کہ اس چار دن کے عرصہ میں جب سے میں
آئی ہوں نو جلسے ہو چکے ہیں۔ مگر کیا تم اس کو ممکن سمجھتی ہو کہ اپنے پیچھے مذہب کو چھوڑ کر
کسی لائق ہو جاؤ۔ اور اچھی بن سکو۔ جب اتنی موٹی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی
تو تم کیا خاک ترقی کر سکتی ہو۔ لڑکی ہو یا بڑی عورت بلا ایمان ایک پھول ہے جس میں نام
کو خوشبو نہیں نہ وہ بات کرنے کے قابل نہ اس کی بات سننے کے لائق۔ میں مسلمان ہوں
اور میرا عقیدہ ہے کہ دنیا کی درستی جب تک نہ ہو گی۔ دین درست نہیں ہو سکتا۔ میں دنیا سے
لاپروا ہونا اور دین کی آڑ میں پناہ لینی سخت گناہ سمجھتی ہوں۔ کیا کروں میرا بیان بہت بڑی

مقدس کتاب مجھکو یہی بتا رہی ہو کہ ہم یہ دعا کریں الٰہی دین اور دنیا کی خوبیاں ہم کو دے
اب دنیا کی خوبیوں سے علٰحدہ رہنا اور محض دین ہی دین پر صبر کر لینا پرلے سرے کی
احسان فراموشی اور حد درجہ کی غلطی ہو۔ اب یہ تم کو یقین ہو گیا کہ میں ہرگز ہرگز اس خیال
کی آدمی نہیں ہوں کہ دنیا کو فانی بتا کر تمہیں اس کے کاموں سے روکوں لیکن اے اللہ
کی بندیو ذرا آنکھ ملا کر بات کرو۔ جلسہ کے واسطے تو گھر کو نہایت آراستہ و پیراستہ کیا فرش و
فروش دریں چاندنی میز کرسیاں خوب بچھائیں اور خوب سجائیں مگر کبھی اس گھر کے آراستہ
کرنیکا بھی خیال آیا۔ جہاں سدا سدا رہنا ہی۔ بڑا خطرناک سفر ہی اور جانا ضرور۔ راہ کٹھن
منزل کڑی نہ سنگ نہ ساتھی اکیلی جان اللہ نگہبان۔ ڈولیاں لگی کھڑی ہیں اور جانے
والیاں صبح و شام چلی جا رہی ہیں۔ تمہارے اوپر دنیا میں دو قسم کے حق ہیں ایک خدا کا اور
دوسرا بندوں کا اگر خدا کے حق ادا کرنے میں غفلت کروگی تو سزا کے بعد یا سزا سے پہلے
غرض اس کے معاف ہونے کی امید ضرور ہی۔ اور اس لئے ہی کہ ایک ایسے زبردست
بادشاہ کی خطا ہی جو بہت بڑا رحم کرنے والا ہی اور جس کے حق سے ادا ہونا آسان
کام نہیں اس لئے جہانتک ہو سکے کوشش کرو کہ کوئی فرض باقی نہ رہجائے اور
یقین رکھو کہ وہ مالک حقیقی شفیق رفیق عزیز رحیم سب ہی کچھ ہی اپنے فضل و کرم سے
بیڑا پار کر دیگا۔ اب رہا دوسرا حق یعنی بندوں کا وہ بڑی ٹیڑھی کھیر ہی ماں باپ بہن بھائی
بچے بڑے اقارب ہمسایہ پڑوسی نوکر ماما سائل فقیر وغیرہ وغیرہ۔ غرض جتنے آدمیوں سے
کچھ بھی واسطہ ہی اگر ان میں سے کسی کا ذرہ بھر حق رہ گیا اور کسی کو رتی بھر بھی تکلیف
پہنچ گئی تو اس بات سے بالکل نا امید ہو جاؤ کہ وہ بخشنہ نواز ہی۔ اس کو اپنے معاملہ میں جو
کچھ وہ درست مگر پرائے معاملوں میں وہ رحم نہ کریگا۔ کیسے خوف کا وقت ہی کہ خدا جیسا مہربان جو
ہر وقت اور ہر حال میں دستگیر ہی اس نے اگر بندوں کو کسی معاملہ میں نا امید کیا ہی تو صرف اسی
معاملہ میں اب بتاؤ اس سے زیادہ ذمہ داری کا کام اور کون سا ہوگا۔ ذرا مجھے بھی تو بتاؤ تم میں کتنی

لڑکیاں ایسی ہیں کہ ماں باپ اُن سے رنجی بہن بھائی اُن سے خوش عزیزوں پر مہربان غریبوں
پر رحم ہمسایہ سے نیکی۔ حاجتمندوں سے سلوک، سچ پوچھو تو مجھہ سمیت کواریاں اور بیاہیاں
بالیاں اور بوڑھیاں یہاں تو جتنی بیٹھی ہیں سب نُورٌ علیٰ نور۔ جھوٹ۔ مکر و دغا و ہوکا الٹے
ہاتھ کا کھیل ہے۔ کسی سے فریب کسی سے چال اسکو بھڑکایا اسکو لڑوایا۔ یہاں لگائی
وہاں بجھائی۔ غرض صبح سے شام تک یہی شغل اور یہی کام۔ کمزور پر غصہ آیا تو کہا جانے کو تیار۔
جانوروں سے مزاج بگڑا تو مار ڈالنے کو آمادہ۔ کیوں میری بچیو اسی برتے پر ترقی کی کوشش اور
اسی بوتے پر اصلاح کے جتن۔ پہلے اپنے تئیں درست کرو پھر دوسروں پر نظر ڈالنا پہلی ضرورت تو یہی
کہ آدمی بنجاؤ۔ پھر یہ سب باتیں معلوم ہوں گی ابھی تو یہ حالت ہے کہ اپنی غرض ہوئی تو چماری تک
کی خوشامد کرلی۔ دوسرے کا کام آکر اٹکا تو سیدھے منہ بات کرنی گناہ۔ پرسوں کے جلسہ میں ایک
بات سُنکر بہت ہی افسوس بلکہ صدمہ ہوا مسلمانوں کی بیٹیاں مسلمانوں کی پوتیاں مسلمانوں کے
گھر میں مسلمانوں کے ہاں پلیں مگر اچھا اسلام کو بٹہ لگایا سنتی ہوں اُدھر برابر کی مسجد میں مغرب
کی نماز ہورہی تھی اُدھر جلسہ میں گرامو فون بج رہا تھا۔ خیال تو کرو چند اللہ کے بندے دن
بھر کے تھکے ہارے کام کاج سے فراغت پاکر اپنے معبود حقیقی کے حضور میں سچے دل سے
عبادت کو حاضر ہوں اور تم اسی حالت میں داغ کی غزل کے مزے لوٹو۔ آخر بتاؤ تو سہی
تم نے مذہب کو کیا ہنسی ٹھٹھا سمجھہ رکھا ہے۔ مرنا ہی رہنا نہیں اور مرنے کے بعد ایک دربار میں پیش ہونا
ہے۔ جانتی ہو وہ کیسا دربار ہے۔ ایک منصف حقیقی تخت عدالت پر ہوگا۔ یہ سب تمکنت
اور بل بکلے کے بل کی طرح نکل جائیں گے۔ یہ مال متاع دولت حشمت جس نے فرعون بنادیا
یہیں کی یہیں رہجائے گی۔ ایسی چیز جمع کرو جو وہاں بھی ساتھ جاسکے۔ میری بٹیو وہ بڑا
نازک وقت ہوگا نہ کسی کی سفارش کام آئیگی نہ کوئی مددگار ہوگا مظلوموں کی دعا لو کہ
یہاں پھولو پھلو اور وہاں بیڑا پار ہو۔ عصر کی اذان ہورہی ہے جاؤ اور احکم الحاکمین کی درگاہ
میں سر جھکا کر سچے دل سے توبہ کرو اور مصمم ارادہ کرلو کہ جیتک دم میں دم ہے اپنی زندگی بسر کرینگے کہ

دیکھنے والے تعریف اور سننے والے واہ واہ کریں۔

(۱۸)

عصر کے وقت تو استانی جی نے وعظ ختم کیا۔ مغرب کی نماز سے فراغت پاکر بیٹھیں تو خیال آیا سب سے مل لی۔ مگر چھوٹی بیگم نہیں آئیں۔ ان سے ملنے کو بہت جی چاہتا ہے چلو میں خود ہی کیوں نہ چلی چلوں۔ تین گھر بیچ چوتھا گھر چھوٹی بیگم کا تھا وہاں پہنچی تو بڑی بیگم بیٹھی پان کھا رہی تھیں۔ استانی جی کو دیکھتے ہی نہال نہال ہو گئیں۔ انھیں عزت سے لائیں خاطر سے بٹھایا۔ خاطر مدارات ایسی کہ بچھی جاتی تھیں اور بھگت اتنی کہ پان پر پان اور زردہ پہ زردہ ادہر ادہر کی باتیں ہو چکیں تو استانی جی نے کہا "بچی" کہاں ہے آج وعظ میں بھی نہ دیکھا ملنے کو جی تڑپ رہا ہے۔ میں نے کہا چلو میں ہی چلکر مل آؤں۔

بیگم صاحبہ۔ وعظ میں جانے کو تو وہ بھی کہہ رہی تھی۔ مگر میں نے مناسب نہ جانا سیانی بیٹی کو کہاں کہاں لئے پھروں۔

استانی جی۔ میری نظر میں تو ابھی وہی بچہ ہے۔ کل ہی کی تو بات ہے کہ پاؤں پاؤں پھرتی تھی، بڑی ہو گئی تو کیا ہرج تھا وہاں تھا ہی کون غیر آپس ہی کی لڑکیاں بالیاں جمع ہو گئی تھیں۔ اور اگر غیر بھی ہوتا تو کیا تھا۔ مجھے تو کوئی نقصان نہیں معلوم ہوتا۔

بیگم صاحبہ یہ تو آپکا فرمانا درست ہے۔ مگر پھر بھی ہشیار لڑکی کا باہر نکلنا حاصل کیا۔

استانی جی۔ آپنے اس میں کیا خرابی دیکھی۔

بیگم صاحبہ۔ کچھ بڑوں ہی سے یہ رسم چلی آتی ہے۔ کچھ تو فائدہ دیکھا ہی ہو گا جو رکھی

استانی جی۔ ایک تو یہ خرابی سمجھی ہو گی کہ غیر محلہ پرایا گھر انجان لوگ سیانی لڑکی کا ناواقف لڑکیوں کی صحبت میں جانا اچھا نہیں۔ یہ وجہ تو بہت معقول ہے مگر وہ اپنا ہی محلہ دیکھا بھالا گھر جانے بوجھے لوگ اور جب آپ خود ساتھ تھیں تو کیا قباحت تھی دوسری خرابی یہ ہو گی کہ جب لڑکی بڑی ہوئی تو نسبت ناتے کا وقت آیا۔ لوگ دیکھیں گے تو عیب و ہنر

سے آگاہ ہوں گے صورت شکل کو پرکھ لیں گے بکالی بدصورت ہی تو سب کو معلوم ہو جائیگا
کون قبول لیگا سو بیگم صاحب معاف کیجیگا اس سے زیادہ بے ایمانی اور کیا ہو سکتی ہے کہ بیٹی کا عیب
اس کی بدصورتی کہلانے نہ پائے اور کسی نہ کسی طرح گھر کا چیپک کر دوسرے کے سر منڈھ دیں
تا خوش نہ ہو جیگا۔ یہ میں آپ ہی کہہ رہی ہوں کہ سمجھدار لڑکی کا غیر عورتوں کی صحبت
میں آزادی سے جانا اچھا نہیں۔ اتنی ڈھیلی ڈوری ہرگز نہیں چھوڑنی چاہیئے مگر اتنی
قید بھی اچھی نہیں۔ یہ تو مسلمانوں کا کام نہیں ہی آج میں وعظ میں بیٹھ رہی تھی کہ جس طرح
ہو ایمان درست کرو۔ کواری لڑکیوں کو بدتمیز عورتوں اور بے ڈھنگی لڑکیوں کی صحبت
سے بچانا بیشک بہت دوراندیشی کی بات ہے لیکن آج کے وعظ میں نہ لانے کا سبب
یہ تو نہیں معلوم ہوتا اور کچھ ہو تو مجھے خبر نہیں۔ بیگم صاحبہ میرا خیال تو یہ ہے کہ بیٹی کے
بیاہ کے وقت بیٹے والیوں کو خوب اچھی طرح بیٹی کو دیکھ لینے کی اجازت دیدینی چاہیئے
تاکہ پیچھے بے ایمانی کا الزام نہ لگے اور سچ پوچھیئے تو معاملہ کے معنی بھی یہی ہیں۔ اب
اجازت دیجئے۔ دیکھیئے اگر موقع ہوا تو کل ڈال پھر آؤں گی میری طرف سے دعا کہدیجئگا۔

اس وقت تو استانی جی چلی گئیں مگر اگلے زمانہ کی آدمی دل کی صاف وضع
کی پابند صبح کی نماز سے فراغت پا قرآن شریف پڑھ پھر آ گئیں۔ آتے ہی دیکھتی ہیں
تو لڑکی بیچیر پڑی خراٹے لے رہی ہے۔ استانی جی کی صورت دیکھتے ہی بڑی بیگم صاحبہ
نے بیٹی کو جگایا۔ اور کہا نہیں استانی جی صاحبہ رات کو بھی تشریف لائیں۔ ابھی
آئیں ہیں۔ اٹھو ہاتھ منہ دھو کر لو۔ کل سے جی اچھا نہیں ہے اس واسطے لیٹی ہوئی ہے۔
لڑکی اٹھی تو سہی مگر کس طرح تیوری چڑھی ہوئی مزاج بگڑا ہوا۔ آکر بیٹھی ادھر
ادھر کی باتوں سے چھٹی ہوئی تو استانی جی کیا چرکنے والی تھیں فرمانے لگیں۔
بیٹی مجھے تو بڑا ہی تعجب ہوا۔ مغرب کے وقت سے پڑ کر سوؤ اور سوا پہر دن چڑھے
سے اٹھو۔ چھوٹی بیگم ہر شے تو دہی مثل اصل کر دی چراغ میں تیل بڑی لاڈو مری

تخت چڑھی نیند کیا ہوئی بلائے جان ہوگئی۔ نور ظہور کا وقت نماز نہ قرآن خدا نہ رسول پڑے انٹا پڑی ہیں۔ ایسی سستی بھی کس کام کی۔ لڑکیوں کا کام یہ ہے۔ جاڑے کی پہاڑ سی راتیں۔ گھر کے کام دھندوں سے چھٹکارا پایا عشا کی نماز پڑھ کوئی کتاب لے بیٹھیں آپ پڑھی دوسروں کو سنائی دس گیارہ بجے سوئے نماز کے وقت اُٹھ بیٹھے سویرے سے اُٹھنے سے بڑا فائدہ تو یہ ہے کہ دن بھر آدمی چونچال رہتا ہے آلکسی نام کو پاس نہیں آتی دل خوش رہتا ہے۔ ہاتھ پاؤں میں چستی، بدن میں پھرتی۔ کام میں مستعدی یہ سب باتیں سویرے اُٹھنے کی بدولت ہیں۔ اب تم اتنے دن چڑھے اُٹھی ہو۔ دیکھ لینا دن بھر ہاتھ پاؤں ٹوٹیں گے۔ چکر اور جمائیاں سستی اور انگڑائیاں ہر وقت موجود جی چاہیگا تو یہ کہ کب موقع ملے اور پڑ کر سوؤں۔ اس کے علاوہ ایک ایسا زبردست نقصان ہوا کہ اگر ہزار روپے خرچ کر ڈالو تو بدلہ نہیں ہوتا۔ نماز فجر جس کو تم نے محض غفلت سے نیند میں کھو دیا۔ ایسی چیز ہاتھ سے گئی جو اب عمر بھر ملنے والی نہیں۔ دین سے یوں گئیں دنیا سے یوں گئیں۔ اگر تم کو اس کی عادت پڑ گئی تو آج میرے کہنے سے اتنا کرو کہ کل صبح کی نماز پڑھ لو۔ پھر دیکھنا دن کیسا گزرتا ہے۔ بیٹی براہ نا ہنا بس بیگم صاحب اللہ بیلی۔

(۱۹)

زمانہ اُڑا چلا جا رہا ہے اور عمر یں کہیں کی کہیں پہنچ رہی ہیں نسیمہ کا چھوٹا بھائی دو کھیر کر تیسرے میں لگا تو ختنہ کی شادی ٹھہری تین بہنوں میں ایک بھائی۔ چار بہنوں میں ایک بچہ جیتی اللہ آمین ہوتی کم تھی۔ بہت کی حرت ہے۔ دھوم دھام سے تیاریاں ہوئیں میاں بیوی کی صلاح سے تجویز یہ ہوئی کہ تین دن کی مہانداری۔ دو دن گو بٹ۔ ایک دن تمام۔ مکان پہ سفیدی ہوئی۔ دروازہ پر ٹھاٹر بندھا ہے۔ شادی کا دن آیا تو مہمان آنے شروع ہوئے۔ ڈولیوں پر ڈولیاں اور گاڑی پر گاڑیاں۔ گرمیوں کا موسم آدمیوں کی بھرمار کرایہ کی چیخ پکار۔ میزبان اور مہمان سب گھبرائے ہوئے کتے بیچ کی راس کا

مکان بیویوں کی گہیج پیچ۔ شام کا وقت ہوا بند۔ کوٹھا اور سائبان انگنائی اور دالان کہچا کہچ
بھر گئے۔ مزا یہ کہ بس اب بھی نہیں۔ ڈولیاں بند نہ گاڑیاں ختم مردہیں کہ دروازہ پر چیخ رہے ہیں
آوازوں پر آوازیں اور تقاضوں پر تقاضے کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی نسیمہ کی ممانی
شاہ پور کے محلہ سے آکر اتریں۔ ڈیوڑھی میں سند تھی اس سے ملکر آگے بڑھیں۔ ادہر نسیمہ نے ماں سے
آکر کہا اب تو اوپر بھی جگہ نہیں ماں ہنسکر کہنے لگی بیٹی میں تو بلا سے ہیجکہ بچپائی اب کہاں اپنی
جہنریاں پر بٹھاؤں کچھ دلوں کے سنجار۔ کچھ بیوقوفی۔ ممانی کی سمجھ میں یہ آئی کہ میرا آنا نند
کو ناگوار گزرا۔ پیچھے پیچھے بیٹی اس سے پوچھا پھوپھی جان کیا کہہ رہی تھیں۔ بیٹی کیا آفت کا
پرکالا تھی۔ عادت سے مجبور۔ موقع کی منتظر۔ کہتی کیا ہے ہم تو پہلے ہی جانتے ہیں ہم
غریب یہ امیر۔ ہمارا ان کا میل ہی کیا اور امیر غریب کا رشتہ کیسا۔ یہ سینکڑوں مہمان
بھرے پڑے ہیں وہ ان کے اپنے ہیں۔ سر آنکھوں پر بٹھائیں گی۔ ہماری ڈولی کے
چار آنے بھی دوبھر ہیں۔ اب میں کیا کہوں۔ تم سن تو رہی تھیں۔ کہاروں نے پیسے
مانگے وہ لگیں خفا ہونے کہ کسی طرح بس ہی نہیں۔ جو ہے وہ مُنہ اٹھائے چلا آرہا ہے۔ تم ہی بیعزت
ہو۔ خدا کی قسم میں تو کھڑے پانی نہ پیوں۔ تمہارے دل میں دل کیونکر ڈالدوں تقدیر
کی ذلت ہے وہ ہو رہی ہے۔ آپ ذلیل ہو۔ اپنے ساتھ اوروں کو کراؤ۔ لو اب کہاں
بیٹھتی ہو۔ کہیں جگہ بھی دکہائی دیتی ہے۔ کسی نے آکر جھوٹ موٹ بھی بات
نہ پوچھی۔

ماں۔ ہم کوئی آپ سے تھوڑی آئے ہیں۔ دو دفعہ رحیمن گئی۔ ایک دفعہ بھائی خود
آئے۔ ہم کیا گرے پڑے ہیں۔ جا سلیم سے کہدے کہاروں کو ٹھہرا لے۔ چلو اٹھو۔ فقیر
ہیں تو اپنے گھر کے۔

انگنائی میں کھڑے ہو کر اللہ کی بندی بہتیرا ہی چیخی چلائی! ور مطلب صاف تھا کہ ان
سینکڑوں میں خدا کسی کو اتنی توفیق دیگا کہ پوچھے بی کیا ہوا۔ مگر شادی کا

ہنگامہ۔ بچوں کی چیخم دہاڑ۔ بڑوں کا غل غپاڑہ۔ طوطی کی آواز نقار خانہ میں سنتا کون تھا۔ پوچھنا تو درکنار کسی کو خبر بھی نہ ہوئی۔ بات تو کچھ ایسی بڑی نہ تھی۔ دوچار باتوں میں دل صاف ہو جاتا۔ مگر اس فتنی نے کچھ ایسے کان بھرے اور ایسا پڑھایا کہ ساتھ ہی لیجا کر ٹلی۔ آدمیوں کا تانتا اب بھی لگا ہوا تھا۔ کسی کو یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ بیوی کیوں آئیں اور کیوں گئیں۔ رات گزر گئی صبح اُٹھکر جو گھر والی کو خیال آیا تو کہنے لگیں۔ بھابی تو ایسی پڑکر ڈھیر ہوئیں کہ بھانجے کو آکر دیکھا تک بھی نہیں اب چاروں طرف ڈھنڈیا پڑ رہی ہے۔ بھابی کہیں ہوں تو ملیں۔ کوئی کہتا ہے آئیں۔ کوئی کہتا ہے نہیں۔ نند بیچاری سینکڑوں قسمیں کہا رہی ہے کہ میں خود ڈیوڑھی میں ملی ہوں۔ دو نوجوان بیٹیاں ساتھ تھیں۔ اتنی بڑی عورت کا مہمانوں میں سے غائب ہو جانا جہاں ہنسی کی بات تھی وہاں تشویش کی بھی۔ منجھلی اُٹھکر کیا فرماتی ہیں اماں بی الماری میں تو دیکھو چھپ گئی ہوں۔ عورتوں نے بہت ٹھٹھے لگائے مگر نند بیچاری حیران پریشان کہ یہ ستم کیا ہوا۔ آئی اور آئی بھاوج کہاں غائب ہو گئیں۔ ماما کو بھیجکر دکھوایا تو معلوم ہوا کہ گھر میں بیٹھی آلو چھیل رہی ہیں میاں کو بھیجا تو یہ عقد کھلا کہ بھاوج سوجی پھولی بیٹھی ہزاروں باتیں سُنا رہی ہیں۔ نند بیچاری اور کیا کرتی۔ شادی کو اسی طرح چھوڑ چھاڑ ماما کو ساتھ لے بھاوج کے ہاں پہنچی۔ وہ تو رات ہی سے بھری بیٹھی تھیں صورت دیکھتے ہی ایسی ٹانگ لی کہ کچھ کہتے سُنتے بن نہ آئی۔ انکار پر انکار کر رہی ہے اور قسموں پر قسمیں کہا رہی ہے مگر بھاوج ہے کہ وہی کہے جاتی ہے۔ میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے۔ کوئی اور کہتا تو میں جھوٹ سمجھ لیتی۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بحث رہی بڑی مشکلوں اور مصیبتوں ہزاروں منتوں اور خوشامدوں سے خدا خدا کر کے غصہ فرو ہوا۔ ادہر تو یہ گذری اُدہر مہمان بیچارے بنا رستے بند رستے سوکھ گئے۔ انتڑیاں قل ہو اللہ پڑھ رہی ہیں۔ مختصر یہ کہ دوپہر بعد کہیں ایک بجے کے قریب بھاوج کو سمجھا بجھا ساتھ لے کر گھر آئی شادی تو خیر ہونی تھی ہو ہی گئی۔ شام کو مہمان رخصت ہوئے مگر نسیمہ

کی ماں لاکھ بھاوج سے صفائی کر چکی تھی لیکن دل میں کچھ ایسی شرمندہ شرمندہ رہی کہ زمین میں گڑی جاتی تھی۔ چلنے کا وقت آیا تو کہنے لگی۔ بھابی روز روز تو کوئی کسی کے ہاں آتا نہیں کبھی کبھار گھر سے نکلنا ہوتا ہے۔ اب آج جا کر کیا کرو گی اس ہنگامہ میں تو بات کرنے کی فرصت ملی نہیں کل چلی جانا نند کے اصرار پر تو بھاوج رہتی یا نہ رہتی مگر نسیمہ نے جھٹ پٹ کر ممانی کو ایک رات اور ٹھہرایا۔ کھانے سے فارغ ہوئے تو استانی جی کہنے لگیں بوا تم نے بھی کمال کیا۔ پوچھا نہ گچھا بات کو سمجھیں نہ بوجھیں۔ جو اپنی سمجھ میں آیا یقین کر بیٹھیں۔ غلط فہمی سے تو دنیا میں بہت بڑے بڑے نتیجے پیدا ہوتے ہیں۔ عقلمندی کا کام یہ ہے کہ اگر کسی عزیز کی طرف سے رنج پہنچے تو اس کو خوب اچھی طرح تحقیق کرے بلکہ خود اسی عزیز سے دریافت کرنا چاہیئے بارہا ایسا ہوتا ہے کہ کہنے والے کا مطلب کچھ اور ہوتا ہے۔ سمجھنے والا کچھ اور سمجھ جاتا ہے اور پھر بیچ کے لگانے والے جو بات کا بتنگڑ بنا دیں۔ ان کو اسی میں مزا آتا ہے۔ اپنے دل میں کھوٹ ہے۔ تو بس بات جم گئی اور خواہ مخواہ کا رنج پیدا ہو گیا۔ کچھ آپ بیچے، کچھ دوسرا کچھا۔ دلوں میں پوری رنجش ہو گئی۔ رفتہ رفتہ دونوں ایک دوسرے کی صورت سے بیزار۔ بولنا چھوڑا۔ ملنا چھوڑا۔ آنا چھوڑا۔ جانا چھوڑا۔ خدا سمجھے تو اسی وقت بات کو طے کر لے اور جا کر دریافت کر لے کہ میں نے تمہاری طرف سے یہ سنا ہے۔ سچ ہے یا جھوٹ مردوں کی تو میں کہتی نہیں مگر عورتوں میں یہ بات عام طور پر دیکھی ہے کہ قصور دونوں میں سے ایک کا نہیں اور ایک دوسرے کو دشمن سمجھ رہی ہیں۔ اچھی بوا ماشاء اللہ آٹھ بچوں کی ماں اتنا تو سمجھا ہوتا کہ رذیل سے رذیل اور ذلیل سے ذلیل بھی تو گھر پر آئے کو نہیں نکالتا۔ نہ یہ کہ اللہ آمین کا بچہ جتنوں کی شادی اور سگی بھاوج کا آنا ناگوار۔ بیوی قربان جائیے تمہاری عقل کے اور صدقے تمہاری سمجھ کے اور خیر تم نے کمال کیا سو کیا۔ صاحبزادی بلند اقبال نے اور بھی غضب کر دیا۔ کواری لڑکی اور لگائی بجھائی شرافت تو یہ ہے کہ جس کی جہاں سنی

وہیں چھوڑ دی یہ نہیں کہ سسی ایک جہیز چار۔ لڑکی شاباش جیف ہے ایسی بیٹیوں کے چوڑلوں میں بیڑ لوائیں۔ پھر غیر بھی تو نہیں سند بھاوجیں۔ آخر کیا ہاتھ آیا سینکڑوں آدمیوں میں عزت کس کی گئی جس نے سنا تبرا بھیجا۔ لڑکی ہے کہ آفت کا پرکالا۔ بیٹھے بٹھائے کیا آفت برپا کی ہے۔ بیٹی روتی کیوں ہے۔ یہ کلنک کا ٹیکہ تو عمر بھر کو لگ گیا۔ اب ٹسوے بہانے سے کیا حاصل۔ خدا ایسی بیٹی سے بچائے۔

(۳۰)

نسیمہ کی ماموں زاد بہن جس نے یہ گل کھلوایا تھا تھی تو کواری مگر ماں کی لاڈو نانی دادی کی چہیتی دو تین گھروں میں ایک بچی۔ مگر کیسی بے ڈھنگی اور پھوہڑ کہ خدا کی پناہ۔ ماں بارہ مہینے کی بیمار تو پہلے ہی سے تھی۔ برسات کے دن۔ پرسوا ہوا۔ کھایا باسی خشکہ ٹھنڈے بادی چاول۔ جوڑ جوڑ میں درد ہو گیا۔ جاڑوں میں ہوئے مسہل اور پھر کیا غسل اعضا کمزور تو تھے ہی۔ پانی پڑتے ہی دونو ٹانگیں رہ گئیں۔ نہ اٹھنے کی ہمت۔ نہ چلنے کی طاقت بہت دل کیا تو کھسک کھسکا چبوترے پر یا گسٹ گھسٹا چوکی پر۔ گھر میں لے دیکر گھر والی سمجھو منتظم سمجھو۔ داروغہ کہو جو کچھ تھی صاحبزادی برخوردار۔ مگر لڑکی کیا جانور تھی منوں چیز گھر میں آئے مگر جب دیکھو خاک اڑ رہی ہے۔ ماں چلنے سے معذور خفگی سے مجبور بیٹی کی طرف سے کچھ ہو نہ ہو، دونوں یکساں۔ ماماؤں کی جوتیوں کو کیا غرض تھی کہ مصیبت بھگتیں اور گھر بنائیں۔ گھر تھا تو گھر والی کے دم سے وہ اس قابل رہی نہیں۔ لڑکی پھوہڑوں کی بادشاہ بے ڈھنگیوں کی سردار۔ گھر کیا بازار تھا۔ چار ہی دن میں یہ کیفیت ہو گئی کہ گھسنے کو جی نہ چاہے جس ماں کی یہ کیفیت کہ بچھونے پر سلوٹ ہو تو بیچین۔ اس کی بیٹی کا یہ حال کہ دنوں اور مہینوں گھر میں جھاڑو نہ لگے تو پرواہ نہیں جس انگنائی میں سوئی گرے تو اٹھا لو۔ اب اس میں صاحبزادی کی سہیلیوں اور ماماؤں کے بچوں نے کنوئیں کھود کھود کر گڑھے ڈال دیئے۔ مرغیوں کے بڑے بڑے ڈربوں نے گھر کی حیثیت

دو کوڑی کی کر دی کہیں کیچڑ کے ڈھیر۔ کہیں خاک کے تودے۔ یہاں چولھے وہاں کہنڈیاں
دونوں کے پتے۔ کوڑا کرکٹ صحن کیا دنیا بھر کا مجموعہ تھا بھکنی دست پناہ اس میں۔ دانہ
کی کنڈلیاں۔ پانی کے کونڈے۔ مرغیوں کی بیٹ۔ کبوتروں کے پر۔ بوریئے کے ٹکڑے
کپڑوں کے چیتھڑے۔ چاروں طرف وہ جھاڑ جھنکار اٹا ہوا کہ دم بھر بیٹھنے کو جی نہ چاہے
کہنے کو ماشاء اللہ ایک چھوڑ دو دو مامائیں۔ مگر ان بیچاریوں کا کیا قصور۔ کام لینے والا ہوتا
تو وہ کام کرتیں۔ گھر والی کی یہ کیفیت کہ اگر کبھی بھولے بسرے دنیا جاتی دیکھکر کسی ماما نے
چاہا بھی کہ جھاڑو ہاتھ میں لے دو جھٹکے دیدوں تو اس کو جھٹ دوسرا کام بتا دیا۔ پل
بھر کی دیر ہوئی تو سینکڑوں کوسنے پڑ گئے۔ ستم یہ کہ جو کام بتایا وہ الٹا اور جو بات کی
وہ ٹیڑھی۔ ماماؤں کا کیا بگڑتا تھا جس رخ پر ڈالا پڑ گئیں۔ دن بھر بیٹھی مرغیوں کے دڑبے
ٹھوکتیں اور کبوتر کی کابکیں جھاڑتیں۔ چکنی مٹی کے بورے۔ کچی اینٹوں کے ڈھیر۔ تغار بنے
ہوئے۔ پانی پڑا ہوا۔ پختہ سنگین گھر چار دن میں غارت ہو گیا۔ دیواروں پر نظر ڈالو تو اینٹیں
گری ہوئی۔ چونا جھڑا ہوا۔ کوٹھے کو جا کر دیکھو تو گھاس اُگی ہوئی۔ ملبا پڑا ہوا۔ موری بند۔
قدمچے ٹوٹے۔ جھلنگے کھرے۔ جھاڑ پڑے۔ خدا کی شان نواب چھٹن کی محلسرا اور دیکھکر جی
متلائے۔ دالان کی وہ کیفیت کہ حلوائی کی دکان بھی اچھی ہوگی۔ چاروں طرف مکھیاں
بھنک رہی ہیں۔ بڑی بی کے زمانہ کا بنا ہوا گھر لاکھ کا خاک میں مل گیا تھا۔ دری
چاندنی۔ چادر غالیچے موجود سب چیزیں تھیں۔ لیکن وہی چیزیں جو کسی وقت مکان کی
زینت اور آرائش کا سامان تھیں آج بیٹھنے والے کو بھی لاج لگتی تھی۔ چونے کے دھبے
کتھے کے چکتے۔ سیروں چھلکے ٹوکروں کوڑا ڈھیروں راکھ منوں خاک۔ بڑی بڑی فرشی
دریاں مٹی میں اٹی ہوئی چھپی ہوئی جا جمیں۔ جنگی جنگی چاندنیاں زمین سے بدتر مرزا پور
کا بہین غالیچہ دیکھنے دکھانے کے لائق اور اس کی یہ قدر کہ انگلی لگی اور خاک اڑنی
شروع ہوئی۔ چبوترے کی چوکیاں جیٹھ بیساکھ میں ہوئیں خاک سے گرد آلود

اوپر سے پڑا مینہ۔ شیشم اور سال سب گلگ آٹا ہو گیا۔ سامان کا حال یہ کچھ۔ قرینہ اور ڈھنگ وہ کچھ کہ خدا کی پناہ۔ اگلا لدان اوندھا ہوا۔ ٹپاری پھکی ہوئی۔ کہیں گرا ہوا چونہ لیا ہوا۔ نواڑ کے پلنگ بان کی ادوان۔ پائے دو رنگے پٹیوں میں کان۔ بچھونوں پر چیپاں پلنگوں پر تولیں۔ چاندنی پر آبخورے۔ غالیچہ پر کٹورے کہیں پانی گرا ہوا کہیں رنگ پڑا ہوا کونڈے لٹکے ہوئے۔ رکابیاں پھیلی ہوئی۔ گھر کیا ایک طوفان بدتمیزی تھا لیٹو تو مصیبت بیٹھو تو آفت۔ جھاڑو نہ بہار۔ صفائی نہ ستھرائی۔ ہو کہاں سے اور کرے کون نہ کوئی کرنے والا نہ کہنے والا۔ ماں بیچاری عجیب شکل میں تھی کچھ کرتے دھرتے بن نہ آتی تھی۔ شروع شروع میں تو دو چار دفعہ بیٹی سے کہا مگر وہاں تو چکنا گھڑا تھا بوند پڑی اور بہہ گئی اس کان سُنا اور اس کان اُڑا دیا۔ خدا نہ کرے کہ کسی کے گھر کی ایسی خاک اُڑے۔ ہوتے ساتے خدا نے سب کچھ دے رکھا تھا۔ ایک بدتمیزی نے وہ گھر کی مٹی پلید کی کہ خدا دشمن کی نہ کرے۔ موئے فقیروں کا گھر بھی تو اچھا ہو گا۔ خدا معلوم کیسی منحوس طبیعت کی لڑکی تھی کہ نہ کبھی دل گھبرایا نہ جی اُکتایا۔ لحاف تو شک سادے اور زریں کہنے کو تو مچان پر تھے مگر کس کام کے۔ گرمی جاڑا برسات تینوں ہی موسم گزرے۔ مگر نکال کر دیکھا نہ اُتار کر اوڑھا چوہوں نے کاٹ کاٹ کر وہ لنگارے ڈالے کہ توبہ مار ہنے کو جگہ نہیں یہی صندوقوں کے کپڑے کچھ ٹپکے میں گئے۔ رہے سہے کپڑوں نے کھالئے اور کیوں نہ کھاتے اکٹھی دو برساتیں آئیں اور گئیں۔ مگر دھوپ ملنی تھی اور نہ ملی۔ غرض روپے اور اشرفیوں کی چیزیں کوڑیوں کے مول رہ گئیں۔

غسل خانہ کو جا کر دیکھیے کیسی کھلی ہیں۔ کس کا صابن منجن۔ میلے کپڑوں کا ڈھیر چھت سے باتیں کر رہا ہے۔ وہ کس طرح اوڑھنی گیلی۔ کرتا چوڑا پتھر سے پڑا گیلا۔ پڑی ہوئی کنگھی ٹوٹا ہوا اچھا نواں۔ بدبو ایسی کہ ناک نہ دی جائے۔ موری بند۔ پانی بھرا ہوا۔

باورچی خانہ سبحان تیری قدرت، دست پناہ بچکا ہوا پھکنی پھٹی ہوئی۔ چوٹے

گنتی میں دو بلکہ تین۔ مگر جو ہے وہ بے ڈھنگا۔ ایک کا باز نہیں تو دوسرے کا کوڑ لا ندارد۔ آٹا
گندھا رکھا ہی تو مرغیاں پھر پھر چونچیں کھا رہی ہیں۔ دال کیسی تمسو اور کس کا دھونا۔ آدھی سے
زیادہ تو کبوتر دانے کھا ئی بچی۔ بچا ئی جیسی جس کی سمجھ میں آئی پانی ڈال چولہے کے حوالے کی
روٹی پک کر تیار ہوئی تو کوئی کچی اور کوئی جھڑا۔ ایک کٹرناک تو دوسری ٹکڑ۔ سالن میں گھیا
توڑے آدھ پاؤ کے بدلے تین چھٹانک۔ مگر ڈھیر ڈھیر تلیا۔ نمک نہ مرچیں ملا ہل۔ نیلا نسوت
ہٹیارے کا شوربا۔ چاول پکے تو پیچ پتلے۔ برابر کے کنکر۔

اب یہ برتن کا یہ حال کسی میں رنگ کسی میں زنگ بیبیوں کی قلعی۔ مارتوں کے بنیچے۔
کیچڑ میں تیرتے پھرتے ہیں۔ انگنائی میں تیلیاں دالان میں تشتریاں۔ موری پہ طباق
دہلیز میں کٹورے۔ پانی کی گھڑونچی خدا نہ دکھائے۔ مٹکے میلے بہلیا کچیلی چینی نہ ڈھکنا۔
جو آیا غڑپے آبخورہ ڈال پانی پی پٹخ پٹخا چلتا ہوا گرمی کے دن اور پانی ادہن۔ جس گھر
میں آج سے دو برس پہلے جو کام تھا وہ ڈھنگ کا اور جو بات تھی وہ سلیقہ کی۔ اسی گھر
میں آج ایک بدتمیز لڑکی کی بدولت ہر چیز کو ایسی آگ لگی کہ دیکھی نہ سنی۔ ہاتھ ہیکڑا
نہ پاؤں پکڑا۔ دن بھر ادھر ادھر اچھلتی کودتی پھرتی اور گھر کی طرف خاک دھیان نہ کرتی
بھرے ہوئے گھی کے کنستر آٹا دال گیہوں چاول سب الفتوں کے پیٹ میں جاتے۔
کم بخت اپنی آنکھ سے دیکھتی کہ یہ نمک حرام مامائیں بھر بھر چمچے گھی اور پھر پھر جھولی اناج
بلا وجہ بلا ضرورت لا رہی اور لیجا رہی ہیں اور نہ اک منہ سے نہ پھوٹتی۔ مالک کا یہ
ڈھنگ دیکھکر نوکروں نے اپنا گھر بھرا تو کیا برا کیا۔ دھیلے کا دہی اور دو پیسے وصول
پیسہ کی چیز اور دو آنہ دام۔ آج کٹورا غائب کل تشتری ندارد۔ بھرا پڑا گھر چار دن میں
اُف ہو گیا۔ کپڑے اور برتن اوڑھنا اور بچھونا سب غارت۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ چمچہ اور کفگیر

سلہ دال دھونے میں احتیاط کہ اس میں کنکر وغیرہ نہ رہنا چاہیئے سلہ سوکھی ہوئی سلہ جلی ہوئی
سلہ پتلا پانی جس میں برتی نام کو نہ ہو ۱۲

کچھ نہ رہا۔ بیوی سالن نکالنے کو حیران بیٹھی ہیں۔ ماما دوڑی دوڑی گئی اور پیسہ والا ٹین کا
چمچہ پاٹکے والی ڈوئی لا حوالے کی۔ آدمی کچھ کہو کر سکتا ہے۔ چاہیئے کہ اس پر کچھ کان ہوتے۔
کیا مجال۔ کرتہ چیتھڑا۔ جوتی لیتڑا۔ بدن پر تار نہیں۔ مگر ایسی بے حمیت کہ وہ وطیرے نہ چھوڑنے
تھے نہ چھوڑے۔ سنجیدہ جو اتفاق سے اس محلہ میں پہنچی تو وہاں آ یا کہ لاؤ آئی تو ہوں یہاں
بھی ہوتی چلوں۔ دیکھتی ہے تو ڈھنگ ہی اور کچھ ہیں۔ ایمان کی بات ہے کہ اگر سنجیدہ جیسی سچی
آدمی کا بیان نہ ہوتا تو ہم یقین بھی نہ کرتے کہ دنیا میں ایسی ایسی لڑکیاں بھی موجود ہیں۔
پھوہڑ بے ڈھنگی نکمی۔ کام چور سب ہی طرح کی لڑکیاں دیکھی بھی اور سنی بھی مگر یہ رنگ دیکھا نہ
سُنا۔ تقدیر میں تو کسی کا زور نہیں بہت سی اللہ کی بندیاں ایسی نکلیں گی کہ سینکڑوں ہزاروں کا
میکے سے لیکر گئیں اور سب سسرال کی نہاگ لگا۔ سونے جھوٹے والیاں جنکے قدموں کے نیچے
ماں باپ آنکھیں بچھاتے تھے۔ گھر بار کی ہوئیں تو یہ پتھر پڑے کہ عمر بھر پاپڑ بیلے۔ سلائیوں اور
پسائیوں سے پیٹ پالا۔ رونا تو اُن بدنصیبوں کا ہے، خدا نے سب کچھ دیا مگر ایک اس اُلٹی
مت کے ہاتھوں وہ تھڑی تھڑی ہوئی کہ ساری دنیا میں جوتیاں پڑیں۔ اس بدنصیب
کو کس چیز کی کمی تھی۔ معقول آمدنی بھرا گھر ماما کی جگہ ماما نوکر کی جگہ نوکر مگر کم بخت نے سب چیزیں
تالیے لگا دیں۔ غضب خدا کا ڈھائی سو تانبے کا برتن جا کر جھوٹی چینی کی تشتریاں اور
مٹی کے پیالے ہاتھوں میں آ گئے۔ مامائیں نمک حرام اپنے مطلب کی آشنا۔ غرض کی
دوست خوب سر سہلایا اور بیچا کھایا۔ وہی بنّی کی ماں جس کا بیگم بیگم کہتے کہتے منہ خشک
ہوتا تھا۔ دو دو تین تین دن غائب ہیں۔ بنی کے سو مگڑی کا ایک نہیں۔ اس
نالائق پر تو جو کچھ بھی پڑتی درست اور بجا تھی۔ ہمیں تو افسوس بیچاری بڑی بی کا ہے۔
بڑھاپے میں کیسی مٹی پلید ہوئی۔ ماما گئی بیٹھ۔ بیٹی کو چولھے پاس جانا قسم۔ آٹا گوندھا گیا
سوندہ ساندہ تندور پر بھیجدیا۔ نیلا شوربا پانی تیل سے بگھرا چربی میں پکا۔ جلے ہوئے
موٹے موٹے تندور کے ٹکڑے۔ دانت سے چبیں نہ حلق سے اُتریں۔ چُور ما بناکر

پیٹ میں ڈال لیتیں۔ چور کی ماں گھٹنوں میں سر دیے اور روئے کس سے کہتیں اور کیا کہتیں جو
آئی وہ بھگتی جو پڑی وہ اٹھائی۔ سنجیدہ تو یہ رنگ دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ لڑکی کو دیکھتی ہے تو سر
جھاڑ منہ پہاڑ اٹھنا نہ اٹھانا۔ سلام نہ آداب شیر کی نظر بیٹھی گھور رہی ہے آگے بڑھی تو جو
چیز ہے نور علیٰ نور۔ جدھر گئی تعجب در جہاں دیکھا افسوس۔ چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ
کر دیکھا۔ خدا خدا کر کے بیچاری بڑی بی دکھائی دیں۔ بیٹھنے کی ٹھکی جیسے چوک کا بازار صورت
جیسے برسوں کا بیمار نہ تو شکل ہے تو الٹی نہ سیدھی ہے۔ لحاف ہے تو روئی کے بوٹے باہر۔ قرلوں کا
تکیہ۔ برسوں کی رضائی۔ پرانی کمری۔ میلہ کرتہ۔ جھکی پڑی اللہ اللہ کر رہی ہیں۔ سنجیدہ تو
صورت دیکھتے ہی بے اختیار ہو گئی اور دوڑ کر گلے جا لپٹی۔ پوچھنا تھا کہ بڑی بی کا دل
بھر آیا۔ برسوں کا جما ہوا مواد نشتر کی دیر تھی۔ لڑکی کا نام آتے ہی لگیں پھوٹ پھوٹ کر رونے
رو چکیں تو رام کہانی سنائی۔ سنجیدہ کا بس چلتا تو وہ اس کو کچا ہی کھا جاتی مگر سمجھدار
عورت سوچا کہ زبان دراز لڑکی، کیوں موری میں پتھر ڈالا جو چھینٹیں اڑیں۔ پرائے
شگون کے واسطے اپنی ناک کٹانی کس خدا نے بتائی۔ پیاس لگی پانی مانگا۔ ماما تو چپ
ہو گئی۔ مگر سہیلیوں میں سے ایک لڑکی سات آٹھ برس کی ڈھینگری ننگے سر ننگے پاؤں
ناک بہہ رہی تھی ہاتھ پکڑا پانی پلانے اٹھی گھڑونچی کے نیچے آبخورا لڑھکا پڑا تھا جھٹ
اٹھا غڑاپ سے ڈال پانی بھرے آئی۔ بی سنجیدہ دیکھتی ہیں تو گھڑے کا مٹکا میلا کچیلا مانگنے
کو تو پانی مانگ لیا۔ مگر پانی تو سانپ کی چھچھوندر ہو گیا۔ نہ اگلے چین نہ نگلے۔ گلاس کٹورا
لتھڑا ہوا آبخورا پیتی ہیں تو کراہیت نہیں پیتیں تو شرمندگی۔ اٹھی آبخورا لے باہر آئی
اور ہاتھ دھو پاس آ بیٹھی جی تو یہی چاہتا تھا کہ ماں کے منہ در منہ ایسا ٹھیک بتاؤں
جو بھلی مانس ہو تو چلو بھر پانی میں ڈوب مرے۔ مگر پھر سوچا کہ کیوں اندیشہ ہو تا اور کیوں دو
بلائے۔ پیاس دل کی لگے ہی تھی۔ تھوڑی دیر اور بیٹھ رخصت ہوئی مگر چلتے وقت اتنا کہہ گئی
استانی جی آنے کو کہہ رہی تھیں وہ آئیں تو انشاء اللہ میں انکے ساتھ پھر آؤں گی۔ گھر آئی۔ پانی پیا اور

اُستانی جی سے سارا حال کہا۔ پیاس کا ذکر سُنکر تو ایک اُستانی جی اور اُنکے ساتھ کئی اور سب کے
پیٹ میں مارے ہنسی کے بل پڑ گئے۔ سنجیدہ کہنے لگی اُستانی تو جب جانوں جب اس لڑکی کو ٹھیک
کرو۔ کمبخت نے گھر کا گھر وا کر رکھا ہے۔ خدا کی قسم بوا اس نے تو سب کے کان کاٹے خبر نہیں کس
قماش کی لڑکی ہے میرا تو اوپر کا سانس اوپر نیچے کا نیچے رہ گیا! اتنا بڑا محلہ ماشاءاللہ پچیس
تیس آدمیوں کا کنبہ اور آگر جھانکتا بھی نہیں۔ جہاں کسی نے قدم رکھا اور لڑکی نے ٹانگ لی۔
اسفندیار خاں سگے ماموں اور ایسے الگ تھلگ جیسے بالکل غیر میں تو کہتی ہوں خدا اس کا
پردہ ڈھانک لے۔ یہ ہوائی تو نہ ہوگی کسی طرح ماں بیچاری اس مصیبت سے چھٹکارا پائے
ایک دم چالیس پچاس روپے فقط کرایہ کی آمدنی پنشن الگ ہی جہاں بیٹھ جائیں گی لال
کی لال۔ اسی مردار کی بیڑی پاؤں میں ہے جو نہ کہیں جا سکتی ہیں نہ آ سکتی ہیں۔
دکھ بیماریاں کیا ہوتی نہیں۔ اُن کو تو اسی صدمہ نے بٹھا دیا۔ اسلم سے نسبت ہوئی
تھی مگر بوا کس کے سر پر اتنے بال تھے۔ دیوار بیچ گھر رتی رتی اور تل تل باتوں کی خبر پہنچتی
تھی۔ کانوں پر ہاتھ دھر صاف الگ ہو گئے، مجھے تو امید نہیں کہ یہ لڑکی رستے پر آئے۔
اُستانی جی یہ حال سُنکر تھوڑی دیر تو سناٹے میں رہ گئیں۔ پھر کہنے لگیں لے ہے میرا دل تو اُن سے
ملنے کو آپ ہی چاہ رہا ہے اب تو وقت نہیں رہا۔ زندہ رہی تو انشاءاللہ کل صبح ہی چلونگی۔

دوسرے دن صبح ہی اُستانی جی اور سنجیدہ چلنے کو تیار ہوئیں تو نسیمہ نے بھی
خواہش ظاہر کی۔ پھوپھی کا منشا تو تھا نہیں مگر اُستانی جی نے کہا کیا ہرج ہے گھڑی بھر
تو بیٹھنا ہی ہے ساتھ جائیگی ساتھ آئیگی بیچاری۔ تینوں ڈولیاں آگے پیچھے روانہ ہوئیں۔ اور دم
بھر میں وہاں جا پہنچیں۔ پہلے اُستانی جی اُتریں اور ڈیوڑھی ہی میں کھڑی کی کھڑی رہ گئیں سنجیدہ
اُتری نسیمہ آئی۔ تینوں آگے بڑھیں۔ بھلا اُستانی جی کو تاب کہاں وہ تو جب سے ذکر ہی
سُنا تھا۔ خون کے سے گھونٹ پی رہی تھیں بڑی بی سے گلے تو مل لیں اور پھر تو وہ آئیں تو جائیں
کہاں کیسی خیر صلاح اللہ کس کا مزاج۔ لڑکی سے کہنے لگیں، دہن بھاگ اُن

ماؤں کے جن کے ہاں ایسی ناشدنی بیٹیاں پیدا ہوں اس سرے سے اس سرے تک
سارے گھر کو آگ لگا دی، موئے چماروں حلالخوروں کا گھر بھی تو اچھا ہوگا۔ یہ تو نہ ہوگا کہ
گھستے ہی جی متلائے۔ غضب خدا کا یہ پانی پینے کا آبخورا جو غڑپ غڑپ مٹکے میں پڑے
مرغی کے دڑبے پر پڑا ہے۔ انوکھے جانور تمہارے ہی یہاں نہیں پلے دنیا پالتی ہے مگر یہ اندھیر
کہیں نہیں دیکھا کہ چاروں طرف مرغیاں منہ ڈالتیں پھریں اور برتن تتر بتر۔ گھر کیا کنجڑے
کی دکان یا گاڑیوں کا اڈا ہے کہ کتی اور پلیا گاجریں اور مولیاں دنیا بھر کے آخور گھر کے
اندر۔ یہ چاندنی ہے جس پر پاؤں رکھنے کو جی نہ چاہے تو بیچ ایسا بے ڈھنگا کا رکھا ہو ذرا
گھڑونچی کی تو صورت دیکھو۔ یہ موا ٹھکا ہے یا رنگریز کی راجن گول؟ اور لو طباق دیکھنا کیچڑ
میں کھڑا ہے۔ لے ہے دس بجنے کو ہیں اور ابتک بچھونے اٹھنے نصیب نہیں ہوئے۔ وہ
ہیں بھی تو زربفت اور کمخواب کے، جو دیکھے وہ خوش ہو جائے الٰہی توبہ۔ خدا ایسی پھوہڑ
لڑکی کی صورت نہ دکھائے۔ بیٹی عورت ہے یا پتھر آدمی ہے یا جانور ذرا اپنا ہڈرا تو دیکھو فقیرنیوں
کا سا حال لونڈیوں کی سی گت اور تو اور موئے چھینکے کی بھی کوئی ہستی ہے۔ یہ ڈھنگے اوٹھے
کا یہ ڈھنگا کام اچھی بوا سنجیدہ تمہیں خدا کی قسم الٹا لٹکا ہوا ہے؟ کیوں بیٹی ذرا جواب تو
دے یہ اس الان میں پیڑیاں نہائی ہیں یا جلیبیاں تلی ہیں کہ مکھیوں کی بھنکار نے ناک
میں دم کر دیا۔ کھانا کھا کر رات کو دسترخوان بھی تو اٹھانا نصیب نہیں ہوا۔ روٹیوں کے
ٹکڑے جہاں تہاں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ گھر ہے یا بھٹیار خانہ۔ میرے تو ہوش اڑے جاتے
ہیں ماشاء اللہ سب صفتیں موجود ہیں۔ کمرے میں اپلے سبحان اللہ۔ بیٹی ہاتھوں میں
دم نہیں تو چارپائی پر سونا کیا ضرور۔ یہ جھانگے ہیں یا اڑن کھٹولے میرا تو ایک ایک چیز کو
دیکھکر جی الٹا جاتا ہے اور تو اور لو یہ اندھیر کبھی دیکھا۔ پٹاری کو ملاحظہ کیجیے ایک کلیا تانبے کی
ایک تئی کی۔ غریبی نہیں نہوت نہیں نہ ہو تو صبر آ جائے۔ ہر ڈنگی نے اپنے کنوں سے گھر کا گھروا
کر دیا اور سری کی ہوتی تو شکل تو دکھاتی یہی کوتک ستھے جو ماموں جانی نے جوتی اوندھا دی اور سیج

بھی ہو میکے میں یہ آفت ڈہا رکھی ہے تو سسرال جا کر کیا آگ لگائے گی۔ ننہی نہیں نادان نہیں
اسے چھوٹی چھوٹی لڑکیاں وہ گھر سنبھالتی ہیں کہ آدمی دیکھتا رہے۔ بیٹی کے ڈہنگ سوئی
تو ہیں نہیں کہ چھپ جائیں۔ نکلی ہونٹوں چڑھی کوٹھوں۔ کس کی شامت آئی ہے کہ جیتی
مکھی نگلے گا۔ کیوں بوا جھوٹ تو نہیں کہتی۔ آخر تمہارے گھٹنے سے لگی کب تک بیٹھے گی۔
بادشاہ وزیر کی نہیں بیٹھیں یہ تو کس گنتی میں ہے۔ آج نہیں کل ور کل نہیں پرسوں وقت
تو آنا ہی ہے۔ سسرال والوں کی جوتی کو کیا غرض پڑی ہے۔ جو گھر کا ناس کرائیں گے۔ آپا جان
آپ کو تو خالہ بستی کی بہو یاد ہو گی۔ ان ہی کی بہن تھی یا کچھ اور۔ ساس غریب کو خبر بھی نہیں اور بہو نے
ایک ایک کر کے نو جوڑے غارت کر دیئے۔ روپیہ کا مصالحہ کوڑیوں کے مول بیچ ڈالا۔ وہ تو خدا کو
رسوا کرنا تھا کہ گھر پہ آیا زری گوٹے والا۔ لڑکی نے ادھیڑی پاجامہ پر سے چھپا۔ ماما گئی لیکر۔ اُدھر سے
آ رہے تھے سسر۔ بیوی سے آکر پوچھتے ہیں تو اُن کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں۔ ماما سے بلا کر پوچھا۔
لگی اِدھر اُدھر کی باتیں بنانے۔ خالہ کو آیا غصہ جوتی لیکر کھڑی ہو گئیں۔ پہلے تو بہت ٹرٹرائی
مگر چارہ ہی کیا تھا۔ ہاتھ جوڑ کر سارا حال کہہ دیا۔ اب تو بی خالہ کا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے
کا نیچے۔ آکر دیکھیں تو چوتھی کا جوڑا کارچوب کا ٹکا مہینہ ڈیڑھ مہینہ کا پہنا اور بیچ کی سلیں غائب
کونوں کے ترنج ندارد۔ بہتیرا چیخیں پیٹیں مگر ہوتا کیا تھا بہو تھی زبان کی چٹوری سب ہی کچھ
کر ڈالا مگر بھلا چٹپٹین کی عادتیں یوں جاتی تھیں دس دس بارہ بارہ قلفیاں ایک سانس
میں چٹ کر جاتی۔ ہار جھک مار میکے بٹھوا دیا۔ اب دیکھو لو اُٹھتے جوتی بیٹھتے لات کیا اور ہو گئی
ہے۔ اُن کا کیا بگڑتا تھا ایک دفعہ بھی پلٹ کر خبر نہ لی کہ بہو تھی یا گھر کا کوڑا۔ خدا نہ کرے کہ کسی لڑکی
میں یہ لپکا ہو۔ میرے تو آج دیکھکر اوسان جاتے رہے۔ میں تو کہتی ہوں ایسی لڑکی شاید شہر بھر میں نہیں ہو گی

(۲۱)

بیٹیوں کے کام یہ ہیں۔ صبح اُٹھکر وضو کیا، نماز پڑھی۔ قرآن پڑھا۔ ماما میسر ہوئی تو
اسے نہیں تو آپ بچھونے تہہ کئے اندر کوٹھری میں لیجا کر رکھے۔ چارپائیاں اُٹھا کر کونے میں

کہڑی کیں۔ رات کی پہیلی ہوئی چیزیں سمیٹ کر قرینے سے رکہیں۔ جہاڑو دیکر دلوائی۔
صحن میں پتھر کا فرش ہے تو آپ کہڑے ہوکر دہلوایا۔ دالان کمرے میں جہاڑو بہارو
مل چکی تو دری چاندنی قالین جو بچھا ہے اس کا ٹھیک ٹھاک کیا اگر جہاڑو دی تو یہی کہ
جہاڑو معلوم ہوئی نہیں کہ پیچھے مارے ڈالے پہوہڑ کی جہاڑو سگہڑ کا لیپا جس چیز کے واسطے جو
جگہ مقرر ہے وہ اس جگہ رکہی رہی تاکہ ڈہونڈہنے میں دقت نہ ہو۔ غرض بیٹی کا سب سے پہلا کام
یہی ہے کہ گھر چند دن سنبہالے کیا اندر کا بچھونا اور کیا باہر کی انگنائی ایسی صاف ستھری ہو کہ ایک
سوئی بھی گر پڑے تو الگ دکہائی دے جن چیزوں کو دالان اور کمرے سے کوئی واسطہ نہیں ہے
وہ ہرگز وہاں نہ آنے پائیں۔ میز کرسی صندوقچے اور الماریاں دو وقت جہاڑن سے جہاڑ دینی
چاہئیں بعض لڑکیوں میں عیب دیکہا گیا ہے کہ اگر کوئی چیز ٹیڑہی ترچھی پڑی ہے تو بلا سے کچھ پروا ہ
نہیں مگر یہ یاد رکہنا چاہیئے کہ دنیا میں بعض مزاج ایسے بھی ہیں کہ بچھونے میں سلوٹ بھی دیکہیں
تو جی الٹنے لگتا ہے اگر ان کو کوئی چیز ٹیڑہی ترچھی دکہائی دے جائے تو بہت تکلیف ہوتی ہے
اس لئے اگر دیواروں پر تصویریں نقشے یا قطعے وغیرہ ہوں تو انکو روزمرہ جہاڑنے پونچھنے کے
علاوہ یہ بھی احتیاط ضروری ہے کہ ذرہ بہر کج نہ ہو۔ کپڑے لٹکانے کے واسطے الگنی کہونٹیاں اور
نہیں تو خیر الگنی نہایت مناسب ہے کپڑے ہمیشہ اسی پر لٹکانے چاہئیں۔ یہ نہیں کہ اجلی
براق اوڑہنی جہاں جی چاہا آتار پہینکی اور چار دن میں میلی چکٹ ہو گئی ایک اجلا صاف
شفاف تولیہ ایک طرف ضرور لٹکا رہنا چاہیئے تاکہ ضرورت کے وقت ہاتھ منہ پونچھنے میں
تکلیف نہ ہو۔ تولئے کے سوا کسی اور کپڑے اوڑہنی کے آنچل یا کرتے کے دامن سے ہاتھ
منہ پونچھنا بڑی بدتمیزی کی بات ہے۔ دیوار پر کسی قسم کا داغ دہبہ کوئلے کی لکیریں
پان کی پیک وغیرہ نہایت پہوہڑ پن ہے۔ پان کہانے والے کو لازم ہے کہ کم سے کم
ایک اگالدان اگر میز کرسی ہو تو میز کے قریب ورنہ گاؤ تکیے کے پاس ایک کونے میں
ضرور رکہ دیں۔ یہ یاد رکہنا چاہیئے کہ کوئی چیز جس کی ضرورت نہ ہو کمرے یا دالان

میں نہ آنی چاہیئے۔ کوٹھری کے آگے پلنگ بچھانا بھی تکلیف دہ ہے۔ اگر مجبوری ہو تو یہ مناسب ہوگا کہ رات کو بچھا لیا جائے۔ مگر صبح کو اُٹھا دینا چاہیئے کیونکہ کوٹھری میں جانے کے واسطے بار بار پلنگ پر چڑھنا تکلیف کے علاوہ پلنگ کو بھی جھولا کر دیگا۔ ایک لڑکی کا ذکر سُنا کہ صبح ہی اُٹھکر منہ ہاتھ دہو اچھے اچھے کپڑے پہن ماں سے پوچھتی اماں میں کیسی معلوم ہوتی ہوں وہ ماں ہنستی اور کہتی بہت ہی بُری۔ ایک دن لڑکی نے اپنا تکلف چھوڑ گھر بھر میں جھاڑو دی اور سب چیزوں کا ٹھیک ٹھاک کیا۔ پھر اسی طرح خاک میں بھری بھرائی میلے کچیلے کپڑے ماں سے کہنے لگی۔ اچھا اب کیسی معلوم ہوتی ہوں ماں نے کہا بہت اچھی۔ یہ مثل سُنی ہوگی گھر کی بہو کو سے بکتی گھر کتوں جرے گا۔ بیٹی سیانی ہوئی تو گھر کے تمام کام کاج کی وہ ذمہ دار ہے۔ اگر کسی گھر کی حالت خراب دیکھو اور یہ بھی دیکھو کہ وہاں ہشیار لڑکی موجود ہے تو یقین کرلو بہت ہی بد سلیقہ اور بے ڈھنگی ہے۔ بعض لڑکیوں میں یہ عیب دیکھا گیا ہے پان کھایا نہ کھایا، تھوکنے کی ضرورت ہوئی، فرش پر بیٹھی ہیں دری کا کونہ اُٹھایا تھوک دیا۔ ناک سنکی دیوار سے پونچھ دی۔ اس سے زیادہ بدتمیزی اور کیا ہوگی۔ لڑکیوں کو ہر وقت ایک رومال اپنے پاس رکھنا چاہیئے۔ مرزاپور میں ایک صاحبزادی کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ بہت سی بیویاں محفل میں بیٹھی اِدہر اُدہر کی باتیں کر رہی تھیں اور اس کے ہاتھ میں ایک تنکا تھا۔ دانت کرید کرید کر دیکھتی جاتی تھی۔ کسی کے سامنے خلال کرنا خاصی اچھی نالائقی ہے بہت سے آدمیوں کو گھن آتی ہے۔ گو لحاظ کی وجہ سے کچھ نہ کہیں مگر دل میں تو ضرور بدتمیز سمجھنے لگتے ہیں۔ اسی لڑکی میں ایک دوسری صفت دیکھی، پہلے تو یہ کیفیت کہ تنکا موڑوں میں ڈالکر نکالتی اور دیکھتی دیواروں سے پونچھتی ہونٹوں سے چوستی کبھی میز پوش سے رگڑ دیا کبھی دری میں مل دیا۔ دوسری تعریف یہ کہ ہم سب تو باتیں کر رہے تھے اور اسکو جو خلل ہنسی سوجھی تو ایک ایک کی صورت دیکھ رہی ہے اور لوٹے جا رہی ہے۔ اسکا اس بیہودگی سے ہنسنا بہت ہی ناگوار معلوم ہوا۔ اتفاق کی بات ہے کہ ایک بیوی بہت ہنسنگی تھیں وہ بیچاری تو یہی سمجھیں کہ

مچھیر ہنس رہی ہے۔ ہتیرا منع کیا سمجھایا یا گھر کا۔ مگر اس کی ہنسی ہی بند نہ ہوئی کسی محفل میں اگر شریک
ہونے کا اتفاق ہو یا اجنبی آدمیوں سے ملو تو بلاوجہ ہنسنا اور قہقہے لگانا بہت ہی بُری بات ہے
ہاں تو میں کہہ یہ رہی تھی کہ گھر ایسا بنا سنورا۔ دیواریں ایسی صاف ستھری چاہئیں کہ دیکھنے والے
کا دل خوش ہو جائے۔ یاد رکھو کہ تاڑنے والی عورتیں ایک نگاہ میں بھانپ لیتی ہیں۔ گھر کی حالت
دیکھکر گھر والی کے سلیقہ کا پتہ لگانا کچھ بڑی بات نہیں اپنی تو میں کہتی ہوں مجھکو لیجا کر ایسے گھر
میں چھوڑ دو جہاں کبھی نہ گئی ہوں ایک نظر ڈالکر گھر والی کا سارا رنگ ڈھنگ بتا دوں
تو بھی موٹی سی بات ہے جس کے مزاج میں آپ ہی ستھرائی نہ ہوگی وہ گھر کو کیا بنائیگا۔ بیوی
جب کوارپنے ہی میں ڈھنگ نہ آیا تو سسرال میں جا کر کیا خاک آئے گا۔ غریب ہو یا امیر
کوئی سینکڑوں ہزاروں کا کام نہیں۔ گھر کا ایک دالان یا کمرہ ٹھیک کر کے انتظام کر لینا
کچھ بڑی بات نہیں کہ بچے اِدھر نہ جا سکیں۔ اتنا ہو جانے کے بعد انگنائی سب سے پہلے غور
کرنے کے قابل ہے۔ کوڑا کرکٹ چھلکے دونے کوئی چیز نہ ہونی چاہیئے نہ یہ کہ دن بھر پلنگ
چارپائیاں دھوپ میں پڑی ہیں بعض جگہ دیکھا ہے کہ جھاڑو دیکر کوڑے کا ڈھیر کسی کونے
میں لگا دیا۔ مناسب ہے کہ دروازے کے باہر ڈالدو یا حلالخوری سے آتے ہی اُٹھا دو۔
اگر باہر پھنکواؤ تو ذرا فاصلہ پر یہ نہ ہو کہ دروازہ پر ڈلاؤ لگا ہوا ہے۔ اندر گھر کے رہنے
والوں کو معلوم نہیں ہوتا مگر باہر کے آنے جانے والوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ یہ
بھی دیکھا ہے کہ دن بھر پڑوائے انگنائی میں پڑے رہے۔ اگر رات کو پلنگ یا چارپائیوں
کے نیچے پڑوائے لگانے کی ضرورت ہو تو صبح ہی اُنکو اُٹھا لینا چاہیئے ایک جگہ کا ذکر
کرتے ہوئے تو رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ سیپارے کے ورق سارے گھر میں مارے مارے
پھر رہے تھے۔ تکیہ نہ رحل لوگ اوپر چڑھے بیٹھے ہیں اور سیپارہ نیچے پچا پڑا ہے۔ غضب خدا کا
مسلمانوں کا گھر اور کلام اللہ کی یہ عزت۔ جس چیز پر ایمان کا دارومدار وہ پاؤں میں رُلتی
پھر رہی ہے۔ دیوار یا کنوئیں میں ڈالدو۔ موکھوں میں رکھدو۔ خالہ امی کے یہاں کا ذکر ہے

میں بیٹھی تھی اور ماما الحمد کا ورق جھاڑ ویں لیے پھیلی۔ گھر میں ماشاء اللہ اتنی لڑکیاں بالیاں اور بڑی بوڑھیاں مگر چھوٹیں اُنکی آنکھیں جو کسی نے بھی دیکھا ہو۔ میں نے ٹوکا تو چاہیئے کہ بی خالہ سب کاموں کو چھوڑ جھاڑ سر سے لگاتیں آنکھوں پر رکھتیں۔ تو یہ پرواہ بھی نہ کی۔ ماما سے اتنا کہہ یا کہ دیوار میں اُڑس دے۔ تم انجانوں کے آگے کہتی ہوں اُسی دن میرا ماتھا ٹھنکا تھا کہ خدا خیر کرے۔ دو تین دفعہ اُن کے ہاں یہی بیحرمتی دیکھی۔ آخر خدا کے کلام کا ایسا جبر پڑا کہ وہی بھرا ہوا گھر جس میں بڑے اور چھوٹے بچے اور کیچے آدھی رات تک بجر باں سی بکتی رہتی تھیں ایک چھ مہینے میں کیسا تباہ ہوا کہ اکیلی ٹرٹروں ٹوں بیٹھی مکھیاں مار رہی ہیں خدا لاٹھی لیکر تو مارتا نہیں کیسی برباد ہوئیں کہ مکان تک نہ رہا۔ مال اور جان سب ہی کچھ کھو بیٹھیں۔

ایک اور عیب میں نے لڑکیوں میں دیکھا جو ظاہر میں تو کچھ ایسا بڑا نہیں معلوم ہوتا مگر غور سے دیکھو تو بہت ہی تکلیف دینے والا ہے۔ ضرورت کے وقت چیز کہیں سے اُٹھائی اپنا کام کر کرا جہاں جی چاہا پھینک دی۔ ایک دفعہ تو مجھی پر یہ مصیبت گزر چکی ہے۔ برسات کے دنوں میں چراغ جلا کر میں نے اپنے ہاتھ سے دیا سلائی کا بکس دیوارگیری پر رکھدیا عشاء بعد مولوی صاحب کھانا کھانے آئے۔ میں سلیم کو سلا رہی تھی۔ خدیجہ کھانا دینے اُٹھی چاولوں کو دیکھتی ہے تو ٹھنڈے جیسے برف۔ چولھے کو دیکھتی ہے تو آگ نہ بھاپ بکس لاکر آگ سلگائی اور اس جلدی میں بکس وہیں پھینک کھانا تک بھول گئی۔ پچھلے پہر سے مینہ آیا۔ بہتیرا سر پٹیخا بکس ہے تو ملے۔ کونہ کونہ دیکھ ڈالا مگر بکس نہ ملنا تھا اور نہ ملا۔ اندھیرا گھپ جو چیزیں دکھائی دیں اندر پہنچائیں۔ کیڑے پتنگے کا کھٹکا۔ سانپ بچھو کا ڈر اوپر سے دھواں دھار مینہ۔ ماجرہ کا ماچہ نواڑ ہی پلنگ اُٹھا کر جا رہی تھی بیچ میں تھا کھانچہ ٹھوکر جو لگی تو میں نیچے اور پلنگ اوپر رات تو خیر اس اندھیرے ہی میں جوں توں گزر گئی۔ صبح اُٹھکر دیکھتی ہوں تو نیا چلمن کا تھان شام ہی کا آیا ہوا۔ گیلا چوڑا رکھا ہے۔ ایک بی خدیجہ کی اتنی سی بے پروائی سے کہ بکس جہاں

سے اُٹھایا تھا وہاں نہ رکھا۔ تکلیف کی تکلیف ہوئی نقصان کا نقصان۔ جی جلا سو جدا۔ ایمان ہی تو سب کچھ ہے اتنا قصور میرا بھی ضرور ہے کہ سر پر برابر گھٹا چھائی ہوئی ہے اور سب چیزیں چھوڑ چھاڑ پڑ کر ڈھیر ہو گئیں میں نے تو اسی دن سے گرہ باندھ لی۔ چاہے اپنی چیز ہو یا پرائی۔ جہاں سے اُٹھانا وہیں رکھنا۔ اور ہر چیز کے واسطے ایک جگہ مقرر کر لی کہ پھر کبھی ایسی دقت نہ ہو۔

اوڑھنا بچھونا جھاڑو بہارو چیز بست ان چیزوں سے فرصت پا کر اب غسل خانے باورچی خانہ کا خیال کرو غسل خانے میں سب سے پہلی بات تو پانی کی احتیاط ہے کہ باہر جانے کا راستہ صاف ہو موری اٹی ہوئی نہ ہو، دانت صاف کرنے کے واسطے منجن منہ دھونے کے لئے صابن یا کھلی اُجلا تولیہ ثابت کنگھی۔ ٹھنڈا پانی ایک قلعی دار لوٹا ہر وقت موجود رہنا چاہیئے نہانے کے واسطے گرم پانی بہت مفید ہے مگر ٹھنڈا پانی سمونے کے واسطے تیار رہنا چاہیئے۔ یہ دقت تو نہ ہو گی کہ کپڑے اُتار لئے اب یا بیٹھے ماما کا انتظار کر رہی یا آپ جا کر پانی لاؤ۔ نہا چکنے کے بعد فوراً صاف تولیہ یا اور کسی کپڑے سے بدن پونچھ لینا چاہیئے۔ طرح طرح کا تیل ڈالنے سے آج دھوئی تلی۔ کل چنبیلی، پرسوں انگریزی سر چکٹ جاتا ہے۔ جاڑوں میں چنبیلی کا تیل ڈال کر دھوپ میں بیٹھنے سے فوراً سر چکٹتا ہے۔ اگر عادت نہ ہو تو صابن کے دھونے سے یعنی نہاتے ہی تیل ڈال کر سر گوندھ لینے سے بھی سر چکٹتا ہے۔ چکٹے ہوئے سر کو ریٹھے بہت مفید ہیں۔ آنولے اور گوند سے بھی نکھر جاتا ہے۔ بال بڑھانے کے واسطے یہ نسخہ اکسیر ہے۔ رات کو ماش کی دال دھو کر بھگو دو اور صبح تھوڑے سے بیری کے پتے ڈال کر پیس لو اور سر دھو لو۔ چالیس دن اس طرح کر کے دیکھو بال کہاں سے کہاں پہنچتے ہیں۔ یہ جو اکثر تیل ہوتی ہے زرد زرد، درختوں پر پڑی ہوئی اس سے سر دھونا بھی بالوں کو بہت بڑھاتا ہے۔ بالوں کا ذکر آ گیا تو ایک بات اور کہنی پڑی۔ میں نے اپنے ہی شہر اور اپنے ہی محلہ بلکہ یوں سمجھو اپنے ہی گھروں میں دیکھا ہے کہ بعض لڑکیاں دن بھر بکری کی طرح پان چباتی ہیں اور دانت سرخ بیر بہوٹی ہو جاتے

ہیں۔ بات کرنے میں ہنسنے میں بولنے میں کھانے میں وہ لال لال دانت بالکل ہی زہر معلوم ہوتے ہیں کیسی بدتمیزی کی بات ہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ سچھ طرح یہ کہ پان کا شوق تو اتنا اور دانت نہ مانجھیں دونوں برابر بیٹھ کر بات کریں تو منہ سے وہ بو آئے کہ الٰہی تیری پناہ۔ چاہیئے یہ کہ چاہے پان کھاؤ یا نہ کھاؤ۔ مگر صبح اٹھکر جہاں منہ ہاتھ دھوؤ۔ وہاں دانت بھی مانجھو یہ بھی کوئی منہ دھونے میں ہوتا ہوا کہ دو چھپکے مار اٹھ کھڑے ہوئے۔ او صاحب منہ دھل گیا۔ منجن اگر انگریزی بنا بنایا موجود ہو تو خیر ورنہ خود طیار کر لینا چاہیئے۔ یہ جو لن میں گودے کی ہڈی ہوتی ہے اسمیں کالی مرچیں بھر کر جلا لو۔ جل جائے تو آگ کہہ لو۔ اب ایک نیم کی ٹہنی لیکر اس کی پتیاں نوچ کر پھینک دو اور اس لکڑی کو آگ میں جلا کر کوئلہ کر لو ان کوئلوں کو اس جلی ہوئی ہڈی کے ساتھ ملا کر پیس لو منجن ہو گیا۔ دانت ایسے صاف ہوں جیسے چینی۔ بلکہ مرچوں سے تمام بادی بھی چھٹ جائیگی۔ یہ بڑی غلطی ہے کہ جو کوئلہ ہاتھ آگیا اس سے دانت مانجھ لئے بعض دفعہ ایسا کوئلہ ہوتا ہے کہ مسوڑوں میں درد ہو جاتا ہے جڑیں کمزور ہو جاتی ہیں یہ باورچیخانہ دیکھکر تو بیوی اللہ جانے میرے ہوش اڑ جاتے ہیں۔ باورچیخانہ ہے یا جھنڈ ونماتہ۔ ایک دفعہ موں جاں کے کوٹھے پر سے دیکھا تھا۔ عین میں وہی نقشہ معلوم ہو رہا ہے۔ چاروں طرف چیزیں تتر بتر پھیلی ہوئی ہیں۔ برتن بھانڈا۔ پیڑھی پیڑا چکنی چولہا سب ہی چیزیں تو ٹھسی ہوئی ہیں اور تو اور کھانا پک اور کھانیوں کو بھی یہی جگہ رہ گئی تھی ذرا دیکھو تو سہی پتیلیاں پچکی طشتریاں ٹوٹی۔ کونڈے میں دڑار توے میں چھید ہماری سمجھ میں تو کچھ بھید آتا نہیں بیٹی یہ صراحی میں چنے کی دال؟ یوں کہو سب چیزوں کی دال ڈال رکھی ہے بے پیندی کی گھڑیا بے ٹونٹی کا لوٹا بے گلے کی پتیلی۔ اللہ رکھے سب ہی کچھ موجود ہے۔ یہ چوطے کن قرنوں کے ہیں پیپے شیشے ثابت نہ ٹھیک۔ بہٹیارے کا تندور بھی اچھا ہوگا۔ زینب بچاری اگر سچ پوچھو تو ٹکے کی مزدور ہے۔ صد بیاں کرتی اور پیٹ بھر یا۔ اسلئے نہیں ملتے نہیں۔ آگئی تو روزی ہی نہیں تو روزہ۔ کل صبح کو میں جا نکلی بیٹھی رو رہی بیچاری تھی

ڈھنگ کا چولھا۔ اپا پتا۔ قرینے کے برتن۔ دھلے دھلائے۔ یہ اندھیر تھوڑی ہی ہے۔ عزت والوں کا
گھر روپیہ کی جگہ روپیہ پیسہ کی جگہ پیسہ اور یہ گت کہ دیگچی رشتی کڑاہی میں اُپلے کرچھے میں
کرسیاں۔ بے ڈھنگی کی حد بے تمیزی کی انتہا۔ ماما آزاد بیوی برباد۔ روک نہ ٹوک کہنا نہ سننا
چلو چھٹی ہوئی ماما یہ کچھ بیوی وہ کچھ۔ بڑی بی بیچاری اس قابل نہیں کرے کس کی جوتی پٹنے کس کا
صدقہ۔ ماشاءاللہ اتنی آمدنی، اور غضب خدا کا مٹی کی بدنی ٹین کا ٹام لیٹ۔ بیٹی! عورت کی عزت
اس کا سلیقہ ہے۔ ہنر نہیں تو لاکھ کا گھر خاک لمحہ بھر کا کام ہے۔ ماما نہیں تو آپ ہی دو ایک ہاتھ
پھیر لیے۔ یہ بھنکار تو نہ رہیگی۔ کوئی بڑی بات نہیں کھانے سے فراغت پائی اور اپنے سامنے
سارے برتن دھلوا منجھوا چوکی پر یا کوٹھری میں کانس پر یا ٹوکری میں قرینے سے رکھوا دیئے۔
بس اتنا سا کام ہی لو سگھڑاپا ہو گیا۔ برتن کے برتن ٹھیک ہو گئے۔ کام کا کام بن گیا ہفتہ میں
ایک دفعہ قلعی کروا لی۔ اُجلے کے اُجلے صاف کے صاف۔ اُپلے یا لکڑیاں اندازہ سے ضرورت کے
موافق نکالیں۔ جو بچی وہ کہدیں۔ باورچی خانہ نعمت خانہ ہے۔ ایندھن خانہ نہیں۔ کڑاہی کھچا
پھکنی دست پناہ۔ کام ہو چکا کونہ میں کہدیا۔ پھر دیکھو کیسا صاف باورچی خانہ ہوتا ہے۔
جہاں جھاڑو دلی اور چندن ہوا۔ ہاں اتنی احتیاط ضرور چاہیئے کہ کیچڑ نہ ہو دھوون وغیرہ
جتنا پانی ہے موری پر ڈالو۔ باورچی خانہ کے آگے ڈالنا بہت ہی بدتمیزی ہے۔ جونا یعنی برتن
صاف کرنے کے واسطے رسی کا ٹکڑا روز تبدیل کر لینا چاہیئے۔ اگر ممکن ہو تو مہینے دوسرے
مہینے باورچیخانہ میں سفیدی کروا دینی بہت اچھی ہے۔ برتنوں کی قلعی میں بے پروائی کرنے
سے بڑا نقصان ہوتا ہے کسیاوسے کھانا بالکل خراب ہو جاتا ہے۔ نقصان کا نقصان ذلت
کی ذلت عقلمند لڑکیاں برسات کے آنے سے پہلے ایندھن بھروا لیتی ہیں تاکہ گیلی لکڑیاں
اور سیلے اپلوں کی پھوں پھوں سے بچیں۔ ایک اور پھوہڑپن تو میں نے قریب قریب سب ہی
لڑکیوں میں دیکھا ہے کپڑا رنگنے اٹھیں اور جس برتن میں چاہا رنگ لیا۔ اس وقت تو کام
نکل جاتا ہے مگر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دھو لینے سے برتن صاف ہو گیا لیکن اس کا اثر موجود

رہا جو چیز اس میں رکھی وہ کڑوی جو نکالی وہ خراب ور سُنو ضرورت کے وقت رغن داغ
یا کر چھانہ ملا کٹورا طشتری جو چیز سامنے آئی لے لی اور آگ پر رکھدی۔ چار دن کا میلا ہوتا
برتن گھڑی بھر میں کالا سیاہ ہو گیا تم سمجھے چاہو کنجوس کہو یا سوم مجھکو تو یہ بھی برا معلوم ہوتا
ہے کہ آگ ہر دہر جل رہی ہو اور چولھے پر کچھ نہیں ایک وجھینا یوں ہی غارت ہوا کچھ نہو
تو پانی کی گھڑیا ہی رکھدو۔ گرم پانی کسی نہ کسی کام آہی جائیگا۔ ایک بات میں کہنی بھول
گئی۔ مامائیں برتن مانجھنے میں بڑی بے پروائی کرتی ہیں بیٹیوں کو چاہیئے کہ آپ اچھی طرح دیکھہ
بھال لیا کریں پتیلی کا پیندا اگر اچھا نہ دھلا ہو تو سالن کالا ہو جائیگا۔ اگرچہ دیکھا تو نہیں
مگر سنا ہو کہ بہتیری لڑکیاں ایسی منحوس ہوتی ہیں کہ جلتے چولھے میں سے آگ دینی نہیں بہت ہی بُری
معلوم ہوتی ہو۔ ایسی کمبختوں کو کیا کہوں اس سے زیادہ نالائقی اور کیا ہو سکتی ہو جن کو
مذہب یہ حکم دے کہ حاجتمندوں کو ہر طرح سے مدد دو اور اُنکے وقت پر کام آؤ۔ اُن کا
یہ سلوک کیسے افسوس کی بات اور شرم کی جگہ ہو۔ اللہ کا شکر ہو ایک چھوڑ دو دو مامائیں
موجود ہیں مگر یقین کرنا کہ چاہے کھانے کو دیر ہو جائے جب تک باورچی خانہ صاف ستھرا
نہ ہو میں تو ایسے وقت تک پکانا ریندھنا گناہ سمجھتی ہوں۔ کچھ دلی ہی پر موقوف نہیں
میں نے تو سب ہی جگہ دیکھا ہو کہ جہاں کوئی غیر عورت آئی کواری بیٹی اُٹھی اور چھپ گئی
گئیں ایک بات پوچھتی ہوں شکل و صورت کے سوا باقی تمام عادتیں ہنر سلیقہ ڈھنگ انتظام
تو گھر کی صورت دیکھکر معلوم ہو جاتا ہو۔ مزاج تو معلوم ہو ہی گیا صورت نہ دیکھی تو نہ سہی یہ سب
جانتے ہیں کہ ماؤں کو چھوٹے بچوں ہی کی خدمت سے اتنی فرصت نہیں کہ وہ گھر کے کاموں
کو دیکھیں جب سیانی لڑکی موجود ہو تو بھلائی برائی سب کی ذمہ دار وہ ہو

بیوی ہو! تم کہوگی تو سہی کہ استانی اچھی کم بخت آئی کہ کان کے کیڑے ہی کھائے
مگر کیا کروں منہ پر آئی رُکتی نہیں اب شروع کیا ہو تو پھر کیوں چھوڑوں باورچی خانہ کا حال تو
سُن لیا اب پانی جو زندگی قائم رکھنے کے واسطے ایک ضروری چیز ہو اسکی کیفیت بھی سُنو

اگر اس کی طرف اچھی طرح توجہ نہ ہوئی تو زندگی کو بہت نقصان پہنچتا ہے۔ ذرا سی بے احتیاطی
میں کیڑے پڑ جاتے ہیں جو پینے میں تو خیر گھناونے ہی معلوم ہوتے ہیں مگر پیٹ میں پہنچکر طرح
طرح کی بیماریاں پیدا کر دیتے ہیں دیکھو نہ۔ گھڑونچی ٹوٹی مٹکے میلے چپنیاں ندارد۔ اس پانی سے
اول تو پینے والے ہی کی طبیعت کو کراہیت معلوم ہوتی ہے۔ دوسرے مٹکا کھلا رہنے سے کیڑے
مکوڑے مچھر پتنگے جا پڑتے ہیں۔ رات کے وقت اگر پانی پینے والا بھی ایسا ہی سا ہوا تو سب
پیٹ کے اندر سب سے بڑے افسوس کی بات یہ ہے کہ گھر کا پانی ایسی حالت میں ہو کہ آنے جانے
والے کا جی پینے کو نہ چاہے۔ سمجھیرے لیکن اگر گھڑونچی کچھ زیادہ قیمتی چیزیں نہیں برس میں
دو دفعہ بھی بدل لو یا صاف کر لو تو ایسا خرچ نہ ایسی محنت۔ مٹکے بدلنے کو اگرچہ پیسے بھی میسر
نہ ہوں تو دھیلے کا گیرو پھیر لینے سے مٹکوں کی صورت ہی کچھ اور نکل آتی ہے۔ چپنیاں کاٹ
کی نہیں تو مٹی ہی کی سہی۔ پانی تو ڈھکا رہیگا بہت سی بیماریاں صرف پانی کی وجہ سے
پیدا ہوتی ہیں۔ اگر احتیاط کی جائے اور پانی روزمرہ چھان کر صاف کیا جائے تو تندرستی
کو بہت مفید ہے۔ پانی صاف کرنے کی یوں تو بہت سی ترکیبیں ہیں مگر سب سے اچھی تدبیر یہ ہے
کہ تین گھڑے لیکر دو کے پیندوں میں چھید کر لو۔ اور پہلے دوسرے یعنی چھید والے گھڑوں
میں اچھے صاف شفاف کپڑے کی تہی لگا لو اور ان ہی دو میں تھوڑا سا دریا کا ریت
ڈالدو اور پہلے گھڑے میں پانی بھر کر تینوں گھڑے اوپر نیچے اس طرح رکھو کہ پانی ٹپک
ٹپک کر گرتا جائے۔ اس ترکیب سے رس رس کر پانی تیسرے گھڑے میں صاف بھی ہوگا اور
ٹھنڈا بھی ہوگا۔ بعض لڑکیوں کو پانی کا بہت دھیان ہوتا ہے۔ جہاں سقہ کے آنے
کا وقت ہوا اور انہوں نے باسی پانی چھان کر الگ کیا اور مٹکے خالی کر دئے تاکہ
تازہ باسی ایک نہ ہو جائے۔ جس کو تازہ پینا ہو تازہ پیا۔ باسی پینا ہو باسی پیا۔ اگر
پانی کی احتیاط نہ ہو اور کوئی طراپی آنکلا اور اس نے باسی پانی مانگا تو اللہ کا نام تازہ
حوالے کیا۔ اس نے منہ میں لیتے ہی کلی کر دی۔ اگر غیرت ہو تو چلو بھر پانی میں ڈوب مرے

کہ گھر میں پانی بھی ڈھنگ کا نہیں۔ پانی پلانے میں بڑی ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ یہ نہیں
کہ اندھے پینے سے آگے لاکھڑے ہوگئے۔ پہلے یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ کچھ پڑا تو نہیں ہے۔ خاصکر
رات کے وقت ضرور روشنی میں دیکھکر پلانا چاہیئے۔ مٹکوں کے انتظام میں اتنی احتیاط اور
ضرور ہے کہ بچوں کا مٹکا اُن کے پانی پینے کا برتن الگ ہو۔ کیونکہ وہ دن بھر مٹی کیچڑ میں کھیلتے
پھرتے ہیں اُنکے ہاتھوں کا اعتبار نہیں ہوتا اور جس طرح تمکو اوروں کے ہاں جاکر بچوں کے ہاتھ
لگانے پر پانی سے کراہیت ہوتی ہے۔ اسی طرح دوسروں کو تمہارے ہاں دیکھکر ہوگی۔ کٹورا
آبخورا۔ ڈونگیا۔ سب برتن قلعی دار ہونے چاہئیں۔ کم سے کم دو برتن ایک بھرنے کا ایک
پینے کا ہر وقت مٹکے پر ضرور رہوں۔ بہت برا معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی برتن غڑپ غڑپ
ڈالا اور اسی سے پانی پی لیا۔ صراحی یا گھڑے کے منہ پر اُجلا سفید مہین کپڑا باندھنا بہت
اچھا ہے۔ پانی چھن چھن کر نکلتا ہے۔ گرمی میں باسی پانی ہر گھر میں ہر وقت موجود رہنا چاہیئے
مٹکوں کے پاس کیچڑ کا ہونا بھی بدتمیزی ہے۔ ایک علٰحدہ برتن گھڑونچی کے پاس اس غرض
سے رکھنا لازم ہے کہ بچا ہوا پانی اس میں ڈالتے جائیں اور دونوں وقت وہ پانی موری پر
پھینکدیا جائے۔ پانی کے پاس کیچڑ کرنا جان بوجھکر بیماری پیدا کرنا ہے۔

بیٹی بتو، میری باتیں تو تم کو زہر لگ رہی ہونگی، اور دل میں کہہ رہی ہوگی بس چلے تو
اُستانی نامراد کا منہ نوچ لوں کہ گھر چڑھ کر لڑنے آئی اور ڈولی چڑھ کر باتیں بنا گئی۔ مگر بیٹی
یہ تو سوچو مجھے کے رکعت کا فائدہ۔ گھر بگڑا تو تمہارا۔ نقصان ہوا تو تمہارا۔ کچھ نہیں تو تم بدنام
ہوئیں تو تم۔ میں بیچاری لینے میں نہ دینے میں چلتی چلاتی پھرتی پھراتی آئی۔ گھڑی بھر بیٹھ گئی۔
جی جلا مگر کہا چلی۔ مانو نہ مانو سنو نہ سُنو تم جانو۔ تمہارا کام۔ کیا کروں۔ نواب صاحب کے ہاں
جانا ہے۔ نہیں تو کہتی اور پیٹ بھر کہتی۔ بگڑو گی تو بگڑا کرو۔ ایک تعریف تمہاری اور بھی
سُنی ہے۔ سچ ہو یا جھوٹ مگر اب تو لب گئی۔ کیوں ایسے کو تاک کئے جو کسی نے کہا۔ جھوٹ
کیوں ہونے لگا سب گتون پوری کوئی نہ کہو لنڈوری۔ ماشاءاللہ قرض پر دل شیر ہے بیٹی بات

تو جب ہی ہی کہ کوئی کسر نہ رہجائے۔ خدا نہ کرے کہ کسی لڑکی کو یہ لپکا پڑے۔ نہ یہ عادت
چھٹنے والی نہ گھر پنپنے والا۔ بڑی بوڑہیوں سے سنا کرتے تھے بھیک مانگنا اچھا اور
قرض لینا برا۔ جو دیکہا تو سچ ہی۔ لینا ہی ٹہرا تو قرض کے نام سے کیوں لو جو دینے کا فکر ہی
بھیک ہی نہ مانگ لو جو تقاضے کا کہٹکا بھی جائے۔ یاد رکہو سمجھدار آدمی اول تو قرض ہی
نہیں دیتے اور اگر ایسی ہی مجبوری آپڑتی ہی تو یہ سمجھکر دیتے ہیں کہ وصول ہو چکا۔ بیٹی ذرا انصاف
کرو جب دینے والے نے یہ سمجھکر دیا تو بھیک ہوئی تو کیا ہوئی۔ عقل سے کام لو۔ ایسی بے
غیرتی بھی کس کام کی۔ جیسے دو ہاتھ پاؤں تمہارے ایسے دوسرے کے۔ اس غریب نے کسی نہ کسی طرح
محنت مشقت سے کمایا۔ جفا کفا سے بچایا اور ہم لینے کو تیار۔ اس کی تو گاڑہے پسینے
کی کمائی اور ہم نے مفت اُڑائی۔ دکہہ بھریں بی فاختہ اور کوے میوے کہائیں۔ ہم کو
قرض مانگنے کا کیا حق حاصل ہی۔ جس طرح کسی امیر کے ساتھ نالائق مصاحب لگ جاتے
ہیں کہ دہوکا دیکر اپنا پیٹ بھریں۔ جس طرح کسی رئیس کے پیچھے شہدے چمٹ جائیں کہ چند ہی
روز میں ریاست کو خاک میں ملا دیں۔ جس طرح پشمین کپڑے کو کیڑا لکڑی کو گھن کڑیوں کو
دیمک لگ جائے۔ اسی طرح آدمی کو قرض لگ جاتا ہی۔ لاکھوں کی آمدنی کیوں نہ ہو مگر
قرض کے پیچھے سب خاک ہی۔ بڑوں کی مثل ہی بیٹھیوں والا گہرا اور چلنوں والا چولہا کبھی پنپتا
نہیں۔ میں کہتی ہوں قرض والی آمدنی بھی نہ کبھی پنپی ہی نہ پنپے گی۔ بھیک مانگ لے فاقہ
کرلے مگر قرض نہ لے۔ جس نے قرض لیکر تلڑ بھر جانا بس دنیا بھر کی مصیبتیں اس پر آگئیں
غیرت حمیت حرمت سب گئی گزری ہوگی۔ لین دار ہزاروں باتیں سنا رہا ہی اور کان دبائے
سُن رہی ہیں۔ نواب مظفر کی سگی بھانجی نوشابہ کا حال سُنا ہی۔ اسی قرض کے ہاتھوں وہ مٹی
پلید ہوئی کہ خدا دشمن کی نہ کرے۔ سردار کی بھتیجی۔ اتنے بڑے باپ کی بیٹی۔ چھ سات گاؤں کی
تعلقہ دار مگر قرض کا مرض ایسا لگا کہ بالکل ہی تہس نہس کر دیا۔ ریاست داری امیری سب گئی گزری
ہوئی۔ بھر بھر جھولی اشرفیاں ادہر بہر بہر بہنگی روپے اِدھر آئے ادہر دہر ختم۔ دونوں فصلوں کی لیں

روپے آنے کی دیر تھی گھر میں پہنچا اور اندر باہر تقاضہ گیر موجود۔ بی نوشابہ پلنگ پر بیٹھی تھیلیاں
آگے عیدو آ کو لیجا وکر یہ آڈ لیجاؤ۔ شام تک پوری بٹ گئی۔ روپیہ کیا ریوڑیاں تھیں کہ تین چار
گھنٹوں میں ختم ہو گئیں ایسی ہی کوئی بہا گوان فصل یا مبارک دن ہوتا ہوگا کہ بٹ بٹا کر سو پچاس
روپے بچتے ہوں گے۔ ورنہ ہاتھ جھاڑ کر اٹھتی تھی۔ اب اکٹھے چھ مہینے اور بی نوشابہ ایک
ایک کی خوشامد کر رہی ہیں۔ اتنی بڑی آدمی اور ٹکے ٹکے کے آدمیوں کے آگے ہاتھ پھیلانا
کوئی جھڑک رہا ہے کوئی گھرک رہا ہے مگر اس اللہ کی بندی کے کان پر جوں نہیں چلتی۔ نو سو کی
بندی کے ٹنڈ پر لکھی اس کو کہتے ہیں۔ گرہ کا دینا اور جوتیاں کھانی کیسی بے غیرتی اور کس قدر
بے حمیتی کہ خدا بچائے۔ اس آمدنی کو دیکھو اور ان ڈھنگوں پر غور کرو۔ آج تیلی چلی۔ کل لوٹا گیا
پرسوں کٹورا گیا۔ طباق پر آ بنا آیا۔ طشتری بکی تو کبھی کڑا۔ صبح سے دوپہر تک ایک ایک کی منت
کی ایک ایک کی خوشامد۔ مل گیا تو خیر نہیں تو جو چیز نظر پڑی وہی بنئے کے ہاں۔ غرض اسی بلوں
بلوں میں چھ مہینے گزرے۔ ہاتھ میں کڑا نہ پاؤں میں کڑا نہ گلے کان سونٹا سے ہاتھ گہنے کے نام چاندی
کا تار نہیں۔ فصل کا وقت ہوا اور قرضخواہوں کی صورتیں دکھائی دینی شروع ہوئیں۔ آخر یہ
سب گاؤں اور جائداد گروی ہوئی۔ آمدنی تو پہلے ہی جیسی تھی ظاہر ہے۔ سود نکلتا تو کہاں
سے تھوڑے دنوں تو خوب اللے تللے ہوئے۔ روپیہ کیا ٹھیکریاں تھیں۔ برس کے اندر ہی تیس
چالیس ہزار روپیہ ختم ہو گیا۔ ساہوکار ایک ستھرا آدمی۔ ڈیڑھ برس ڈیڑھ برس گھنی سادی کہ گویا کچھ
واسطہ ہی نہ تھا۔ اور پھر تو دروازہ کی مٹی لے ڈالی۔ سود در سود دو کے چار اور چار کے آٹھ
مجھے تو اچھی طرح یاد بھی نہیں۔ سوائے ڈیوڑھے کر کراہٹ نالش داغ دی۔ یہاں کیا دھرا تھا۔
سینکڑوں ہزاروں کی جائداد باپ دادا کی نشانی کوڑیوں کے مول نکل گئی۔ کبھی بڑی خالہ
کے یہاں جاؤ تو کنوئیں کے سامنے کی حویلی دیکھنا یہی مکان ہے جس کے دروازے پر ہاتھی جھومتے
تھے آج پردہ بھی نہیں۔ سب کچھ نکل گیا۔ ایک بیری کی الا گھر رہ گیا اب چار روپیہ کا کرایہ چاہو اور مو
چاہیے پھپا دو۔ کال کے دن پونے آٹھ سیر کے گیہوں چار روپے کے دن کے۔ سالن تو الگ رہا

روکھے آٹے کے پھنکے اور سوکھی روٹی کے ٹکڑے بھی پیٹ میں پڑ جائیں تو بہت! اللہ کی شان نظر آتی ہے۔ جہاں یہ کچھ ریل پیل تھی اب جلانے کا تیل بھی نصیب نہیں۔ اگلے جمعہ کو ملنے گئی تھی۔ نوشابہ جیسی بیگم جس کے پاس بھول کر بھی غم نہ پھٹکتا تھا۔ ماما اصیلیں اور لونڈیاں اور چھوکریاں قدموں کے نیچے آنکھیں بچھاتی تھیں اور سرکار سرکار کہتے منہ خشک ہوتا تھا۔ اب اس حال میں تھی کہ ٹوپی والا کھڑا دروازے پر کہہ رہا تھا۔ دو نگوڑیاں کل دوپہر تک کر دو تو لے لو۔ اگلی ٹوپیوں میں جھومر والی بیلیں تم نے بالکل ہی ناس کر دیں۔ وہ پانچوں پیسے کاٹ کر سوا تین آنے نکلتے ہیں لیتی ہو لو نہیں لیتیں تو لو۔ اللہ اللہ یہ وہی پشتوں کی امیر زادی ہے جس کی دادی گھر بیٹھے آدھے رسول آباد پر حکومت کرتی تھیں اور سلطان حسین آباد پر راج تھا۔ اسی دادی کی پوتی موئے سڑے ہوئے ٹوپی والے کے آگے ادھی ادھی پر ہاتھ پھیلاتی ہے خدا جانتا ہے میرے تو آنسو نکل پڑے۔ ننگے سر ننگے پاؤں۔ کرتہ چکٹ۔ دوپٹہ ہارے پاجامہ لیریاں۔ کواڑ کے پیچھے کھڑی پانچ پیسوں کے لئے بلک رہی تھی۔ میں تو جا کر بھی پچھتائی مجھے کیا خبر تھی کہ ایک پانچ ہی برس میں اس کی یہ گت ہو جائے گی۔ میرے چلتے وقت گو وہ بات نہ رہی تھی مگر پھر بھی یہ ہڈرا تو نہ تھا۔ کیا سے کیا ہو گیا۔ جن ہاتھوں سے سینکڑوں ہزاروں اٹھائے آج وہ دو دو دانوں کو محتاج ہیں۔ چلن سے چلتی تو عمر بھر لالوں کی لال بنی رہتی چار کو کھلا کر کھاتی۔ فقط اس قرض کے کارن سب کچھ جا لینے لگ گیا۔ اب کوئی دو کوڑی کو بھی نہیں پوچھتا۔ جس کو لاکھ کا گھر خاک کرنا ہو وہ قرض کی عادت ڈالے اللہ نہ کرے کہ کسی لڑکی میں یہ عیب پیدا ہو۔ جب کسی لڑکی کو دیکھو قرض مانگ رہی ہے بس سمجھ لو کہ اس کی زندگی برباد ہو گئی۔ لو بیوی اللہ بیلی۔ بس میں اب جاتی ہوں۔

سنجیدہ، نسیمہ، استانی جی تینوں گھر آئیں تو ڈولی سے اترتے ہی استانی جی نے کہا لو سنجیدہ، خدا کی قسم ایک ہو تو وہ ہوں جس چیز کو دیکھتی تھی بے کینڈے۔ گھر تو گھر دیوار پا کھوں تک بدتمیزی برس رہی ہے۔ تمہارے سر کی قسم میں نے تو بہت لحاظ کیا نہیں ایسا ٹھیک

بتاتی کہ مزہ آجاتا۔ کہنے میں تو میں نے اب بھی کسر نہیں کی مگر پھر بھی بہت سی باتیں رہ گئیں۔ اتنا
میں تم سے کہے دیتی ہوں اور میری آج کی بات یاد رکھنا۔ چاہو یہ ٹھیک ہو جائے سو یہ ٹھیک ہونیوالی
لڑکی نہیں مگر یہ سب ٹہلکوسلے میاں کی زندگی تک ہیں۔ بڑھیا کی آنکھیں بند ہوئیں اور کوڑی کے تین۔
لڑکی کیا مٹی کا تھوا یا آٹے کی اپاہج۔ کسی کام ہی کی نہیں۔ بی نتھی کی ماں جو بہت بڑھ بڑھ کر بولا کرتی
تھیں۔ میں اتنی ہی دیر میں انکی چوری بھی پکڑ آئی تمکو خاک بھی خبر نہیں اور میں ایک ہی نگاہ میں
تاڑ گئی۔ سچ پوچھتی ہو تو ماما بیچاری کا کیا قصور۔ سر پر آنکس ہی نہیں تو کیا کرے۔ تم نے یہ بے عرقی
کبھی بکھی۔ میں نے اتنا کچھ کہا لڑکی کے کان پر جوں بھی چلی کیسی آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر بیٹھی ہی کوئی
اور دوال ہوتی تو شکل نہ دکھاتی۔ لیکن یہ اللہ کسی پر بری نہ بنائے یا اپاہج بیٹی بے ڈھنگی ماماؤں کے
ہاتھ میں پڑا گھر جو کچھ ہو سب ٹھیک ہی کیا ہے۔ آگے چلکر دیکھنا جو اس کمبخت کے ہاتھ میں بھیک کا
پیالہ نہ ہو تو نام پلٹ ڈالنا۔ صورت سیرت فی الیان سونے جھونے والیاں ہاتھ پاؤں نہ ہلائیں
تو ان کو تو کوئی بھرتا نہیں اس آخر کی کی بھرتی کو کون بھریگا۔ کام کی وہ نہیں کاج کی وہ نہیں
دن بھر بیٹھے دیکھے جاؤ۔ دو دفعہ تم نے پانی مانگا اگر آپ اٹھکر پلا دیتی تو کیا ٹنا ان کو بٹہ لگ جاتا۔
وہی کہاوت ہے آمار لی منہ کی لوئی تو کیا کریگا کوئی۔ جب بے غیرتی ہی پر کمر باندھی ہو تو پھر کیا علاج
اپنے منہ سے بکو مغز کھپاؤ جی جلاؤ اس کے بھاویں کبھی نہیں اتنی بھی تو پرواہ نہ تھی کہ یہ بک کیا
رہی ہے اور کہہ کسکو رہی ہے۔ مجھے تو ڈر یہ ہے کہیں خالہ برا مان گئی ہوں اسوقت تو جو منہ میں آیا کہہ گئی
مگر جب سے اتری ہوں یہی خیال چلا آتا ہے۔ بھلا بوا ایس کون پرائے شگون کے واسطے اپنی ناک کٹائی
لینے میں نہ دینے میں واسطہ غرض وہ مثل اصل ہو گئی۔ بہنی تم کون کہ خواہ مخواہ پھوہڑ ہو گی
تو میرا کیا لیگی۔ اور سگھڑ ہو گی تو مجھے کیا بخشدیگی۔ اچھی ہے تو ان کی بری ہے تو انکی۔ برا مانو
یا بھلا تم نے کیا۔ آپ تو اچھی رہیں اور مجھے جھنڈے پر چڑھوا دیا۔

(۴۲)

کارخانہ قدرت کے انتظام انوکھے اور نرالے ہیں ہزاروں لاکھوں خدا کی بندیاں اچھی بری

سگھڑ پھوہڑ۔ کاڑی کھدری۔ لنگڑی لولی صبح شام کہیں چلی جا رہی ہیں۔ میکے میں تھیں تو پیلے ڈورے سسرال پہنچیں تو کا چوبی جوڑے۔ یہاں دُر دُر، پھٹ پھٹ، اجیرن بال بال عزت وقعت لالوں کی لال، روپ کی روئے کرم کی کھائے، ماں باپوں کی بیٹیاں خوشنوں کا حسن انکے گن اور بدشکلوں کی شکل اُن کا سلیقہ گھڑی کی بیل اور لڑکی کی بیل گھنٹوں بڑھے گھڑیوں پڑھے۔ کل کی بات ہے بی منجھلی کی نالائقیوں کا جھینکنا تھا آج اُن کے بر کی تلاش ہے۔ ڈیل کچھ کا کچھ ہوا۔ اُٹھان کہیں کا کہیں پہنچا۔ ماں بیچاری دن رات اسی فکر میں گھلی جاتی تھی کہ کسی طرح اس کے دو بول ہو جائیں۔ مسجد کی مٹھائی بڑے پیر کی گیارہویں حسن حسین جو کچھ سمجھ میں آیا سب ہی کچھ کیا۔ برس سوا برس تک اسی چکر میں پڑی رہی کہ جن ڈھونڈ بیاں اُن پائیاں۔ یہ خوش نصیبی ماں کی سمجھو یا بیٹی کی بیچ والیوں کے پرتے پہنے نہ آنے جانے والوں کی جوتیاں ٹوٹیں۔ ہونے والا کام اور بننے والی بات غیب سے ایک ایسا سامان ہو گیا کہ ہلدی لگی نہ پھٹکری اور منجھلی بیگم خاصے دھوم دھڑکے سے سسرال جا پہنچیں۔ نہر کا ضلعدار دریا پار سے بدلکر آیا۔ بیوی مر چکی تھی بچہ کوئی تھا نہیں۔ ڈیڑھ سو روپیہ کا تنخواہ دار ذات کا سید مزاج کا اچھا۔ بات ٹھہرنے کی دیر تھی جھٹ منگنی پٹ بیاہ ہو گیا۔ ضلعدار غریب نے چاہے یہ سمجھو کہ ارمان نکل گیا تھا یا یہ کہو کہ سمجھدار آدمی تھا ایک دفعہ نہیں تین تین اور چار چار دفعہ کہلا بھی بھیجا اور لکھ بھی بھیجا کہ دلی والوں کی طرح لنگوٹی میں پھاگ کھیلنا۔ چادر دیکھکر پاؤں پھیلانا۔ بیسیوں جوڑے سینکڑوں برتن منوں کاٹ کباڑ۔ حاصل ہیچ حاصل دنیا۔ ہم لوگوں کی حالت اس قابل نہیں کہ روپیہ یوں ضائع کریں۔ یہ کس خدا نے بتایا ہے کہ ایک بیٹی کا بیاہ کرنے اُٹھے اور عمر بھر کے واسطے قرضدار ہو گئے۔ پھر ستم یہ کہ صرف بھی کیا تو ایسے فضول کاموں میں کہ نہ ضرورت نہ حاجت۔ یہی کہاوت ہے جیب چلی نہ سودا آیا۔ مجھ سے پوچھو تو کنوئیں میں پھینک دینا ہے۔ خدارا ان لغو باتوں سے بہت بچئے گا۔ جو کچھ بھی کیجئے حیثیت کے موافق اور آمدنی کے لائق۔ نام نمود کی پروا

آپ کچھ ہو تو ہو میری طرف سے تو اطمینان رکھیئے۔ میں تو فقط گھر آباد کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ کا دیا میرے پاس سب کچھ موجود ہے۔ پھوپھی کا تو منشا تھا کہ چپ چپاتے نکاح کر بھتیجی کو رخصت کر دے مگر ادھر تو بھاوج ادھر خود بھتیجی دونوں ماں بیٹیوں کے دماغ ساتویں آسمان پر تھے۔ سنجیدہ کے منہ سے بات نکال کر چوک گئی۔ بھتیجی جو منہ پھلا کر پڑی تو سانسے ہی گرنے زور لگا لیا مگر وہ اللہ کی بندی منجھلی کیا ماننے اور ٹھنڈے والی تھی۔ بیٹی کی یہ کیفیت ماں کا یہ حال کہ نند سے اتنا سنتے ہی لگی رو رو کر کہنے، بھلا میں تو نجیبہ سے گری پڑی گھڑی سیلنے کھوڑی ہی آئیگی۔ غضب خدا کا پالکی کے پیچھے دس برتن بھی نہ ہوں۔ بڑی کو تو دس ہزار کا جہیز اور اس کو خاک بھی نہیں۔ آخر جس پیٹ کی وہ تھی اسی کی یہ بھی تو آپا پیچھے تو دونوں آنکھیں برابر ہیں خلق کا حلق کون بند کریگا۔ دیکھنے والے تو کہیں ہی گے۔ جس محفل میں جائیگی جوتیاں پڑیں گی۔

قیاس چاہتا ہے کہ اگر ماں کا بس چلتا تو وہ اپنا تو اپنا محلہ والوں تک کا اسباب بیٹی کے جہیز میں دیتی اور بی منجھلی بیگم کا اختیار ہوتا تو کپڑا لتہ تو درکنار رہنے کی حویلی تک کا قبالہ ساتھ لیجاتیں۔ مگر میر صاحب نے کیا غصہ سنجیدہ ہوئی الگ نکلا گٹے دونوں ماں بیٹیوں کے ارمان دل کے دل ہی میں رہے لیکن منجھلی کیا چوکنے والی بشر تھیں۔ بھائی بہن کی صلاح کا رنگ دیکھکر اس نے نکاح سے ہفتہ بھر پہلے کھانا پینا چھوڑ وہ رو رو کر خون کیا کہ سب ہی نے سمجھایا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ ماں بیاں اور نند کے ڈر سے دل کھولکر تو کچھ نہ کر سکی مگر آرہے پاؤ اونے پونے ادھر ادھر سے کتر بیونت کر کرا کر چھ سو روپے کی قرضدار ہو ہی گئی۔ غرض خدا خدا کر کے بی منجھلی بیگم ماں کو سدا کے واسطے سود کی لپیٹ میں ڈال اپنے گھر روانہ ہوئیں۔ چاروں چاند ماں اور خالہ نانی اور پھوپی کیے ہوئے۔ چوتھا چالہ پھوپھی کا تھا اور سب کی آنکھیں اسی طرف لگی ہوئی تھیں۔ نسیمہ جیسی بیٹی کا کام اور سنجیدہ جیسی پھوپی کا انتظام جو کچھ ہوتا وہ تھوڑا۔ ایمان کی بات یہ ہے کہ پھوپھی بھتیجیوں کے سلیقہ اور کام نے غضب ہی کی دھوم دھام کر دی۔ اور دسترخوان پر وہ کھانے چن دیئے کہ اچھے

اچھے باورچیوں کو پرے بٹھا دیا۔ دو تین چیزیں تو ایسی پکائیں کہ جس نے کھائیں انگلیاں چاٹتے لگا۔ ضلعدار صاحب کی پھوپی زاد بہن تو یہ رنگ ڈھنگ دیکھکر بالکل ہی لوٹ پوٹ ہو گئیں۔ دونوں طرف میز پر بجلی کے لیمپ دہڑ دہڑ جل رہے تھے۔ چھت پر دائیں بائیں دو پنکھے میزوں کے بیچ میں اُجلا صاف شفاف دسترخوان آدہ آدہ گز کے فاصلہ پر ایک ایک گلاس بڑی سی قعب میں سالن ایک میں چاول دونوں پر چمچے رکھے خالی طشتریاں موجود جس کو جتنی ضرورت ہوئی نکال لیا۔ باہر صحن میں مامائیں کندہوں پر تولئے۔ ہاتھوں میں لوٹے لئے کھڑی تھیں بیویاں ہاتھ دہو دہو دسترخوان پر آکر بیٹھیں تو ماماؤں نے اُجلا براق تولئے کی شکل کا کپڑا سب کے آگے ایک ایک رکھدیا کہ گردن میں لگالیں۔ تاکہ کپڑے داغ دہبے سے خراب نہ ہوں۔ شادی بیاہ کے موقعوں پر اکثر دیکھا ہے۔ چلتا ہاتھ لگا اور تمام پانی میں تر ہو کر پڑ گئے۔ کھانے کے علاوہ ایسا پانی پیتے ہی کھانسی ہو جاتی ہے۔ سنجیدہ نے خوب کیا کہ ہر بیوی کے لئے پانی کی ذمہ دار۔ ایک ایک صراحی گلاس سب کے آگے۔

(۲۳)

چالا تو ایسا ہوا کہ دونوں پھوپی بھتیجیوں کی واہ واہ ہو گئی۔ منجہلی کے بیاہ کو چہ سات دن ہوئے ہوں گے۔ جاڑے کے دن تھے۔ گھر کی قدیم ماما بڑھیا تو تھی ہی۔ ادہر تو بڑی سردی اوپر سے مہاوٹ، ساٹھ یا ستھر برس کی عمر ہمت ٹوٹ گئی۔ ایسی نمکحرام تو نہ تھی کہ عمر بھر کا ٹھکانہ بڑوں کا ساتھ۔ آنکھوں پر ٹھیکری دہر صاف الگ ہو جاتی منت سے کہنے لگی بیگم! بڑھاؤں گی تو اتنے سے بھی جاؤں گی کہو تو کل سے نواسی کو بھیج دیا کروں اور سب کام تو کرے گی۔ ہاں اتنا ہو کہ سالن تم آپ بگھار لیا کرنا روٹی ذرا اس کے ہاتھ کی بھاری ہوتی ہے۔ پکاتے پکاتے ٹھیک ہو جائے گی۔

بڑی بی نے تو آج کہا سنجیدہ پندرہ دن سے کہہ رہی تھی کہ اس کڑکڑاتے جاڑے میں

ڈیڑھ کوس سبزی منڈی سے صبح نماز کے وقت بڑھیا کا آنا اور چھ گھڑی رات کی توپ چلے جانا
خدا خیر کرے۔ مہینہ کی مرتی آٹھ ہی دن میں ٹھیں ہو جائیگی۔ پھر ایسی نمک حلال ماما چراغ لیکر
ڈھونڈو تو میسر نہیں۔ تو اسی کے آنے پر تو راضی ہو گئی۔ لڑکی نے دوسرے دن پھر ہی آ
جھاڑو دتو خیر خاصی دی۔ بچھونا بھی صفائی سے تہ کیا۔ مگر آٹا گوندھنے بیٹھی تو ادھر تو ہاتھ کی تمام
چوڑیاں لت پت۔ اُدھر کونڈے کے چاروں طرف گھیر بنا ہوا۔ گوندھا تو ایسا کہ گٹھلیاں ٹوٹی ہوئی
کھیری پھٹی ہوئی۔ نسیمہ دور سے بیٹھی دیکھ رہی تھی ہنستی ہوئی پاس آئی اور کہنے لگی۔ لو ایا آٹا
گوندھا ہے۔ ذرا چوڑیاں تو دیکھو اور یہ گرا ہوا کیوں ہے۔ بنو اس کا قاعدہ یہ ہے پہلے کونڈے
کو دھو دھلا صاف کیا۔ پھر آٹا ڈالکر سوندھا۔ ذرا جان دار ہاتھوں سے مکی دی۔ پٹھیرنے پر
آگیا تو ہتھیلی دی نہیں تو کھیری پھٹ جائے گی۔ تم نے ہتھیلی تو دی نہیں۔ برابر مکی دیتی رہیں
جب ہی تو کھیری پھٹ گئی۔ لاؤ میں ٹھیک کر دوں۔ دیکھو ٹھہرا دیں تو اس طرح بلبلے پڑ جائے
اب اس آٹے کی روٹیاں پکاؤ کیسی چپاتی پکتی ہے۔ ایک وہ تمہارا آٹا تھا کہ موٹے موٹے ٹکڑ بھی
نہ اُترتے۔ جاؤ توا دھو کر چولھے پر رکھو اور روٹی ڈالو۔ دیکھوں کیسی پکاتی ہو۔ جیسا آٹا گوندھا ایسی
روٹی نہ پکانا۔ ذرا ہاتھ ٹھہرا کر ڈالنا بھاگڑ نہیں ہے کہ سا بھڑ سو بھڑ پکا پکو الگ کرو۔ آٹے پر
صاف ڈھانک لو نہیں تو پیڑا اجائیگا۔ لو اب تم روٹی ڈالو بسم اللہ کر کے۔ پیڑا اُلٹے ہاتھ پر کیا
کھیتی ہو؟ سیدھے ہاتھ پر رکھو۔ واہ یہ پیڑے بنا رہی ہو۔ ذرا گول بناؤ خشکی لو کم اور
چنگیر کر وٹھیک۔ اس زور سے تھپ تھپ کہ روٹی بھی پھٹ جائے۔ ذرا آہستہ۔ آنچ
تم نے اتنی کر رکھی ہے کہ اس توے پر سے لال چتی کی روٹی اُتر ہی نہیں سکتی۔ شاباش ہے
اسی ہاتھ سے اُپلے اسی ہاتھ سے روٹی اور یہ کیا عقلمندی ہے۔ روٹی پکا کر کھلی ڈال رہی ہو
کہ سوکھ کر کھڑنک ہو جائے۔ دسترخوان میں کھو کہ نرم کیسی ہے گرم بھی رہے۔ لو اب تم دیکھو اور میں
پکاؤں۔ پہلے تو یہ روٹی رکھنے کی چنگیر جو ٹیڑھی ترنگی پڑی ہوئی ہے سیدھی کر کے رکھو۔ دسترخوان
آدھا اس میں بچھایا۔ آدھا روٹیاں ڈھانکنے کو اوپر رکھا آٹے کے کونڈے پر سینی ڈھانکو آٹھ دس پیڑے

توڑ کر سینی پر رکھ لئے جب پک گئے پھر اور توڑ لیں گئے یہ جو الاؤ کا الاؤ چولھے میں لگا ہوا ہے
اس میں جو روٹی پڑ گئی وہ جل کر خاک ہو گئی۔ روٹی ہمیشہ دھیمی آنچ میں اچھی ہوتی ہے۔ دیکھو یہ پیڑے
گول ہیں نہیں خشکی نہ اتنی زیادہ نہ بہت کم معمولی سر کی ہے۔ دیکھو کیسی چنگیر آرہی ہے۔ پورے پورے
ہاتھوں سے پلٹو کتنی ہیلی ہیں اس میں مشکل ہی کیا ہے۔ اب پلٹتی ہوں لو دیکھو آنکھیں کھولکر کہیں سے
جلی بھلسی تو نہیں ہے یا داغی چتی کی۔ خبردار جو اب روٹی پکانے میں اپلوں کو ہاتھ لگایا۔ دیکھا ہاتھ
گوبر کو وہی آٹے کو۔ گھن نہیں آتی ؟ کسی کا کچھ کوڑا ایک آٹے میں پڑ گیا تو لگی لگائی قیمت
غارت اور پکا پکایا کھانا حرام۔ لاؤ اب روغنی روٹیاں پھوپھی اماں کی اور ایک پراٹھا اپنا
پکا لوں۔ اس کٹورے میں گھی نکال لو۔ پہلے روغنی پکا لوں۔ دیکھو گھی پگھلا کر آٹے کا پیڑا
اس میں ڈال کر مٹھ لیا سب گھی پیوست ہو گیا۔ اس کو بہت نہیں پھیلاتے روغنی روٹی ذرا
گدری اچھی ہوتی ہے۔ آنچ کیسی دیکھو دھیمی کر رہی ہوں۔ تیز میں ناس ہو جائیگا۔ اچھا یہ تو دونوں
ہو گئیں اب پراٹھا رہا پراٹھا تین وضع کا ہوتا ہے۔ بل دار، پرت دار، تکیہ کا۔ پہلے تم کو
پرت دار بتاؤں۔ دو چھوٹے چھوٹے پیڑے لئے بیچ میں گھی لگا کر دونوں کو اوپر نیچے رکھ لیا۔ لے لو
اب چنگیر بنا کر توے پر ڈال لیا یہ پگھلا ہوا گھی پاس رکھا ہے تھوڑا تھوڑا سا لگاتے گئے۔ چتی پڑ گئی
اب پلٹ لیا۔ اس میں گھی کم لگتا ہے اس کے چاہے جتنے پرت کر لو۔ یہ تو دو ہیں چاہے تین کرو
چاہے چار۔ لاؤ ایک بل دار بھی تمہارے سامنے پکاؤں۔ دیکھتی ہی ہو نہ ؟ گھی اور نکالو
اس میں گھی بہت لگتا ہے۔ دیکھو ذرا سا آٹا رکھا اس میں گھی لگایا پھر آٹا رکھا اور گھی لگایا۔
کم سے کم پانچ دفعہ گھی لگاتے گئے اور آٹا رکھتے گئے۔ دیکھو اب سب کا اس طرح پیڑا بناتی
ہوں پھنگیا سا بل دیا یا اسی طرح مروڑی دیکر سانپ کی طرح۔ اب پھر اس کا پیڑا بناؤ اور توے
پر روٹی کی طرح پھیلا کر ڈال لو۔ بیچ بیچ میں چھید کر کے گھی لگاتی جاؤ۔ سمجھ گئیں ؟ یہ دو وضع کے ہو گئے
اب ایک تکیا کا رہا وہ بھی ایسا ہی ہے۔ خیر اب تم مصالحہ پیسو۔ میں تمہارے سامنے گوشت بگھارا
آٹے کی طرح ناش کر دینا کہ دہ دہل گرے اور آدھا پسے۔ یہ ساری گرہ ہلدی کی پیس ہی ہو

واہ۔ آدھ سیر گوشت میں اتنی ہلدی۔ پاؤ گرہ لو۔ جتنی ہلدی کم لوگی اتنا ہی سالن آبدار ہوگا۔ ہلدی
پیسکر دھنیا لو۔ پیا ہوا دھنیا ہمارے ہاں نہیں آتا۔ برابر کی بھوسی ملی ہوتی ہے۔ اتنا نہ لو۔ بس کوئی
سوا پیسہ بھر۔ اس پیالہ میں پانی بھر کر سل کے پاس رکھ لو۔ ذرا ذرا سا ڈالتی جاؤ اور پیستی جاؤ۔ زور
زور سے رگڑ دو۔ پولے ہاتھوں تو شام تک بھی مہین نہ ہوگا۔ دیکھو اب کیسا سرمہ سا مہین ہو گیا ہے۔ چلو مرچیں لو
دیکھو کیسی سرخ ہیں۔ بتاؤ کہاں کی ہیں؟ پٹنہ کی ہیں۔ کتنی لے رہی ہو۔ چودہ لو۔ ٹھنڈیاں
بھی توہیں۔ ترکاری نہ ہوتی تو گیارہ بہت تھیں لہسن لو۔ جوے کیا کروگی۔ پوری گٹھی لو۔
اور ایک گٹھی پیاز کی بھی۔ یہ مصالحہ کی پیالی ہے۔ پیس چکو تو اس میں اٹھا لینا۔ اچھا۔ اب مصالحہ
تو پس گیا۔ اٹھو۔ پتیلی چولھے پر رکھو۔ گھی آدھ پاؤ پڑے گا۔ یہ بڑا چمچہ ہے۔ دو ڈال دو۔ یہ پیاز کی
گٹھی لو۔ کتر کر ڈال دینا۔ بیچ کی راس کی ہے۔ نہ بڑی نہ چھوٹی۔ ڈال دی۔ دیکھو لال ہوگئی
اب آدھی پیاز نکال باقی آدھی میں سارا مصالحہ ڈال دو۔ اور ہاں بی ذرا سی نمک تو ڈالو
بس ہاں کوئی تولہ بھر ہوگا۔ اچھا اب مصالحہ بھون لو۔ جب وہ انہ پڑ جائے تب گوشت ڈال دینا
ذرا گوشت کستی جانا اور چلاتی چلو پھر پانی ڈالتی رہنا کہ لیسا نہ۔ اپانی مرتا جائے۔ بس پھر شوربے کا
پانی ڈال دو۔ پیاز جو رکھی ہے نکالکر وہ بھی پڑیگی۔ پھر چمچہ یا کفگیر چلانے کی ضرورت نہیں ہے
ایک ترکیب سالن پکانے کی اور بھی ہے۔ یاد رکھنا وہ بھی بتا دیتی ہوں۔ سادہ سالن ہے تو ہلدی
کی ضرورت نہیں۔ آدھ سیر گوشت ہے تو ایک گٹھی پہلے لہسن کی پیسی پھر پیاز کی دونو کو الگ
اٹھا لیا۔ پھر دھنیا اور مرچیں پیسیں۔ پیاز ڈالکر پتیلی میں الگ گھی داغ کیا اور پھر پیاز نکال
لی لہسن پیاز جو پیسکر رکھ چھوڑی ہے۔ خواہ وہ دونوں چیزیں پسی ہوں یا فقط لہسن ہی ہو
اس کو گھی میں بھونا پھر گوشت ڈالا اور وہ بھونا۔ بھن گیا تو دہی کالی مرچیں نونگیں ادرک
ڈالو۔ مرچیں اور دھنیا ڈالو۔ دانے دار ہو جائے تو پانی ڈال دو۔ گوشت گل جائے تو لعاب
پر آتا را۔ یہ تو خیر معمولی سالنوں کی ترکیب تھی۔ ایک قسم کا سالن ہمارے ہاں اسٹو پکتا ہے
وہ اسطرح کہ اگر آدھ سیر گوشت ہے تو پہلے گوشت کو اچھی طرح دھو کر پتیلی میں ڈالا۔ گیارہ

مرچیں ایک چھوٹی گٹھی ادرک اور لہسن کی۔ ایک پیاز کی مگر خاصی بڑی۔ لونگیں۔ کالی
مرچیں۔ نمک۔ یہ سب مصالحہ تو کترا ہوا یعنی ادرک لہسن پیاز۔ پتیلی میں ڈالدیا۔ پھر پسا
ہوا مصالحہ لیا۔ کوئی تین پیسہ بھر دھنیا۔ پانچ مرچیں لہسن پیاز اور مین چھٹانک کے قریب
دہی۔ اگر دہی میں پانی بھی ہو تو اچھی بات ہے۔ سب چیزیں ڈالکر چپنی رکھ آٹے سے منھ
تمام کردو اور دھیمی آنچ پر رکھدو۔ اگر کوئلہ کی آگ ہے تو اور بھی اچھی ہے۔ ڈیڑھ دو گھنٹے کے
بعد تارلو کھانا پک پکا کر تیار رہوا تو نسیمہ نے ماما کی نواسی سے کہا۔ لو اب برتنوں کی ٹوکری
سنبھالو۔ یہ سب دُھلے دُھلائے منجھے منجھائے رکھے ہیں ایک دفعہ اور ہاتھ پھیر لو چینیوں کو دیکھ
لو۔ راکھ واکھ نہ لگی ہو۔ پہلے برتنوں کی ٹوکری لیجا کر رکھو۔ پھر پانی کی دونوں صراحیاں۔ بھری
رکھی ہیں ایک میں پانی تازہ ہے ایک میں باسی اوپر کٹوروں سے ڈھانک دینا۔ چھینکے پر سے دسترخوان
اتارلو۔ روٹی کی چنگیری رکھکر پھر پتیلیاں پہنچاؤ۔ نواسی کھانا پہنچا چکی تو نسیمہ نکالنے بیٹھی
مگر کس طرح کہ سالن چھ تشتریوں میں اور سب یکساں۔ پتیلی کو ٹیڑھا رکھ سامنے کر نکالتی
رہی اور آگے کے گھی میں سے ایک ایک چمچہ سب کے ہاں ڈالدیا۔ یہ نہیں کہ آنکھیں بند
کرکے کفگیر مانے شروع کیے اور پہلے ہی سالن میں تار ختم کر پتیلی میں نیلا پانی چھوڑ دیا
گرمی زور شور سے پڑ رہی تھی کھانے سے فراغت پا۔ برتن بھانڈا آگے سے ہٹا ہٹو سب
اندر کمرے میں چلے گئے۔ نواسی پنکھا جھلنے بیٹھی۔

جب تک منجھلی موجود رہی بہلی تھی یا بڑی۔ تھوڑا یا بہت ہمیشہ نہیں کبھی ذمہ نہیں
بھولے بسرے ماں کا ہاتھ بٹا لیتی تھی۔ پھوہڑ ہو یا سگھڑ جیسی بھی تھی اور جو کچھ بھی تھی
مگر ایک سے دو تھیں۔ بیٹی کا منھ ادھر موڑنا تھا کہ گھر کے کام دھندے سب ماں ہی کے
سر آپڑے جھاڑو اور بہار صفائی اور ستھرائی اوڑھنا اور بچھونا سینا اور پرونا ایک
جان اور ہزاروں ٹنٹے۔ صبح سے رات ہو جاتی گھر کا بکھیڑا سو جاتا اور اس نیکبخت کو کمر سیدھی
کرنی نصیب نہ ہوتی۔ ایک کام کو اٹھتی اور دوسرا کام اٹھ۔ مصالحہ پیسا تو چولہا اور دیا۔ پانی گرم

کیا تو روتی تڑاپٹ تاما جب بھی تھی اور اب بھی۔ مگر بیٹی ہوئی رخصت ماں کی آنکھ میں مروت
کام کرے اس کی جوتی ہاں اتنا فائدہ ضرور تھا کہ یا تو تی پرلے سرے کی تھی۔ ایک ذرا چھیڑ
کر دنیا بھر کے قصے سن لو۔ غرض بیچاری کو چار ہی دن میں زندگی وبال ہو گئی۔ اس پر طرہ یہ کہ بچے
کیسے غصی اور ہاروتی کہ الہٰی توبہ۔ بچھونے سے روتے اٹھے اور روتے ہی سوئے۔ دیوار بیچ نند
اور آٹھ آٹھ دن انکی فرصت نہ ہو۔ کئی دن سے ارادہ کر رہی تھی۔ آج دودھ پیتے بچے کو گود میں لیے
یہاں آئی تھی تو در کنار ابھی پوری طرح بات بھی کرنی نصیب نہ ہوئی تھی کہ بچے نے بلبلانا شروع
کیا۔ بہتیرا چمکارتی ہے پیار کرتی ہے بہلاتی ہے ڈراتی ہے۔ مگر وہ کس کی سنتا ہے۔ آواز ہے
کہ کان کے پار۔ نگوڑی کتنی سی بوٹی کا لیا تدا شور یا وہ ناک چنے چبوائے کہ ماں کو دم لینا
وبال ہو گیا۔ سینیاں بجائیں۔ پٹاری کھٹکھٹائی۔ کنڈیاں ہلائیں برتن بجائے۔ مگر بچہ
کیا ایک آفت تھا کہ لحظہ بہ لحظہ زیادتی ہی تھی۔ نسیمہ کچھ دیر تک تو چپکی بیٹھی دیکھتی رہی۔ جب
دیکھا کہ ماں ہلکان ہوئی جاتی ہے اور بچہ کی چیخم دہاڑ کسی طرح نہیں تھمتی تو اٹھی بھائی کو
گود میں لیا۔ اور کندھے سے لگا ٹہلنے لگی۔ مگر وہ کیا قابو میں آنیوالا تھا۔ بالیاں ہاتھ
میں آ گئیں۔ کھینچکر جو گھسیٹتا ہے تو سارا کان لہولہان۔ پک تو پہلے ہی سے رہا تھا۔ اسوقت تو
سچ مچ ہی جان نکل گئی۔ غضب یہ ہوا کہ بیچارہ کیا تھا کہ گو نخ الجھ گئی۔ اور ایسی الجھی کہ بہتیرا سلجھایا
نہ سلجھی۔ پھوپھی نے اٹھکر بالی چھٹائی۔ بچہ لیکر ماں کو دیا۔ کان کو دیکھتی ہے تو تھل تھل خون
بہ رہا ہے۔ نل میں سے پانی بھر تلی ڈالی۔ اور کہنے لگی ایسی بے خبر لڑکی بھی تو ہے۔ آج بارہ تیرہ دن
سے کان پک رہا ہے روز جھینکتی ہوں کہ بیٹھے ہوئے مصالحہ میں سے ذرا سا لیکر روئی کی
پھریری سے کان پر لگا لے۔ مگر کون سنتا ہے۔ کل تو میں نے ٹھنڈے پانی سے دھو کر
مرچوں کے بیچ پیسکر لگا دیئے تھے۔ آج میں بھول گئی۔ بیٹی بچہ کر آیا تھا تو انہیں کھولکر لیتیں
ایسے اندھے پنے سے لینا کیا ضرور تھا کہ جان بوجھکر کان اس کے آگے کر دیا۔ دیا ہو یا
گئی اور سینہ پر چار دن سے بڑا جھٹک مار رہا ہے۔ ایک دن بھی لگانا نصیب نہیں ہوا

ادہر ذرا اسکا ان کا لہو تہما اُدہر خدا خدا کر کے بچہ کی آنکھہ لگی تو وہ تو نیند بہا جائیگا دیکھو پہر کہکر لیٹ گئیں۔ نسیمہ نے نواسی سے کہا کیوں بی تم کو پلاؤ اور میٹھے چاول بہی پکانے آتے ہیں۔ نواسی کچھ دیر تو چپکی رہی اور پہر کہنے لگی۔ ہاں دو ایک دفعہ پکائے ہیں۔ ترکیب پوچھی تو اس نے انٹ سنٹ جواب دینے شروع کیے۔ نسیمہ نے کہا میں تم کو پہلے پلاؤ کی ترکیب بتاتی ہوں سُنو پلاؤ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک یخنی کا۔ ایک قورمہ کا سو یخنی کا تو اچھا ہوتا نہیں۔ قورمہ کا یوں پکتا ہے سیر بھر کا حساب بتاؤں۔ چاولوں کو دہو کر بہگو دیا۔ دو گٹھیاں بڑی لہسن کی دو پیاز کی تھوڑی سی ادرک پیسکر الگ کہہ لی گھی جتنا ڈالو۔ کچھ نہیں سیر بھر ہی آدہ پاؤ تو ہو۔ پیاز ڈال بگہار لیا۔ پیاز سُرخ ہو گئی تو نکال کر وہ لہسن پیاز جو رکہا ہے وہ ڈالدیا۔ کوئی پندرہ ایک لونگیں۔ چار پانچ چھوٹی الائچیاں چھلکوں سمیت اس گھی میں بگہار دو۔ سُرخ ہو جائے تو اب گوشت دہو کر ڈالو اور بہون لو بس پھر کوئی تین آبخورے پانی ڈالکر دم پر چھوڑ دو۔ جب گوشت اچھی طرح گل جائے اور پانی بھی تھوڑا سا رہ جائے تو چاول ڈالکر آنچ کر دو۔ چاول گل جائیں گے۔ دم دیدو۔ پلاؤ ہو گیا۔ میٹھے چاول تو آسان ہیں۔ ان میں گوشت کا جھگڑا نہیں۔ گھی کڑکڑا کر لونگیں بڑی الائچیاں ڈالیں۔ لونگیں سُرخ ہو گئیں۔ چاول ڈالدیے۔ دو تین دفعہ چاولوں میں چمچہ یا کفگیر چلا کر اتنا پانی ڈالدیا کہ ایک کنی باقی رہجائے یعنی سب چاول ذرا کنی کے ساتھ گل جائیں پانی خشک ہو گیا تو کھانڈ ڈالدی اور دم پر چھوڑ دیا۔ آنچ ہلکی کر دی۔ یہ میٹھے چاول ہو گئے اچھا بی نواسی تم کو کھچڑی کا تنا گلانا آتا ہے

نواسی اچھی بیگم تمکو آتا ہے مجھکو بتا دو۔ اگلے برس حکیم جی کے ہاں میری ماں تھی کھچڑی کا کا تنا گلانے کے سب ہی جتن کیے زردہ کو ڈہی ڈالی کہیں قلعی کا چونہ مگر کا تنا تو گلا نہیں

نسیمہ یہ بھی کوئی بڑی بات ہے جب ویسے پڑے انکو اٹھا کر اُن میں چاول بگڑ جاتے مگر چاول پرانا اور اچھا ہو۔ تین چار روز تک بہیگے رہیں اچھی طرح پانی پی لیں اُن کو

نکالکر چھاؤں میں سکھالو اور پیسکر رکھ لو جب مچھلی پکائی تھوڑے سے برک دیئے ۔ اور پتیلی کا منھ خام کرکے دھیمی آنچ کر دی ۔ دوپہر تک پکتی رہی پھر اُتار کر دیکھا ۔ ہڈی اور کانٹا سب گلگر آٹا ہو جائیگا ۔

نسیمہ بات ختم کر چکی تو لڑکے نے بازار سے پان لا کر دیئے نزاسی سے کہنے لگی دھوکر پٹاری میں کبھ دو ۔ لڑکی شریر تو معلوم ہوتی نہ تھی یا بھول گئی یا سنا نہیں ۔ پٹاری کھول لگنی میں ٹھیک آ بیٹھی ۔ تھوڑی دیر تک تو ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں ۔ نماز کا وقت آیا تو نسیمہ نے وضو کر نماز پڑھی ۔ پڑھ چکی تو نزاسی سے کہا ۔ اچھی ایک ٹکڑا پان بنا دو ۔ لڑکی پان بنا کر لائی نسیمہ کہاتی ہی تو چونہ تیز کتھے کا پتہ نہیں کڑواہٹ ہے وہ الگ ۔ پٹاری کھول کر دیکھتی ہے تو صافی کہیں ۔ پان کہیں ۔ کتھہ چونا ملا ہوا ۔ چھالیا میں زردہ ۔ زردہ میں چھالیا ۔ کہنے لگی بوا ایک دفعہ کے ہاتھ لگانے میں پٹاری کی یہ گت کر دی کہ دیکھنے کو جی نہ چاہے ۔ سلیقہ اس کا نام ہے ۔ پٹاری صاف ستھری ۔ لگنی اجلی ۔ طباق رکھے ہوئے تھالی ڈھکی ہوئی ۔ چھیا لیس روپے سب ٹھیک سر ۔ پانوں کو دھویا نہ دبلایا یوں ہی چھینک آ بیٹھیں ۔ میں نہ دیکھتی تو شام تک سب سڑ جاتے ۔ چاہیئے یہ تھا کہ دھو کر صافی میں اچھی طرح لپیٹ لگنی میں رکھتیں ۔ تم نے تو بگاڑ کر ڈالدی ۔ اسی واسطے پھوپی اماں پٹاری کسی کو چھونے نہیں دیتیں ۔ صاف اجلی گروی رکتھے چونے کے دھبوں میں غارت ہو گئی ۔ اتنی ساری کتری ہوئی چھالیا سب یوں ہی گئی ۔ آخر میں کبھی تو روز بناتی ہوں مجال ہے کبھی چھالیہ میں زردہ کا ایک پھول تو پڑ جائے ۔ اگر کوئی بے زردہ کھانیوالا آ گیا تو اچھی خاطر ہوئی ۔ ایسی تواضع کو سلام کہ پان کھاتے ہی سر چکرانے لگا ۔ ایک تو تم کبھی بھولکر بھی چھالیہ کی ڈلیاں نہ رکھنا ۔ پھوپھی اماں بہت ہی بگڑتی ہیں اور مجھے بھی نہیں معلوم ہوتا ہے کہ پان بناسو کھ رہا ہے ۔ اور بیٹھے چھالیا کترتے ہیں صبح دوپہر شام جب فرصت ہوئی بیٹھکر دو چار ڈلیاں کتر لیں ۔ دنیا ہر وقت کتری ہوئی چھالیا سے بھری رہنی چاہیئے ۔ ایک پان میں

تم نے بٹاری کا ناس کیا۔ پانوں کا مزاج تو آدمیوں سے بھی نازک ہوتا ہے بہت سے اوپر نیچے رکھکر پانی میں ڈالدو گل جائیں گے نہ ڈالو سوکھ جائیں گے۔ چاہیئے یہ کہ صافی تر رہے پانی نہ بہت زیادہ ہو نہ بہت کم۔ بی تو یہی پان بنانا بھی کوئی آسان کام نہیں خدا نہ کرے کہ کسی پھوہڑ کے ہاتھ کا پان کھانا نصیب ہو سب سے پہلا کام یہ ہے کہ صافی سے پان کو خوب اچھی طرح پونچھ لو تاکہ رگ رگ کی کرکراہٹ نکل جائے۔ اوپر کی نوک پیچھے کی جڑ توڑ دینی چاہیئے۔ پہلے چونہ لگاؤ پھر کتھا اور یہ دیکھ لو کہ چونہ کتھے سے زیادہ نہ ہو کہ منہ کے ٹکڑے ہو جائیں کتھہ بھی اتنا زیادہ نہ ہو کہ منہ کسیلا ہو جائے۔ اسکے بعد چھالیہ ڈالکر گلوری بناؤ۔ مردانے میں چھالیا برائے نام ڈالنی چاہیئے۔ اب تھالی کو صاف کرو اور الگ کونہ میں زردہ رکھکر دیدو۔ میں نے بہت سی جگہ دیکھا ہے کہ کتھہ اور چونا چھانٹا نہ پھٹکا اُٹھایا اور کلیوں میں بھر دیا۔ برابر کی کرکراہٹ موجود کہ دانت نہ دبایا جائے ایک عیب پان کھانیوالوں میں بھی دیکھا ہے کہ انگلی سے پونچھا اور دیوار سے مل دیا۔ تم ہی خیال کرو کیسی بدتمیزی کی بات ہے۔ پان کھانے میں ایک یہ احتیاط کرنی چاہیئے کہ پان کھولکر یہ دیکھ لیں ممکن ہے غلطی سے زردہ پڑ گیا ہو یا چونہ زیادہ ہو تو خواہ مخواہ کی تکلیف بھگتنی پڑے کسی غیر آدمی کو پان دو تو اگالدان بھی رکھدو کہ تھوکنے کی دقت نہ ہو۔

(۲۴)

انسان مرد ہو یا عورت بڈھا ہو یا جوان آنکھیں کھولکر دیکھے قدرت نے کیسے کیسے سامان مہیا کر دیئے۔ صبح دوپہر، شام رات، جاڑا پالا برسات۔ آم خربوزے جامن۔ انار گیہوں۔ باجرا مونگ۔ جوار بیشمار نعمتیں ہیں جو اس پروردگار نے اپنے بندوں کو عطا فرمائیں پھول کی ایک پنکھڑی اور درختوں کا ایک ایک پتا زبردست شہنشاہ کی حکومت کا پتہ دے رہے ہیں۔ چاند۔ سورج۔ زمین۔ آسمان جنگل۔ پہاڑ۔ دریا۔ میدان قدرت کا جلوہ ہر جگہ چمک رہا ہے۔

صبح کی نماز پڑھ کر ایک دن سنجیدہ اپنی چھوٹی سی کیاری کی دیکھ بھال میں مصروف تھی۔ خوشرنگ پھولوں کے گملے چاروں طرف رکھے ہوئے تھے۔ گلاب کے ایک پودے پر نگاہ پہنچی۔ پتلی سی شاخ سرے پر پھول ہوا کے جھونکوں سے دوہری ہوئی جاتی تھی دیکھتی رہی اور دیکھتے دیکھتے کہنے لگی۔ کیا خدا کی شان ہے مہینہ بھر بھی تو نہیں ہوا بیج ڈالے آٹھ دس دن میں پھوٹ نکلے۔ پندرہ بیس دن میں پودا ہو گیا۔ کونپلیں آئیں کلیاں نکلیں سبحان تیری قدرت آج پھول کھل رہا ہے۔

کل ہی کا تذکرہ ہے نسیمہ بنگالے کی مینا چاروں طرف باتیں ملکاتی پھرتی تھی آج ماشاء اللہ دوسروں کو سبق دے رہی ہے صفائی ستھرائی شرم حیا رحم ملنساری، خوف خدا غرض وہ سب صفتیں جو لڑکیوں کا سچ مچ زیور ہیں کوار پنے میں حاصل ہو گئیں۔ کھانا پکانا سینا پرونا کیا کام تھا جو اُسے نہ آتا ہو۔ ادب لحاظ۔ سلیقہ، اطاعت، کون سا ہنر تھا جو اس میں نہ ہو ماں اور پھوپھی جو چاہتیں کہتیں اور وہ جپکی بیٹھی سنتی کیا مجال جو نیچی سے اونچی نگاہ کر لے یا آنکھ ملا کر جواب دیدے۔ ناممکن تھا کہ کوئی سچا حاجتمند اس کے دروازے پر آئے اور خالی چلا جائے مشکل تھا کہ اس کے ہاتھ سے آدمی تو آدمی کسی جانور کو بھی تکلیف پہنچ جائے نو دس برس کی جان جیٹھ بیساکھ کی گرمی اور تیسوں روزے۔ چلے کا جاڑا صبح کا وقت نماز اور قران چھوٹوں سے جی۔ بڑوں سے جناب۔ ہمسایہ سے سلوک، بزرگوں کا ادب رحم کی نظر میٹھی زبان برابر والوں سے محبت۔ چھوٹوں پر مہربانی ہاتھ کی سچی دل کی اچھی۔ تمکنت نہ غرور شیخی سے الگ نخوت سے دور نسیمہ ایک قسم کا فرشتہ تھی کہ بڑی بڑی ایمان والیاں اسکے دامن پر نماز پڑھیں، محلہ کے لئے سبق۔ کنبہ کے لئے نمونہ خاندان کے لئے ایک مثال تھی۔ دور دور کی لڑکیاں اور بوڑھی بوڑھی عورتیں اس سے صلاح لیتیں اور وہ بتاتی۔ اتفاق یہ ہوا کہ ایک دن دوپہر کے وقت پھوپھی بھتیجی بیٹھی کھانا کھا رہی تھیں۔ سنجیدہ کی نظر بھتیجی کی جوتی پر پڑی نہ جوتی ایسی پرانی تھی

نہ نسیمہ ایسی بدتمیز۔ مگر خدا جانے کیا ہوا۔ اور کیونکر ہوا۔ دایاں بایاں دونوں پیر الگ اور ٹیڑھے، بدصورت اور بے ہنگم۔ کھانا کھا چکی تو سنجیدہ نے کہا بیٹی یہ تو میں نے آج ہی دیکھا۔ انگریزی میں تو سُنا تھا ہندوستانی میں دایاں بایاں آج ہی دیکھا۔ دلی کی سلیم شاہی پندرہ بیس دن کی پہنی اور سیدھا پاؤں الگ اُلٹا الگ۔ تم ہی نے آج انوکھی نہیں پہنی ہم نے بہت سی پہنیں اور توڑیں مگر کبھی نہ معلوم ہوا کہ یہ سیدھی یہ الٹی کیسی نالائقی کی بات ہے کہ ایک ہی پاؤں ڈال کر جو پہننا شروع کیا تو پھر پلٹنا قسم ہو گیا ہیر پھیر کر پہننی چاہیئے کبھی یہ کبھی وہ ایک رخ پہنتے پہنتے تو آپ ہی جوتی کی صورت بگڑ جائیگی۔ دو چار دفعہ بے احتیاطی کی اور جوتی الٹی سیدھی ہوئی۔ پھر پلٹو گی بھی تو پاؤں کو اوَلوا اوَلو معلوم ہو گی۔ چلو جوتی کا ناس ہو گیا کبھی تم نے میرے پاؤں میں بھی دیکھا۔ لو دیکھو تین مہینے کی پہنی ہوئی ہے۔ میلی ہو گئی تو کیا شرافت تو برسن ہی ہے۔ عمر بھر میں نے یہی پہنی۔ ایک دفعہ کی تو قسم کھاتی نہیں وہ بھی کوئی دس بارہ دن اور خوشی سے نہیں مجبوری سے گٹھتلی ضرور پہنی ہے ورنہ جب سے ہوش سنبھالا آج کے دم تک یہی منگوائیں قسم لے لو جو کبھی انگریزی یا گول پنجہ کی پاؤں میں بھی ڈالی ہو مگر بیٹی ایسے بے ڈھنگے پنے سے کبھی نہیں پہنی نسیمہ بیٹی ایسی غلطی اور نسیمہ بیگم تم سے میری تو اتفاق سے نظر پڑ گئی۔ تم تو جوتی پہنتی ہو گی اس کا یہی حال ہوتا ہوگا۔۔ ہاں خوب یاد آیا اس دن تم کیا کہہ رہی تھیں کہ انگریزی جوتی ہندوستانی سے اچھی معلوم ہوتی ہے۔ مجھ سے پوچھو تو کیا خوبصورتی کیا آرام اور کیا صرف کسی لحاظ سے بھی میں انگریزی جوتی کو پسند نہیں کرتی۔ اس سے تم خاطر جمع رکھو۔ میں ایسی دقیانوسی خیال کی عورت نہیں ہوں کہ محض انگریزی ہونے کے سبب ناپسند کروں۔ تمہاری نانی اماں کی طرح میں یہ نہیں کہتی کہ گھر کی بہو بیٹیاں میم بن گئیں۔ مگر میں انگریزی جوتی کو ہندوستانی سے بہتر نہیں سمجھتی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ میں فقط اس لئے کہ انگریزی ہے پسند کر لوں۔ دونو کا مقابلہ کر لو جو خوبصورت

اور آرام کی ہو وہ اچھی ہے۔ چاہے انگریزی ہو چاہے دیسی۔ تم زیادہ سے زیادہ یہ کہو گی کہ
ہندوستانی جوتی کا سارا تلا کیچڑ میں بھر جاتا ہے۔ اور وہ فرش پر لیجانے کے قابل نہیں ہوتی
یہ نقص تو انگریزی میں بھی موجود ہے۔ کم ہو یا زیادہ مگر ہے تو سہی۔ تمہارے دل میں اس وقت یہ ہوگا
کہ پھوپھی اماں اُن ان کے وعظ میں جوش آئی ہیں کہ جو شخص کسی قوم کی نقل کرتا ہے وہ اسی میں سے
ہے۔ اس لئے بُرا کہہ رہی ہیں۔ سو بیٹی یہ بات نہیں اس کے متعلق تو میں کل ہی ایک ایسے شخص
کی رائے پڑھ چکی ہوں جو مجھ سے اور تم سے اور خود مولوی صاحب سے بھی ہزار درجہ زیادہ
لائق ہے یعنی امام غزالی اپنی کتاب احیاء العلوم میں جس کا اردو ترجمہ میں آج کل دیکھ رہی
ہوں اچھی طرح صاف صاف لکھ رہے ہیں کہ اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر کسی قوم میں کوئی اچھی
بات موجود ہو تو اس کو نہ اختیار کرو بلکہ اس کا یہ منشا ہے کہ لباس خوراک وغیرہ میں مشابہت
نہ کرو نسیمہ بیگم میں ایسے مولویوں کے ڈھکوسلے میں آنے والی نہیں جو اپنے حلوے مانڈے
سے کام رکھیں۔ قوم چاہے کل کی ڈوبتی آج ڈوب جائے گا بیٹی برا مانو یا بھلا مجھکو تو
جیسا بھرا بھرا پاؤں ہندوستانی جوتی میں معلوم ہوتا ہے انگریزی میں ہرگز بھی نہیں معلوم ہوتا
اور ہاں انگریزی پر کیا موقوف ہے گول پنجہ کی جوتی سے میں اور بھی زیادہ جلتی ہوں نہ مجھے
یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ سلیم شاہی جوتی اُٹھائی اور پھڑی کر لی۔ مگر ہاں اتنا ضرور کہونگی
کواری بیٹیوں کو بہت بننا سنورنا اچھا نہیں تو بہ توبہ یہ تو میں مر کر بھی نہ کہونگی کہ کواری
لڑکی سلمہ ستارے کی سلیم شاہی جوتی میکے میں مٹکائے پھرے اس سے تو انگریزی ہی
اچھی وہ ترک بھڑک تو نہ ہوگی۔ مگر تمہاری اس ایک پھول کی جوتی سے تو میں کیوں
ہی اچھا سمجھنے لگی لیکن سلمہ ستارے کے مقابلہ میں تو وہ ہزار درجہ بہتر۔ جب خدا
وہ دن لائیگا کہ یہ روک ٹوک نہ رہے اس وقت جو بات ڈلاسی جوتی میں ہوگی
انگریزی کے باپ کو بھی نصیب نہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ کھائے من بھاتا پہنے جگ
بھاتا۔ چیز پہنے تو ایسی جو دیکھنے والوں کی آنکھ میں کھب جائے تب تو یہ جانو

قیمت وصول ہوئی دام بھر پائے، روپیہ ٹھکانے لگا۔ انگریزی ہندوستانی روج جوڑ پاس رکھکر پرکھو پہنکر پوچھنا پہنا کر دیکھو جو آن ہمیں نکلیگی امیدیں کہاں! اب ہی اپنی طبیعت سکا تو علاج نہیں

(۲۵)

سنجیدہ کا لہجہ نرم تھا یا گرم مگر مضمون تھا معقول اور بات تھی درست نسیمہ بات قائل ہوئی تو کیا دل میں نادم ضرور ہو گئی۔ کن آنکھوں سے جوتی کو دیکھا۔ نظر پڑی تھی کہ قصور دل میں بیٹھا ہوا تھا نیچی نگاہ کر کے جو بیٹھی تو پھر آنکھ اٹھانی قسم ہو گئی۔ اتنے میں نواسی دوڑی ہوئی آئی اور کہا چھوٹی بی مٹھو مر گیا گھبرا کر اٹھی اور سٹ پٹا کر چلی۔ ڈھیلے پائنچوں کا پائجامہ پاؤں الجھا اور دھڑام سے گری۔ مگر طوطے کی محبت اتنی زیادہ تھی کہ اپنی چوٹ بھول بھلا اٹھی اور سنبھل سنبھلا چلی نسیمہ کے اس طرح گرنے پر نواسی کو بے اختیار ہنسی آئی۔ مگر میاں مٹھو کی محبت نسیمہ کو کچھ ایسی غالب تھی کہ چوٹ کا خیال نہ ہنسی کی پروا جا کر دیکھتی ہے تو سچ مچ مٹھو ٹیں۔ سال بھر کی محنت بولتا ہوا جانور دیکھکر دم کی دم رہ گئی طوطا پہاڑی تو نہ تھا مگر تھا کسی ایسے کڑوے نیم کا کہ ایک بات کہنے کی دیر تھی سُنی اور رٹی اس غضب کا بولتا تھا کہ کیا کوئی مینا بولیگی۔ دانہ پانی روٹی ٹکڑا سب اپنے منہ سے مانگتا۔ ذرا نسیمہ ادہر اُدہر ہوئی اور اس نے چیخنا شروع کیا "چھوٹی بی کدہر گئیں" نسیمہ خود اس پر جان چھڑکتی تھی۔ شام کو دانہ پانی کہلا پلا الگنی میں لٹکایا۔ ہوتی شدنی اتارنا بھول گئی۔ دو تین دفعہ تو مٹھو نے آواز بھی دی مگر غریب کی تقدیر میں مرنا تھا کسی نے نہ سُنا۔ جاڑوں کے دن گھنٹہ ٹکا کا وقت ہوا۔ کوہر ٹھٹر۔ کلیا میں پانی کی بوند نہیں خدا جانے ہوا لگی یا پیاس مٹھی بھر کی جان پھڑ پھڑا پھڑ پھڑا ختم ہو گیا۔ سنجیدہ پہلے تو نواسی کی جان کو آئی کہ یہ کیسی نالائقی کی حرکت بیہودہ تو گری اور تو بیٹھی کھل کھل ہنس رہی ہے۔ خبر نہیں کہ کن جانوروں میں سے ہے کہ نام کو تمیز نہیں۔ کوئی گرے کوئی ہنسے ایسی ہنسی تو جوتیاں کہلواتی ہے دوسرے کی تکلیف پر خوش ہونا آدمیت تو ہے نہیں۔ جانوروں کا کام ہے۔ مجھے

تو یہ چاہیے تھا دوڑ کر اُٹھاتی۔ ہاتھ دباتی پاؤں دباتی۔ پوچھتی چھوٹی بی کہاں چوٹ لگی
افسوس کرنے سے تو گئی اُلٹی باغ باغ ہوگئی۔ ایسا ہی ہنسنے کا مرض تھا اور کسی طرح نہیں رک
سکتی تھی تو اُدھر چلی جاتی۔ پیٹ بھر ہنس لیتی پھر آجاتی۔ ہنسنا اور منہ در منہ بے غیرتی ہی کا نام
ہے۔ تمہاری گود میں بیٹھوں اور تمہاری ڈاڑھی کسوٹوں۔ اگر وہ غصہ میں کچھ کہہ بیٹھتی، چوٹ
لگی ہوئی جی جلا ہوا۔ کوئی ایسی ویسی بات کہہ دیتی تو منہ پھُلا بیٹھ جاتی۔ بیٹی تو ہی سوچ یہ تیرا
کام خفگی کا تھا یا نہیں۔ آج تو خیر سمجھا دیا۔ اب ایسی نالائقی نہ دیکھوں۔ میرے پاس ایسی
لڑکیوں کا کام نہیں۔ چاہے کل سے آنا یا نہ آنا۔

سنجیدہ تو اسی کی نصیحت کر رہی تھی اور نسیمہ بیچاری نہ گرنے کا خیال نہ ہنسنے
کا ملال گم سم بیٹھی مٹھو کو دیکھ رہی تھی۔ سنجیدہ اِدھر سے فارغ ہوئی تو بھتیجی کی طرف رُخ
کیا اور کہنے لگی ایسی بولاہٹ بھی کس کام کی آؤ دیکھا نہ تاؤ پائنچے چھوڑ چھاڑ جھٹ اُٹھ
کھڑی ہوئیں نہ تو خدا نے خیر کی کہ گھٹا وتکیہ بیچ میں تھا نہیں تو خدا جانے آنکھ پھوٹتی سر
پھوٹتا۔ نہ بھونچال کی طرح چلتیں نہ چوٹ لگتی۔ دوڑ چلئے نہ گر پڑیئے۔ اسی لئے تو میں سولہ
سترہ گز کے پائنچوں سے جلتی ہوں۔ فائدہ نہ حاصل۔ صرف کا صرف اور تکلیف کی
تکلیف ہر وقت پائنچوں کی نوکری کیجئے۔ ایک ہاتھ تو بس اسی لئے اینڈا ہوگیا۔ ذرا
چوکے اور پاجامہ کیچڑ میں لت پت مٹی میں لتھڑ پتھڑ۔ اب اس مرتے کو پھینکو اور میٹھی پنجرے
کو کیا گھور رہی ہو۔ مرنا تھا مر گیا اور تمہاری جان کو دعائیں دیتا مرا۔ ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو
کلیا کیسی خشک پڑی ہے پانی کی بوند تک نہیں ایک جان تمہارے ہاتھوں جاتی تھی
وہ گئی۔ رات کو باہر نکل کر دیکھتا کیسا جکڑا پڑا ہے کہ قدم نہ اُٹھے۔ اس پالے میں جو رات
بھر بے زبان جانور باہر ننگا رہا مرتا نہیں تو کیا کرتا۔ اپنی آرام کی چیز بستر سب چیزیں
اندر پہنچائیں۔ اس کی جان تو مفت کی تھی اسے کیوں لائیں۔ یہ پانچ سات بے زبان اللہ
کی مخلوق تمہارے قبضہ میں ہیں ان سے ان کا گھر بار چھڑا ہمجنسوں سے بچھڑا گھر سے کوسوں دور

بے خطا بے قصور اپنا جی بہلانے کو نہیں قید کیا تو اپنے آرام سے زیادہ اُن کے آرام کا
انتظام کرو۔ کھلا کر کھاتیں پلا کر پیتیں۔ پہلے اُن کو سکھ دیتیں پھر آپ آرام کرتیں۔ ہاں یہ
بدنصیب جانور تمہارے ہاتھوں اپنی زندگی ختم کر گیا ہوا سے بچنے کے لئے آپ تبرو سے
بھی چھوٹے۔ انگیٹھی بھی جلوائی اس مظلوم کا دھیان تک نہ آیا۔ کس محبت سے کہتا تھا مٹھو
بیٹے کی بیوی، "مٹھو بیٹیا اپنی جان تم پر سے قربان کر گیا۔ کسی دن لحاف کا اوڑھنا بھول جاتیں
تو میں سمجھتی کہ طوطے کو بھی بھول گئیں۔ ایسا لاپرواہ مزاج تھا تو ایک جان کے پالنے کی ذمہ داری
کیوں لی تھی۔ کس بھروسے اور کس برتے پر۔ اب کچھ تھوڑے سے لال اور رہ گئے ہیں۔ آج ان کو
بھی بھول جانا تو پاپ کٹ جائے۔ جاری نواسی ان کو پنجرے سے نکال باہر پھینک آ۔

(۲۶)

دن اسی کل کل پٹ پٹ میں تمام ہونے آیا۔ نسیمہ عصر کی نماز پڑھ کر بیٹھی کتاب دیکھ رہی
تھی۔ دھوبن نے کپڑوں کا گٹھڑ لا آگے ڈال دیا اور کہنے لگی۔ اچھی چھوٹی بی بی جلدی سے کپڑے
دیکھ لو میرا بچہ صبح سے بخار میں پل پلا رہا ہے اس کے لئے دوا لیجاؤں۔ نسیمہ نے نواسی سے
کاپی منگوائی۔ کپڑے کھولے اور ملانے شروع کئے اور گن گن کر الگ کرتی گئی۔ احتیاط اتنی تھی
کہ ہر کپڑے کو اندر سے کھول کر دیکھ لیتی تھی کہ کوئی داغ دھبہ تو باقی نہیں رہ گیا۔ کچی چکن کا نیا دوپٹہ
سوئی کا ٹانکا ٹوٹا یوں کا یوں ہی دھلنے بھیج دیا تھا۔ تیسری تہہ پر دیکھتی ہے تو دوپٹہ تیتی تیتی
نون بانڈ ہنے کے لائق بھی نہیں۔ دھوبن سے کہا قصوروار تھی منت سے کہنے لگی۔
بیگم! نقصان تو بیشک ہوا میں روٹی پکانے میں تھی۔ لادی کی لادی آگے پڑی تھی بیل
نے چبا لی۔ میرے حساب سے کاٹ لینا۔ دھوبن کا یہ جواب سُن کر نسیمہ نے کہا! میری لگی
لگائی لاگت اور خوشی تم نے سب غارت کر دی۔ کاٹوں گی تو میں کیا خاک مگر رنج بہت
ہوا۔ کیا کہ وہ تو غلاف پلنگ کی چادر اور میری اوڑھنی کہاں ہے تمہیں کے ہاتھ
بھیجی تھی۔ دھوبن سنتے ہی قسمیں کھانے لگی کہ میرے ہاں کوئی چیز نہیں گئی۔

ادہر نہہا اُدہر دہوبن قمیص کہا رہی ہیں۔ وہ کہتا ہی میں دے آیا۔ وہ کہتی ہی نہیں لایا سنجیدہ بولی بیٹی ایک دفعہ نہیں ہزار ہا دفعہ کہا۔ اپنے ہاتھ سے دینا اور اپنے ہاتھ سے لینا یہ کیسی بے عقلی ہی کہ جو ملا اس کے ہاتھ بہیجدیا۔ دیکہہ لو اتنے کپڑے جان سے جاتے رہی سنجیدہ ابھی بگڑ رہی تھی کہ بھاوج کے یہاں سے لڑکی پوچھتی ہوئی آئی۔ یہ اوڑہنی چھوٹی بیگم کی تو نہیں ہی بیوی کہتی ہیں کہ میرے ہاں تو رنگ کی اوڑہنی کسی کی ہی نہیں نسیم نے اوڑہنی لے کر غور سے دیکہا پھر کہنے لگی۔ پھوپی اماں ذرا آپ دیکھئے میں تو جانوں میری نہیں ہی سنجیدہ نے کہا میں کیا دیکھوں۔ سیاہی کی شیشی پڑی جھک مار رہی ہی۔ اتنا ہوش تمکو نہیں کہ کپڑوں پر نام لکہہ لو۔ اتنی سستی بھی کس کام کی کہ ایک دو حرف لکہنے کی فرصت نہیں اب جو مصیبت ہو بھگتو اور اس غریب بہو کو تو چھٹی دو۔ ذرا تم آپ اُٹھو وہ لڑکی کہاں کہاں سے کپڑے لائیگی۔ دنیا بھر کا قاعدہ یہ ہی ایک جگہ مقرر ہوئی۔ میلے کپڑے سمیٹے وہاں اُتار دیئے۔ میرے گہر کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ دو یہاں دو وہاں تین کہیں چار کہیں۔ کچھ دہوبن نے کہوئے کچھ گہر میں گئے۔ نیلو چیٹی ہوئی سبحان اللہ کہتا آیا ہی۔ دہوبیں میں کالا تیل میں نیک یہ چاک یہ دہلے گی کیا خاک۔ لاکہہ صاف ہو جائے دہبے تو باقی ضرور ہی رہیں گے۔ میلے کپڑوں کو بھی احتیاط سے رکھتے ہیں۔ جتنے اُجلے اور صاف جائیں گے۔ اتنے ہی اچھے اور آبدار دہلکر آئیں گے۔ لو موزہ ایک ہی ہی۔ دوسرے کا پتہ نہیں۔ جب ہی تو کہتی ہوں اُتارتے ہی وقت حفاظت سے رکھو تو اس وقت یہ ڈہنڈہیا کیوں پڑے اور اس اوڑہنی میں کہیں لگ گئی تو سینا بھی نصیب ہوا کہ دہوبن کے ہاں جا کر بالکل ہی بارہ باٹ ہو جائے بیچ کیا ہو گیا۔ دہوبن کے یہاں پہٹا ہوا کپڑا جاتا کیسے بغیر فکر تھے۔ چلو اس بیچاری کو تو کپڑے لکہکر ہانی دو۔ دہوبن میلے کپڑے لیکر گئی تو نسیم نے گٹھری لا شیشی اتار نئے کپڑوں پر نام لکہنا شروع کیا۔ سنجیدہ بولی لکہتی تو ہو مگر اس میں ایک خرابی یہ ہی کہ دہلکر سیاہی پہیل جاتی ہی۔ کپڑے پر نام لکہنے کی ایک ترکیب مجھکو

مثلاً جیسے بتائی تھی۔ یاد رکھنا بھولنا مت۔ چربے کا کاغذ ایک تختہ۔ کاربن پیپر یعنی کالا
کاغذ ایک تختہ (نیلا ہو تو اور اچھا) تھوڑا سا موم جامہ کا کپڑا۔ یہ تینوں بازار میں آسانی سے
مل جائیں گے۔ پہلے چربے کے کاغذ پر پھول یا حرف یا اور کوئی نشانی جو بنانی ہو بنا لو یا کہیں سے
دیکھکر نقل کر لو۔ پھر اس کو ہاتھ سے صاف کر لو یعنی موٹی یا بھدی پھیلی ہوئی نہ رہے۔ اس کو
الگ رکھکر موم جامے کے کپڑے میں سے اس چربے کے کاغذ سے جس پر نشانی بنائی ہے
ذرا بڑا کتر لو۔ اس کپڑے کے ٹکڑے کو کاغذ پر رکھکر پنسل یا سیاہی سے ہو بہو نقل کر لو۔ پھر
جس کپڑے میں نشانی ڈالنی ہو اس کے کسی کونہ پر یا جہاں لکھنا ہو ٹینوں سے یہ ٹکڑا کپڑے
کا لگا دو۔ اس کے بعد پہلے کاغذ کا اتنا ہی ٹکڑا کتر کر موم جامے اور کپڑے کے بیچ میں رکھو
پھر کسی قلم کی ڈنڈی یا ہاتھی دانت کی سلائی وغیرہ کو موم جامے کے پھول پر خوب زور سے پھیرو
تاکہ کالا کاغذ اپنا نقش کپڑے پر دیدے۔ دھونے دھونے نہ جائیگا۔ بیٹی پہلے کپڑوں کا
انتظام نہ کرو گی تو اُجلے کہاں سے پہنو گی۔ میں نے جو کچھ کہا تمہارے فائدے کو کہا۔

قصور تھا واقعی اور خطا درحقیقت۔ نسیمہ دم کیا مار سکتی تھی۔ پھوپی کہتی جاتی تھی اور
اس پر گھڑوں پانی پڑ رہا تھا کپڑے جمع ہوئے تو وہ اس ڈھنگ کے۔ اوڑھنی ملی تو پاجامہ ندارد
دوپٹہ ہی تو کرتہ نہیں۔ مزا یہ تھا کہ ایک کرتہ ایک پاجامہ پھرتا پھراتا اناج کی کوٹھری میں جا پہنچا
صندوق میں گھی کا کنستر، رستہ میں کپڑے۔ لاتے لیجاتے خوب ہی ٹپکا۔ گھی کی خوشبو کپڑے کا
معاملہ کرتہ کی آستین یا جامہ کی موہری چوہے لے گئے۔ اوڑھنی کی ڈھنڈیا پڑی تو وہ بھی
آدھی سے زیادہ بل میں پہنچ چکی تھی۔ کپڑے لائے تو سہی مگر کیسے بے ڈھنگے اور بتر سے بتر خدا کی
پناہ۔ ایک مٹی کے تیل میں بسا ہوا۔ تو دوسرا کیچڑ میں لت پت۔ کسی پر گھی۔ کسی پر تیل کسی
پر گارا کسی پر کیچڑ۔

سنجیدہ جیسی بیوی کا گھر اور نسیمہ جیسی بچی کا انتظام کپڑوں کی یہ گت ہنسی بھی آتی ہے
افسوس بھی ہوتا ہے مگر خدا اندازی کا بھلا کرے۔ جب صفائی کی ضرورت ہوئی غسلخانہ میں

گئی اور میلا کپڑا اُٹھا لائی۔ نسیمہ غریب کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں کہ کپڑوں کو یہ آگ لگ رہی ہے اور بی نواسی کو نئے اُسترے سے میرا سر مونڈ رہی ہیں۔ جو کہیں نسیمہ اس غصہ میں نواسی کا نام لے دیتے تو سنجیدہ کچھ نہیں تو اس کو کچا کھا جائے۔ مگر انسانیت سمجھو یا محبت ساری آفت اپنے سر لے لی اور اس کا نام نہ لیا۔

(۲۷)

تربیت اور تعلیم دونوں چیزیں جیسی لازمی اور ضروری ہیں ویسی ہی مشکل اور اہم بھی وجہ تھی کہ سنجیدہ نے صرف تربیت اپنے ذمہ لی اور تعلیم استانی کے سپرد کی۔ وہ مر چکی اور ہمکو مرنا ہے سنجیدہ نے تربیت کا حق ایسا ادا کیا کہ اگر کوئی کریگا تو بس اتنا تیرہ برس کی نسیمہ نا کا جوڑی کا بخیہ ایسا کرتی تھی کہ اچھے اچھے سینے والے اس کے ہاتھ پر عش عش کرتے سنجیدہ جیسی سکھانیوالی، اور نسیمہ جیسی سیکھنے والی ماشاءاللہ دسوں انگلیاں دسوں چراغ تھیں۔ کیا مجال جو کپڑے پر کبھی کسی قسم کا داغ دھبہ نظر آیا ہو مزاج میں احتیاط یہاں تک کہ کبھی میلے ہاتھ تک سے کپڑا نہ چھوا۔ سینے بیٹھی تو پہلے جگہ صاف کی چاندنی ہوئی چاندنی، چادر ہوئی چادر، غالیچہ، قالین دری، رومال، کوئی چیز بچھا لیتی تیلی پٹیا اختر بختر کھولتی۔ کھانے سے فارغ ہوئی۔ صابن سے ہاتھ دھوئے۔ پھوپھی ناک پڑ کر سو گئی۔ مگر اس کے واسطے دن کا سونا حرام۔ ہاتھ ہے کہ چھپا چھپ چل رہا ہے۔ یتیم خانے کے چھوٹے چھوٹے بچے اپنے موٹے جھوٹے کپڑے لاتے اور وہ سر آنکھوں پر رکھتی۔ عید سے ایک دن پہلے ایک بچہ سات نہیں آٹھ برس کا ہوگا رات کے وقت اپنا کرتہ پاجامہ لینے آیا نسیمہ دن بھر اپنے چھوٹے بھائی کے کپڑوں میں لگی رہی کپڑا یوں کا یوں ہی رکھا تھا۔ بن ماں باپ کا بچہ اُجلے کپڑوں کی خوشی عید کی امنگ سب خاک میں مل گئی آنکھ میں آنسو بھر کر کہنے لگا "اچھا تو آپا میں جاتا ہوں" نسیمہ نے آنکھ اُٹھا کر دیکھا تو آنسو بہہ رہے تھے۔ سوچنے لگی اس کا میرے اوپر کچھ زور نہیں خوشی کا سودا ہے مگر اس کا دل اس وقت کیا کہہ رہا ہوگا بچے کو

اپنے پاس بلا کر سر پر ہاتھ پھیرا اور کہنے لگی بھابی اپنا دل نہ کڑا ہا۔ نماز سے پہلے آکر اپنے کپڑے لیجائیو۔ مانا کہ لڑکا کا بچہ تھا لیکن نسیمہ بھی تو بڑی بوڑھی نہ تھی۔ برس کا برس دن عید کا موقع رات بیچ میں۔ چوڑی مہندی، کپڑا اللہ ہی بیسیوں کام تھے مگر صد آفریں نسیمہ نو بجے رات سے لیکر جو بیٹھی تو گھر کا بچہ بچہ سو گیا اور وہ نہ ہلی۔ ادھر موذن نے صبح کی اذان دی ادھر اس نے ٹانکا توڑا۔

تربیت ہو تو آتی اور تقدیر ہو تو ایسی جتنی محنت حمیدہ نے نسیمہ پر کی سب ٹھیک لگی۔ سچ یہ ہے جیسی جانفشانی سے اس نے بھابی کی اولاد کو پالا آج کوئی اپنے پیٹ کی اولاد کو نہ پالیگا کون سا کام تھا جو نہ سکھایا اور کیا بات تھی جو نہ بتائی۔ چھ برس کی جان کو برابر بٹھا سوئی دھاگا حوالے کیا۔ کترنیں آگے ڈالیں اور ٹیپچی شروع کروادی۔ ذرا ہاتھ چل نکلا تو چھوٹے بھائی کا کرتہ دیا اور کہا برابر کے دونوں تنے ہیں۔ کندہوں کی ٹیپچی چار انگل ادہر چار انگل ادہر پھر دو نکراتی احتیاط کرنا دونوں ٹیپچیاں برابر ہوں یعنی اوپر کی پکی رہی اور نیچے کی پتلی دونوں سیونیں برابر رکھو گی تو سیون موٹی ہو جائے گی۔ کندہوں کی ٹیپچی کر لو تو بغلوں اور آستینوں کی سیونیں لو وہ بھی اس طرح کہ اوپر کی چکلی نیچے کی پتلی۔ مونڈھے کے اوپر دونو آستینوں کے درمیان دو انگل کی پٹی جوڑ کر لگانا سمجھ گئیں؟۔ چاکوں کے بیچ میں انگل بھر کی چکوتی لگے گی۔ جو بات نہ سمجھی ہو ابھی سے پوچھ لو۔

(ٹیپچی) ٹیپچی کی ترکیب یہ ہے کپڑا ہاتھ میں لیکر بڑا اوپر اور چھوٹا نیچے رکھا اور پھر سینا شروع کیا۔ سوئی میں جتنا کپڑا آجائے یعنی جب سوئی میں کپڑا بھر جائے اس وقت سوئی نکال لو۔ اور پھر آگے شروع کرو۔ اسی طرح ساری سیون ختم کر لو۔ جب پوری کر چکو تو جہاں سے ٹیپچی شروع کی ہو وہاں سے ناخن دو مطلب یہ ہے ناخن سے کھینچ کر صاف کر دو کہ ٹیپچی کے بیچ میں جھول یا سلوٹ نہ رہ جائے یا تاگے کی گرہ نہ پڑ جائے ہاں جہاں ٹیپچی ختم ہو وہاں دو تین ٹانکے لگا کر دھاگا توڑنا کہ ادھڑ نہ جائے پھر چھلکی دینا وہ اس طرح کہ سیون

کو موڑ کر بس پھر کرتہ کو ہاتھ سے صاف کر دو۔ اب کرتہ کھڑا ہو گیا۔ وہ جو مونڈھے کی پٹی چھوڑی ہے
اس میں لال ڈورا اور چکلی پٹی اوپر اٹھائی۔ نیچے کی تپلی سیون پڑ ورا رکھا اور وہ چکلی
سیون اوپر رکھدی سیدھا کیا اور کوک دی کہ چکلا تپلا نہ ہو جائے، کوک تم جانتی ہو نہ؟
(شیو) لمبے لمبے ٹانکے ڈورے کے برابر لگا دیئے کہ ڈورا چکلا تپلا نہ ہو۔ اب کرتہ کو پھر الٹا کیا اور
کلی کی سیون سے ترپن شروع کی اوپر کی سیون جو چکلی ہے کتر دی اس لئے موڑا اور وہ حصہ باہر کیا
حصہ اندر مگر موڑا اس طرح کہ سلوٹ نہ رہے پھر لمبے برابر ترپنا شروع کیا۔ باریک باریک کلی کی
سیون کو ترپتے ترپتے مونڈھے تک آئے مونڈھا کرکے دوسری کلی پر اتر گئے۔ اس کو نیچے
جا کر ختم کیا۔ غرض اسی طرح چاروں کلیاں کرلیں۔ پھر بغل کی سیون شروع کی دونوں
بغلوں کو ختم کیا اس کے بعد آستین کی سیون شروع کی اور دونوں آستینوں کو پورا کیا اتنا
ہو چکے تو کرتہ کو اب سیدھا کر دو۔

ترپن کا قاعدہ یہ ہے کہ کپڑا دونوں گھٹنوں میں پکڑ کر ایک ایک ٹانکا نکالنا شروع
کر دیا۔ تیپچی کی طرح نہیں کہ جب کپڑا سوئی میں بھر گیا تو چھوڑا اگر ہاں جس طرح تیپچی میں ختم
کرتے وقت دو تین ٹانکے لگاتے ہیں۔ اسی طرح ترپائی میں ٹانکا توڑتے وقت دو تین ٹانکے
یوں ہی لگا دیتے ہیں اور پھر ختم کرتے ہیں تیپچی کو ناخن سے صاف کرتے ہیں ترپائی کو
انگلی پھیر کر کہ ٹانکا اچھی طرح بیٹھ جائے۔

پھر کرتہ سیدھا کیا ایک انگل سے کم گھیر موڑا اور اس کی سیون ترپن کے لئے موڑ کر ترپنا
شروع کیا گھیر ختم کیا اور چاکوں کی سیون بہت پتلی موڑی اگر چاکوں میں ہو تو گھیر ترپا جائیگا
چاک نہیں ہو سکتی نہیں ہے تو چار سیونیں۔ یہ سب کر چکو تو چکوتیاں ترپنا پھر مونڈھوں سے
بخیہ شروع ہوا۔ ہو چکا تو چکوتیوں پر کیا۔ گھیر میں بیل لگنی ہے تو چکوتیاں نہ ہوں گی۔
ان کے بدلے کونے بنائیں گے، اب گریبان، تو پہلے ایک انگل پٹی داہنی طرف
لگائی ادھر سے لگا کر ادھر۔ یعنی الٹی طرف ترپا۔ چار انگل پٹی تین سکھ کی اکہری

لگائی اور ٹیپچی بھری۔ اس کو آدھا اُلٹا ڈورا دیکر قلم بنائی (کوکا) گریبان میں پٹی لگائی۔
چاہیے کا ر لگاؤ تو چاہے آڑی پٹی۔ کا ر ہوگا تو سیدھا پٹی ہوگی تو آڑی۔ پٹی لگائی ہے تو ڈورا
دیکر اس کو کوکا۔ کوک چکے تو پہلے یہ دیکھا کہ سیدھا ہے۔ پھر بخیہ کیا۔ اب دہر نیچے کا برابر رکھ کر
دیکھ لیا کہ درست ہے تو کاج بنا دیئے بخیہ کر دیا۔

(بخیہ) بخیہ بھی ترپائی کی طرح گھٹنوں میں رکھکر ہوتا ہے مگر ترپائی میں ایک ٹانکا برابر نکلتا ہے
بخیہ میں بالکل ملا ہوا ہوتا ہے۔ جس طرح خشخاش کا دانہ۔ بہت باریک ہونا چاہیئے۔ کرتہ تو خیر ختم
ہو گیا۔ مگر اور سے کی ابھی ترکیب رہ گئی۔

(اورسا) اورسا زیادہ تر پلنگ کی چادروں یا بچھانے کی چاندنیوں میں ہوتا ہے
اورسا دو طرح کا ہوتا ہے۔ پہلے میں تم کو سیدھا اورسا بتاؤں۔ ایک لیٹا اورسا کہلاتا ہے۔ پھر وہ
بتا دونگی۔ چادر کا سیدھا اورسا سمجھاؤں گی۔ مگر چادر میں تو پھل کا ٹانکا اچھا معلوم ہوتا ہے
خیر تمہارے سمجھانے کے لئے چادر ہی میں بتاتی ہوں۔ کنی سے کنی ملا کر چار انگل بھرے برے
سی لو۔ یوں ہی شروع کرو گی تو ایسا نہ ہو جھول رہ جائے۔ کنی بڑھتی ہو جائے پہلے تو چار انگل
پاؤں کے انگوٹھے میں پکڑ کر سی لیا۔ پھر گھٹنے میں رکھکر اورسا شروع کر دیا۔ اورسا ری سیون
ختم کر دی۔ انگوٹھے کے ناخن سے صاف کیا اور ٹھپکی دیدی اورسا دوردور نہ بھرنا چاہیئے
نہیں تو جالی پڑ جاتی ہے۔ پاس پاس ہو۔ گتھا ہوا ہو۔ اورسا موٹے تاگے سے ٹھیک ہوتا ہے
اس کا بھی ایک ایک ٹانکا لیا جاتا ہے۔ ترپائی میں اور اورسے کے ٹانکے میں فرق یہ ہے کہ اس کا
ٹانکا مہین ہوتا ہے۔ اس کا اس سے ذرا موٹا۔

چادر بس ابھی ایک کسر رہ گئی۔ دونوں آنچل ترپے جائیں گے۔ اگر ٹیپوں کی طرف
کنی ہے تو خیر ورنہ پٹی کی طرف سیون باریک پڑتی جائے گی۔ نشانی کے واسطے چاہے کیسی
بوٹی ڈال دو۔ اچھا لو کرتہ کا حساب سمجھو۔
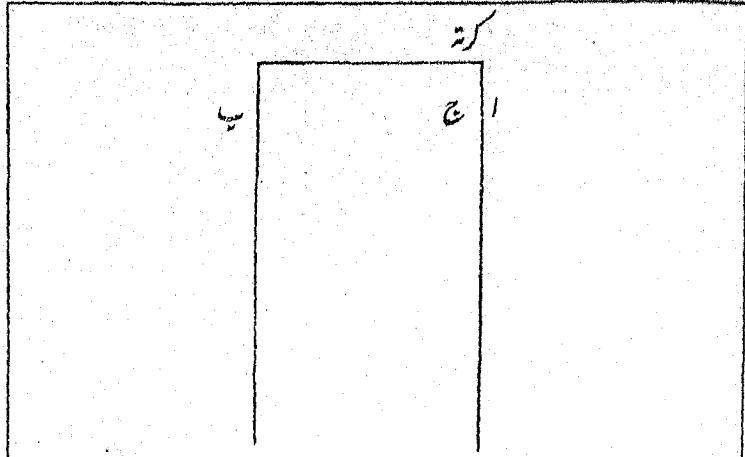
الف اور بے دو تنے ہیں۔ جب ان کی تیپچی بھر لی تو یہ اوپر نیچے ہو گئے۔ اب ضرورت ہے ان میں آستین لگانے کی۔ کسی ایک تنے کے بیچ میں شروع کرو یعنی لمبائی کے بیچ میں جس جگہ ج ہو۔ اس چکلان کے بیچوں بیچ آستین لگ جانے کے بعد یہ صورت ہوگی
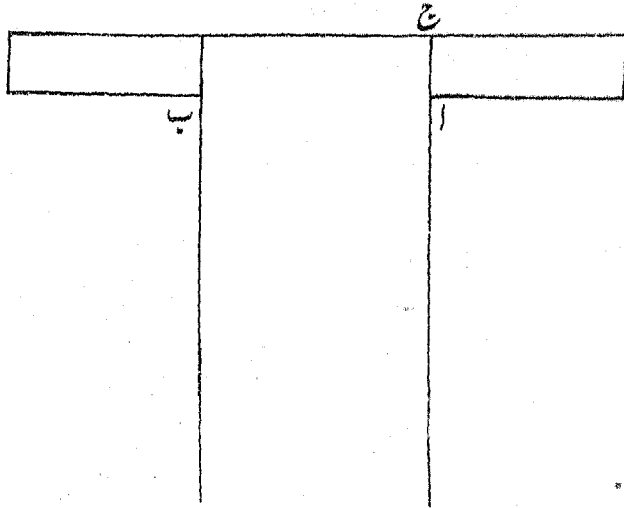
اب جو دو انگل کی پٹی موڑی ہے یہ ہر دو تنے پر ترپی جائے گی اور کرتہ اس ہیئت پر ہوگا۔
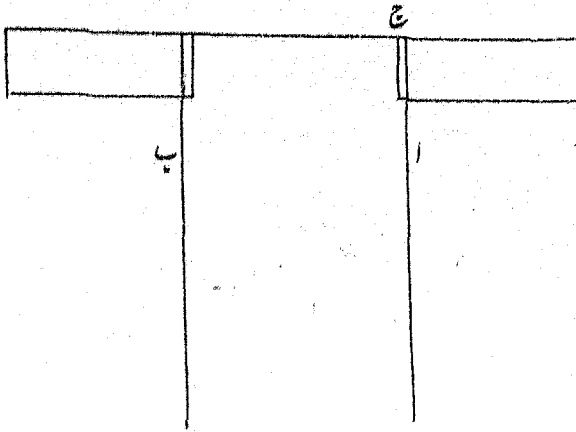
چاکوں کے بیچ میں جو چکوتیاں بنائی گئی ہیں اگر بیل نہ لگائی جائے تو وہ بھی کڑھائی
میں شامل ہیں جنکی صورت یہ ہے۔
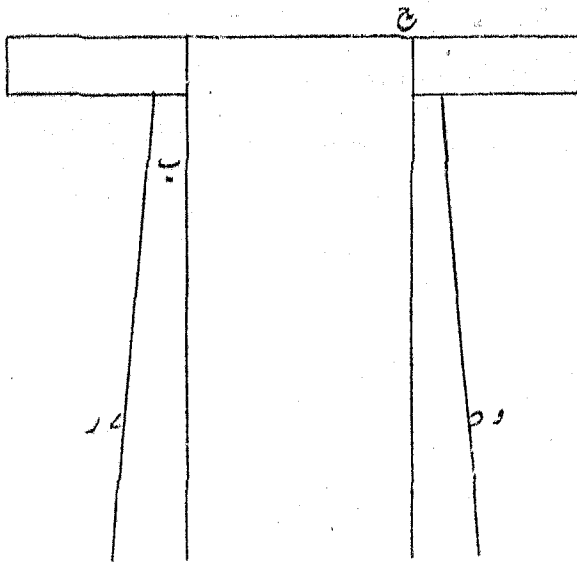
یہ د اور ر دونوں چکوتیاں ہیں نیچی کی ترکیب بتانے کے بعد جو لال ڈورے کا ذکر
آیا ہے وہ معمولی کرتوں میں ضرور نہیں۔ نہ مردانے کرتوں میں استعمال ہوتا ہے صرف زنانے
کرتوں میں وہ بھی اگر کپڑا اچھا ہو تو خوبصورتی کے واسطے۔ ریشم نل۔ تن زیب وغیرہ میں دیا جاتا ہے
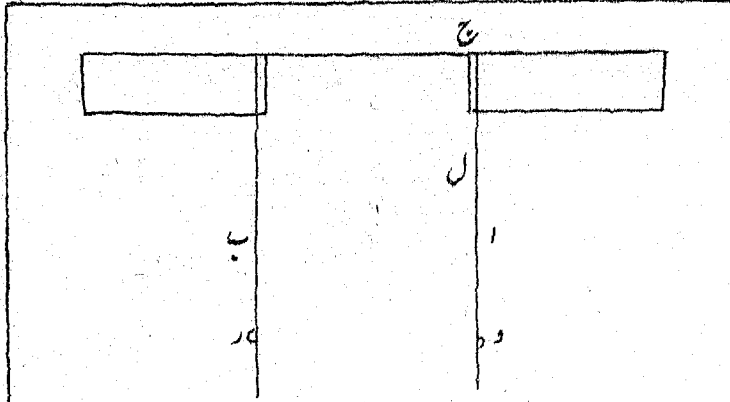
ل یعنی چنگل پٹی اوپر کی اُٹھا کر نیچے کی تہل سیون میں جہاں حرف ج ہے یہاں دوڑا رکھا اور سیدھا کر کے احتیاطاً کوک دی اور بخیہ شروع کر دیا۔ اب کلی کی سیون شروع کی اور وہ اسطرح
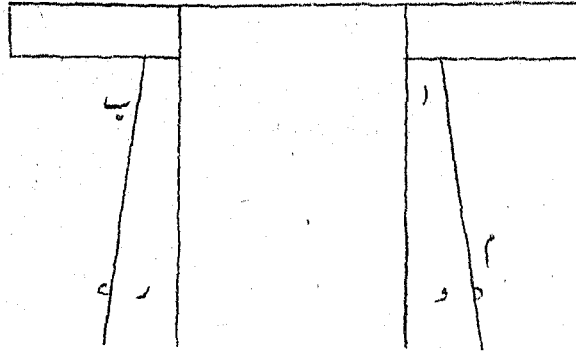
م اور نوٹ یہ دونوں کلیاں ہیں مگر کلی میں بغل پہلے سے لگا لینی چاہیئے۔ یہ کلی میں بغل جڑی ہوئی ہے۔
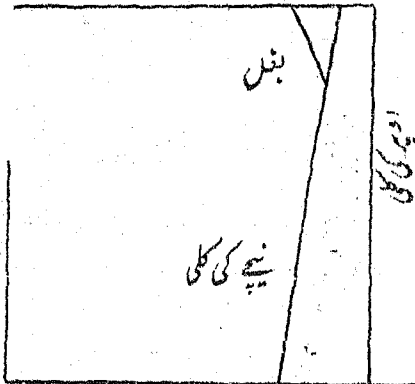
یہ دونو کلیاں بغل میں لگی ہوئی ہیں جو آستین میں لگا کر تنے پر لگیں گی۔
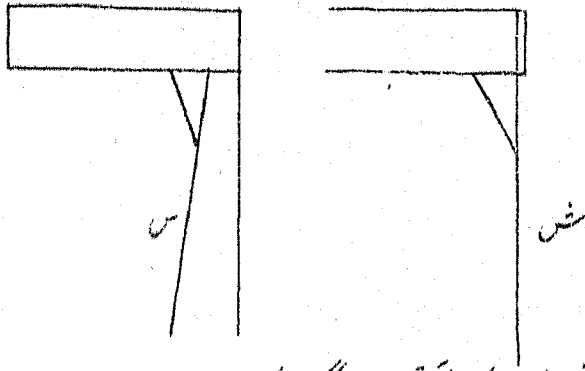
کلی میں بغل نکالنے کے بعد آستین میں لگی ہوئی صورت س سے ظاہر ہو رہی ہے جب کلی بغل میں لگی آستین میں جڑی تنے میں لگائی گئی تو اس کی صورت ش کی ہے۔
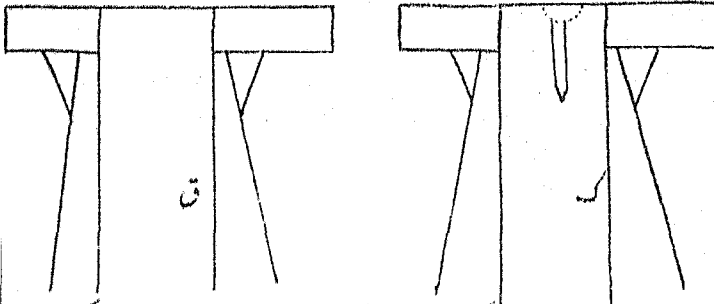
ق سادہ کرتہ ہے جس میں نقطہ گیر تہ پا ہوا ہے چکوتیاں لگی ہوئی ہیں بخیہ وغیرہ کچھ نہیں ہے ک بالکل تیار کرتہ ہے گریبان بیل لگی ہے لال ڈورا ہے بخیہ ہے یوں سمجھو یہ زنانہ ہے وہ مردانہ۔

(۳۷)

شوق سے سیکھنے والی دل سے سکھانے والی تسمیہ کے ہاتھ میں صفائی نہ ہوتی تو پھر کس کے ہوتی۔ کچھ ایسا چسکا پڑا کہ ادھر ادھر سے مانگ تانگ کر کپڑے لیتی۔ آدھی آدھی رات تک سیتی اور تیار کرتی۔ دس ہی کپڑوں کا کاٹنا تھا کہ تسمیہ گیا نک سے سک تک ٹانکے سے ٹانکا ملا کرتہ ہو یا پاجامہ صدری ہو یا انگرکھی ایک سے ایک بڑھی ایک سے ایک چڑھی۔ گیارہویں برس

تو یہ کیفیت تھی کہ غیر تو غیر خود سگی ماں شکل سے پہچانتی کہ یہ نسیمہ کا ہی ہے خدا کی قدرت
منجھلی کے ہاں ہوا لڑکا تحصیلدار صاحب کو بیٹے کا ارمان تھا۔ بھائی کہنے کو تو ماشاءاللہ
پانچ چھ تھے اور سب صاحب اولاد مگر نری بیٹیاں سینکڑوں تدبیریں ہزاروں
ترکیبیں۔ گنڈے اور تعویذ فلیتے اور ٹوٹکے۔ دنیا بھر کے جتن کر ڈالے مگر لڑکا نہ ہونا تھا
اور نہ ہوا۔ خدا خدا کر کے یہ دن ہوا کہ خاندان میں بیٹے کی صورت دکھائی دی۔ کنبے بھر میں
عید تھی وہ دھوم دھام ہوئی کہ سارے شہر میں نام ہوگیا۔ جس جس سے جو کچھ ہوسکا اپنی اپنی
حیثیت کے لائق سب ہی لین دین میں شریک ہوئے۔ نسیمہ نے بھی بھانجے کے لئے کرتہ
ٹوپی تیار کیا۔ پشمین ململ کا گلابی کرتہ۔ سبز ساٹن کا پاجامہ اسی کی ٹوپی پھوپھی کو بتانے
کی بھی ضرورت نہ ہوئی۔ اس نے آپ ہی کترا بھی اور سیا بھی۔ ٹوپی کے لئے ایک پٹی
آڑی تین انگل کی چکلی باڑ بنالی اور گول چندوہ کتر باڑ میں لگا لیا۔ نیچے قند کا استر
ایک قند کی پٹی سیدھی تین انگل کی چکلی پٹھے کے لئے نیچی لگائی۔ پہلے پٹھا ٹانکا
اس کے آگے پیچھے گوکھرو کی ایک لڑی اور پھر سادے کی کٹوریوں کی پنچ رنگی توئی آگے
پیچھے گوکھرو کی ایک لڑی اور پھر نری سنہری کرن اس سیدھی سی پٹی پر ٹانک کر
الگ بھی چندوے اور باڑ پر ماہی پشت کا گوکھرو کا جال بیچ میں کرن کا پھول مانگ پر
گوکھرو کی قینچی ٹانک وہ جو پٹھا الگ رکھا تھا اس میں لگا دیا۔ ٹوپی تیار ہوگئی۔ بہن کے
بچہ کی خاطر اس قدر محنت کی یہ تو کوئی ایسی انوکھی بات نہ تھی مگر نسیمہ کی مروت تو
اپنے بیگانے سب کے حق میں یکساں تھی۔ آدھی آدھی رات تک بیٹھی پڑوسیوں کے
کپڑے سیتی اور سینا نہ ملتا۔ مفت کا درزی بیلے داموں کی مغلائی سلوانے والوں
کا کیا جاتا تھا جس کو ضرورت ہوئی اٹھائے کپڑے بھیج دیئے۔ پڑوس میں ایک بڑی
بیگم رہتی تھیں۔ صبح کی نماز پڑھ کر ایک دن نسیمہ قرآن شریف پڑھنے بیٹھی کہ بڑی بیگم
صاحب کی ماما بڑے عرض کی چھ گز تنزیب لیکر آئی سلام کیا اور کہا۔ بیوی نے

بہت بہت دعا کہی ہی اور یہ کہا ہی کہ اگر آپ کو فرصت ہو تو چار کرتے سی دیجئے گریبان اور مونڈہوں میں کیکری اور کٹاؤ ہوگا۔

انکار تو بڑی چیز ہی نسیمہ کے مزاج سے تو تامل بھی مشکل تھا تن نہ بے گٹھری میں باندہ پڑہنے بیٹھہ گئی۔ دوپہر کو کھانے پینے سے فراغت پاکر کرتے سینے شروع کئے اور آستینیں لگائیں۔ ڈہائی انگل کی پٹی نین سکھہ کی پہاڑکر ادہر ادہر دونوں مونڈہوں پر لگائی بسیون کی جگہ ایک ایک انگل پٹی آستین کی طرف کیکری کے حق کی چہوڑکر بخیہ۔ برابر میں لال ڈورا دیکر کوک دی اور پہر بخیہ کیا

پٹی خالی

لال ڈورا

سیون تیچی
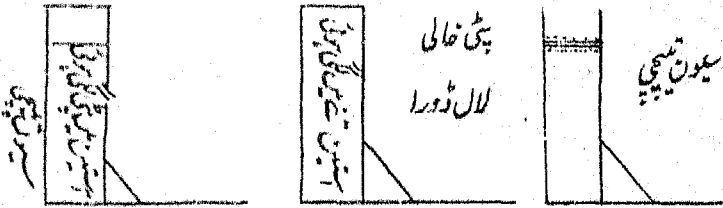
اب جو پٹی تہ کی طرف بچی ہی اس کو صاف کیا اور جتنی پٹی ادہر چہوڑی تھی اتنی ہی دوسری طرف کیکری کے حق کی چہوڑکر کوک دی۔ وہ پٹی جو کیکری کے واسطے باقی ہے اس کو انگل انگل بھر سے کم برابر کترا اور کیکری موڑکر سینا شروع کیا۔

خالی پٹی میں کیکری کتری ہوئی

کیکری کا کچھ حصہ مڑا ہوا
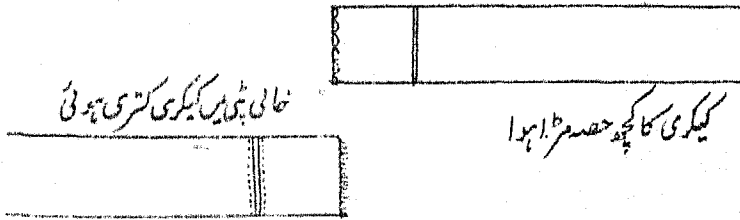
مڑتی گئی اور سیتی گئی دانہ اس طرح موڑا کہ اوپر سے زیادہ نیچے سے کم اتنا ہی دوسری طرف مڑا۔ تو بیچ کا دانہ خوبصورت ہوگیا۔ نوک ٹیڑھی نہیں بھونسڑا نہیں نوک سیدہی دانہ برابر۔ جتنی نوک پتلی مڑی اتنی ہی خوبصورت کیکری ہوئی

تیار کیکری

کیکری ہوچکی تو آستین کھولی اور اس کو اس طرح موڑا کہ کرتہ کا کپڑا الگ ہو اور نین سکھ جو
بیچ کا باقی ہو وہ الگ یہ بیچ کا نین سکھ یعنی پٹی جو باقی ہو اس کو اس طرح سیون سے سیون
برابر ملا کر دوہرا کیا کہ کمتی بڑھتی نہ ہو پھر اس کو ایک ایک چاول چکلا آڑا کترا اگر کوک تک ختم
نہ کیا نہیں تو پٹی بالکل کٹ جائے گی اور الگ ہو جائے گی۔ کترنے کے بعد صاف کیا بیچ میں
کوک دی اور ترپنا شروع کیا۔ مگر وہیں سے ترپنا شروع کیا جہاں سے کترا ہے۔ ایک طرف
سے جس قدر کترا ہو سب سیونیں ختم کیں۔ پھر دوسری طرف کا شروع کیا۔ کٹاؤ میں سب سے
بڑی احتیاط اس بات کی ہو کہ نوک برابر رہے۔ ایک کے پیٹ میں سے ایک ہو چکلی تیلی
یا ٹیڑھی سیدھی نہ ہو۔ گو بعض آدمی کٹاؤ پہلے کر لیتے اور بعض دوسری طرح سے بھی
کرتے ہیں۔ مگر یہ بہت آسان طریقہ ہو۔
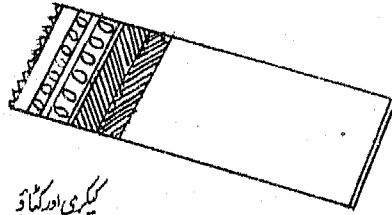
کیکری اور کٹاؤ

بیگم صاحب کی درخواست یا فرمائش جو کچھ بھی تھی بس اتنی کہ کیکری اور کٹاؤ ہو جائے
مگر نسیمہ نے تو کرتے ایسے طیار کیے کہ بیگم صاحب کی بھی آنکھیں کھل گئیں۔ گھیر میں پھول
پتی کی بیل ایسی کہ دیکھنے دکھانے کے لائق پہلے ایک انگل پٹی نین سکھ کی کتری اور گھیر پہ
رکھ کر ایک چاک سے دوسرے چاک تک بیچی بھر دی۔ موڑ کر چٹکی دی۔ صاف کیا۔
دھجی کو الٹ کر اس میں لال ڈورا دیدیا۔ سیدھا کر کے کوک مار دی۔ بخیہ کیا۔
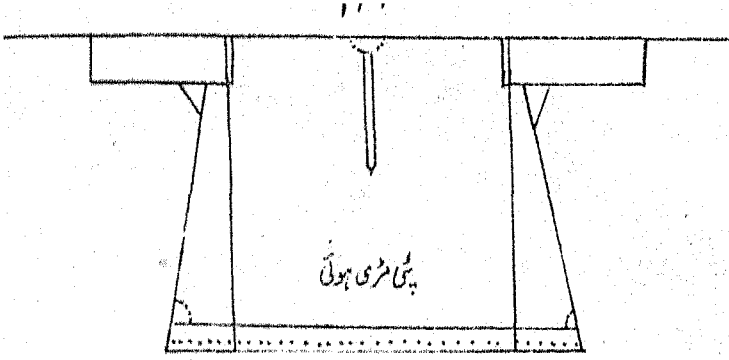
اب نیچے اتری تھوڑی سی جگہ بیچ میں الف سے ب تک چھوڑ کر بخیہ بغیر ڈورے کے کردیا۔ اس کے آگے کیکری بنائی۔ باریک بیچک کا دہرا دھاگا سوئی میں پرو کر کیکری کے آگے چاروں طرف بیچی بھر دی۔ ایک انگل کپڑا کترتے کا کیکری کے آگے والا دے تک چھوڑ کر موڑا۔ اور ٹپکی اس لئے دیدی کہ خط پڑ جائے خط کے اوپر ایک بیچی اور بھری۔
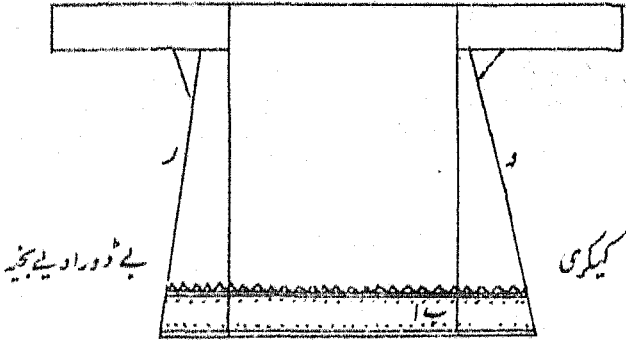
بیچ کی جو جگہ خالی ہے یعنی پٹی کیکری کے آگے کی د سے ر تک اس میں تاگے سے بھرنا ئی مگر بیچی کی۔ اس طرح کہ خانہ کمتی بڑھتی نہ ہو۔
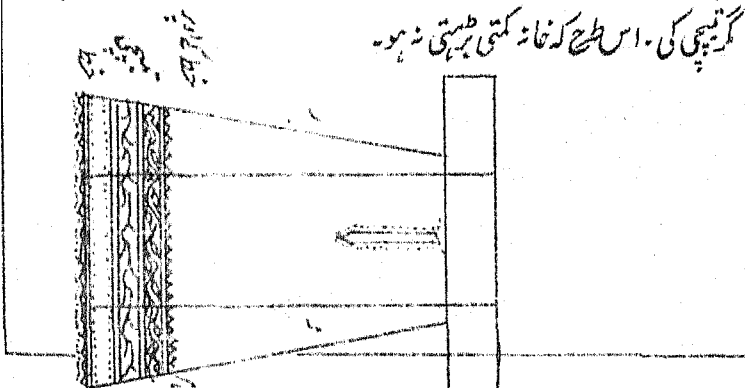
لہر میں یہ احتیاط رہے کہ نوک نکلی ہوئی ہو۔ لہر بن گئی۔ اب اس میں بیچ کے ٹھہرے دھاگے کی ڈنڈیاں کروشیہ سے نکالیں۔
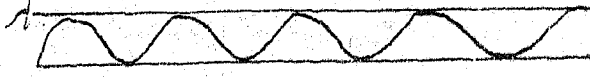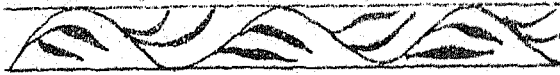
جب ڈنڈیاں بن چکیں تو ہر خانہ میں پھول بنائیے۔ تین سکھ کی پٹی انگل بھر سے ذرا کم موڑ کر ایک کتری اور اس میں پتیاں کترنی شروع کیں۔

اس لمبی پٹی کو موڑ کر انگل انگل بھر سے کم خط ڈال لیئے اور پھر قینچی سے اس صورت پر ہر نشان کو کترنا شروع کیا۔

اب یہ پتیاں کتری ہوئی اس ڈنڈی میں تین تین لگائیں۔ خواہ تینوں ایک قسم کی خواہ دو گول اور ایک لمبوتری۔ خواہ تینوں لمبوتری۔
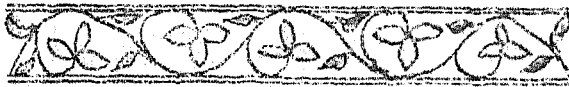
جب تینوں لگا دیں تو ایک ایک پتی کونے پر اور لگی اتنا خیال رکھا کہ پتی جتنی پتلی ہوگی خوبصورت اور جتنی پتلی ہوگی بہتری
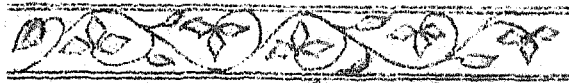
اب اس میں کنگورہ بنایا وہ اس طرح کہ سوئی میں دہرا تاگا لیکر پہلے بے پتی کے کنگورے کی قینچی سے بنائی۔

بے پتی کے کنگورے کی قینچی سے

اب اس ڈورے کے آگے آڑی پتیاں کتر کر نکالنی شروع کیں۔

رشتہ نہیں ناتا نہیں محلہ کا رہنا پڑوس کی بات بیگم صاحب سمجھتی تھیں نسیمہ جب کبھی گھر کے کام دہندوں سے چھٹکارا ہوا گھڑی آدھ گھڑی کو یہ بھی بے بیٹھیگی۔ اُٹھتے بیٹھتے مہینہ دو مہینے میں کسی نہ کسی طرح کرتے تیار ہو جائیں گے۔ مگر نسیمہ اللہ کی بندی کو تو شروع ہی سے مرض یا خبط جو کچھ بھی ہو گھٹی میں یہ بات پڑی تھی کہ جو کام کرنا ہو جب تک ختم نہ کر لے چین سے بیٹھے نہیں ایسی ہی کوئی مجبوری یا لمبا چوڑا کام ہوتا تو وہ دوسرے دن پر رکھتی نہیں تو کھانا پینا لیٹنا اٹھنا سب چھوٹ جائے مگر کام پورا ہو۔ کرتوں کا ہاتھ میں آنا تھا کہ لپٹ پڑی اور ختم کر کے چھوڑا۔ آٹھ ہی دن میں چاروں کرتے جھٹ پٹ سی سلا کاڑھ کوڑ تیار کر کر الگ کئے۔ بیگم صاحب نسیمہ کو سگھڑ ہوشیار مفتی سب ہی کچھ سمجھتی تھیں مگر کرتوں کو تو دیکھکر دنگ رہ گئیں کہتی تھیں ہاتھ ہی یا شین۔ یہ بیل بوٹے کیکری کنگورے لیئی سے جوڑے یا گوند سے چپکائے صفائی یہ کہ کیا مجال جو کوئی ٹانکا بڑا چھوٹا ہو گیا ہو۔ داغ دھبہ تو درکنار سلوٹ تک نہیں۔ آب تاب ایسی کہ جو بزاز کے ہاں تھی وہ سل سلا کے موجود۔ ساڑھے چھ آنہ گز کی تن زیب نسیمہ کا ہاتھ لگ جانے سے دس بارہ آنے گز کی نقل کو مات کر رہی تھی۔ دہلوانے کی ضرورت نہ استری کی حاجت بیچاری لپسیانی کی رہنے والی اُنہوں نے یہ ڈھنگ کہاں دیکھے تھے۔ وہ تو

ہی جانتی تھیں۔ ساٹن کا پائجامہ پہنتے پہنتے گھٹنے پر سے نکل گیا پہنے ہی پہنے سیدھی کھونپ بھر دو سلنگے مار لئے انہوں نے تو خواب میں بھی یہ صفائی ستھرائی نہیں دیکھی تھی منجھلی ہی کا جہیز دیکھکر کہتی تھیں بیوی دلّی والیاں، الٰہی توبہ، عورتیں کیا ہیں آفت کا پر کالہ پسند ہی کی چندی کرتی ہیں۔ کرتے دیکھکر تو جتنی بیٹھی تھیں سب ہی واہ واہ کرنے لگیں۔ بیگم صاحب تو بالکل ہی لٹو ہو گئیں۔ پہلے تو سمجھیں کہ دلّی والیاں سب ہی سگھڑ ہوتی ہونگی۔ مگر منجھلی کو دیکھتی تھیں تو زمین آسمان کا فرق تھا اسی ماں کی بیٹی اسی پھوپھی کی بھتیجی، بخیہ اور کیکری تو بڑی چیز ہے ڈھنگ کا ٹانکا بھی چاہو تو ناممکن۔ آخر کرتے ہاتھ میں لیکر کہنے لگیں۔ خوشا نصیب اس ماں کے جس کی یہ بیٹی اور دولہن سہاگ اس گھر کے جس میں یہ بہو ہو۔ شاباش ہے بی سنجیدہ کو کہ ایسی بچی اٹھائی۔ میں نے تو اس دن عقیقے ہی میں کہا تھا کیسی بھولی بھولی شکل تھی کہ دیکھکر دل خوش ہوتا تھا۔ ڈومنیوں کے ناچ میں سب ہی لڑکیاں بالیاں آئیں اور بچوں ہی کی خوشی تھی مگر ایک نسیمہ نہ آنا تھی نہ آئی۔ دو بجے کے قریب کھڑے کھڑے آئی — بیل کا ر وپیہ دے الٹے پاؤں سیدھی ہولی۔ میرا تو ایسا جی کڑھا ہے کہ کیا بتاؤں صبح نماز کے وقت ٹھنڈے پانی سے بیٹھی وضو کر رہی تھی۔ میں تو اس وقت سے اس کی دیوانی ہوں۔ چھوٹی سی تو یہ کچھ ہے۔ بڑی ہو کر کیا کچھ ہوگی۔ خدا اس کی عمر میں برکت دے اور پروان چڑھائے۔ لڑکی کیا نعمت ہے۔ بات کرے تو پھول جھڑیں آپا اور جناب کے سوا کوئی دوسرا لفظ اس کی زبان سے سنا ہی نہیں الٰہی اس کی ماں اور پھوپھی کا کلیجہ سدا ٹھنڈا رہے خیر بڈھے طوطے پڑھیں گے تو خاک مگر کوشش تو میں بھی کروں شائد کوئی ہنر ہاتھ میں پڑا رہے کچھ ایسا شوق چرایا کہ ایک لٹھے کا تھان ساتھ لے ڈولی منگوا سنجیدہ کے ہاں جا اتریں نسیمہ کو گلے لگایا سینکڑوں دعائیں دیں اور کہنے لگیں۔ بچی میں تو تیری شاگرد ہونے آئی ہوں وہ جو بی منجھلی کی چادروں میں پچھلی کا نٹا ہے میری بھی ایک چادر بنا دو۔ نسیمہ نے اسی وقت پانچ گز لٹھا پھاڑ دو پاٹ کی چادر تیار

کی۔ بیچ میں مچھلی کانٹا کیا۔ جب سیون کی جالی پوری ہوگئی پاٹ جڑ چکے تو چاروں طرف ایک ایک انگل موڑنا شروع کیا۔ ذرا دیکھ کوک کا بخیہ کیا۔ وہ جو کپڑا مڑ کر پیچھے رہا اس کی کیکری بنائی۔ آگے بازار کی بیل لگائی۔ تینوں پٹیاں کاڑھیں ایک پاٹ کی دو آس پاس چاروں کونوں پر چار بوٹیاں بنائیں۔ چادر تیار ہو چکی تو بیگم صاحب کہنے لگیں ذرا تم مجھکو مچھلی کانٹے کی ترکیب بتا دو۔ نسیمہ نے کہا ابھی لیجئے یہ بھی کوئی کام ہے۔ دیکھئے دونوں پاٹوں کو برابر کیا مگر اس طرح کہ جھول نہ رہے کنی سے کنی ملا کر سینا شروع کیا۔ بس اتنی بات ہے کہ سوئی دہاگے کے بیچ میں سے نکلکر کنی پر جاتی ہے۔
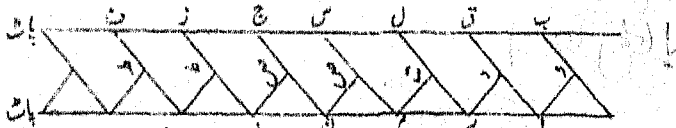
یہ دیکھیئے سوئی الف سے ب تک چلی اور پھر ب سے سوئی پلٹ کر اسی میں سے د کی جگہ ڈالکر ت تک نکال لی۔ ت سے ق تک لے گئے اور پھر اسی تاگے میں سے پرو کر م تک لائے م سے ن تک لے گئے۔ پھر اسی ت میں سے پرو کر ق تک لائے اسی طرح چلے گئے اگر تاگے میں نہ نکالو برابر سے سوئی نکالو تو جالی بنجائے گی۔

بات فقط اتنی ہے کہ سوئی ختم کرکے ذرا پلٹ کرکے نکال لی۔ مگر بیگم صاحب ایک چیز اور رہ گئی لائیے وہ بھی بتا دوں لٹے لیٹا اور ما کہتے ہیں اس میں کچھ بھی ہیر پھیر نہیں۔ نہ تاگے میں سے نکالو نہ پلٹو۔ سیدہی طرح سوئی نکالتی چلی جاؤ۔ لیجئے لیٹا ادما ہوگیا۔
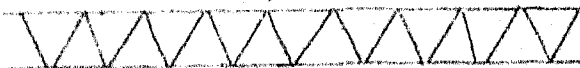
مچھلی کانٹے میں تاگا ذرا ڈہیلا رہیگا کہ خوبصورت معلوم ہو اور جالی میں بھی زیادہ نہ کھچے گا۔ ہاں اوٹے میں بہت کھچا رہیگا۔ اور مضبوط ہوگا۔ اُئی سے کنی ملی رہیگی۔ اگر کنی نہ ہو دونو طرف سے باریک موڑ لینا چاہیئے۔

ابھی بیگم صاحبہ بیٹھی ہوئی تھیں کہ برابر کے گھر سے کھڑکی کھول لڑکی چھپا ہوا کرتہ ہاتھ میں لیکر آئی اور کہنے لگی آپا نسیمہ! انگلیاں تو دو نو چھد گئیں اور بوٹی ایک بنی نسیمہ نے کہا۔ بوا! میں نے اسی وقت کہا تھا۔ دو چار بوٹیاں تمہارے سامنے بنا دوں۔ تم کہنے لگیں میں سمجھ گئی۔ دیکھو یہ مولسری کی بوٹی کہلاتی ہے صرف دو ٹانکے سے سی جاتی ہے پہلے ایک نیچے نکالا، پھر ایک اوپر۔ دیکھو یوں سمجھو۔ یہ بوٹی جڑ کی ہے۔ ب الف سے شروع کیا اور ت تک بیچ بھر کر لائے مگر اس طرح کہ یہ جو گنڈلی سی ہے اس پر پھیرتے ہوئے سوئی کو ت تک لائے ب

اب ایک ٹانکا جس جگہ د لکھا ہے یہاں نکالا۔ کیونکہ جڑ کی پتی بنانی ہے پھر تاگے کے نیچے سے سوئی نکالکر دوسرا ٹانکا اس پتی کی جڑ یعنی ت میں سے نکالا اب یہاں دو ٹانکے جڑ میں ت سے ب تک بیچ کے لیکر ٹانکا پتی بنانے کے واسطے وہاں لیا۔ جہاں ج لکھا ہے پھر اسی طرح سوئی کو اس پتی کی جڑ یعنی ب میں سے نکالا غرض اسی طرح تیسری چوتھی اور پانچویں پتی بنالی اسکے بعد یہ جگہ الف سے ب تک خالی ہے۔ اس پر آڑے اور سے کی سوئی نکلے گی یہ تو چھپی ہوئی ہے بہت مشکل نہیں۔

لے لو مولسری ہو گئی۔ اور یہ دیکھئے یہ دوسری بوٹی بیچ کی ہے اسے چو سوئیاں کہتے ہیں پتیاں اس میں کئی ہیں پہلے الف سے ب تک بیچ بھری پھر ب سے الف تک سوئی واپس پھیری تو الف کے پاس گنڈلی سی بنالی نیچے جڑ تیار ہوئی اب پتیاں بنانی ہیں جڑ یعنی ڈنڈی کے بیچ میں سے جہاں ج ہے پتی بنائی ہے پہلی پتی ج سے ٹانک گئی دوسری ڈال سے ج تک واپس آئی چونکہ بوٹی چھوٹی

کہلاتی ہی اس لئے ہر پتی پر چار سوئیاں نکلیں گی۔ یہ بوٹی تیار ہو گئی۔
مگر اتنی بات ہی کہ یہ کچی تیار ہی اگر پکی بنیگی تو کنڈلی کے بیچ میں
سے سوئی سے چھید کرکے اورما بھرا جائیگا۔ ہر پتی پر اورما ہوگا
اور ڈنڈی پر بھی۔ لیکن نین سکھ پر کڑھیگی تو بنیڈل سے
اور جو تن زیب پر کڑھیگی تو باریک تاگے سے۔ یہ جو کنڈلی میں چھید سا ہے یہ اورما ہو لوپکی
ہو گئی سب پتیوں پر اورما کر دیا ہی فقط اتنی بات ہی کہ ہر پتی پر آڑی سوئی سے اورما کیا
اب آپ ایک اور بوٹی ملاحظہ فرمائیے ایسے مویے کی چو سوئیاں کہتے ہیں۔ یہ اس طرح
کڑھتی ہی کہ چاروں سوئیاں اوپر ہی اوپر رہتی ہیں نیچے نہیں آتیں یعنی جڑ
تو اس طرح بنائی جس طرح پہلی بوٹیوں میں الف سے ب تک کھینچی اور کنڈلی بنا کر سوئی کو
د تک پھیر لائے اب جس طرح مولسری کی بوٹی میں جڑ کے بیچ سے پتی
بنانی شروع کی ہی اسی طرح د سے پہلا ٹانکا م پر نکالا اور دوسرا ٹانکا
ا پر نکالا اب تیسری سوئی اسی ٹانکے میں سے نکلیگی یعنی موتیا ہوگا م میں سے سوئی ہوتی
ہوئی ا پر آئیگی۔ اب سوئی ب کی طرف بڑھی۔ دو ٹانکے لیکر دوسری بوٹی پر سوئی
گئی۔ دو ٹانکوں سے مطلب یہ ہی ایک آ اور اس کے بیچ میں
اور ایک س پر۔ چنانچہ س پتی کی جڑ ہوگی۔ اب ٹانکا
ل پر نکالا اور دوسرا س پر تیسری سوئی ل میں سے ہوتی ہوئی س پر آئی اب آپ
سمجھ گئی ہوں گی بس اتنا خیال رکھیئے کہ سیدھی طرف سے شروع اور الٹی طرف ختم
ہاں یہ یاد رکھیئے کہ تیسری سوئی تاگے کے اندر سے نکلیگی۔ رہی یہ بیچ کی کنڈلی اس پر
اسی طرح جیسا پہلی بوٹیوں میں آپنے دیکھا تین چار دفعہ سوئی پھیر کر چھید کر لیا اور اورما
کر لیا۔ چاہے پتیوں سے پہلے چاہے پیچھے۔ اچھا ایک آدھ
بوٹی پکی بھی ملاحظہ کیجئے۔ دیکھیئے خانہ ترڈ کی بتاتی ہوں
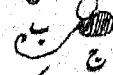
پہلے الف پر اورمے کی پکی کنڈلی بنائی پھر سوئی تیپچی بھر کے ب تک لائے اس پر آڑا اورما
شروع کیا کہ پکی ہو جائے ب ج اب جو یہ جڑ کی بنی ہی ج اس کو پکا کیا
یعنی آڑا اورما کیا یہ ج ب دیکھئے پٹی پر آڑا اورما ہوا ہی۔ پکی ہو گئی اب
اس کے بعد باقی پتیاں شروع کیں ملاحظہ کیجئے۔ نیچے کی پتّی تو اسی قسم کی رہی باقی پتیاں
ایسی رہیں گی یہ آپ کو اختیار ہی چاہے نیچے ایک کہئے یا دو مگر ہاں یہ خیال
رکھئے گا جب پتّی ج کی تیار ہو گئی تو دال کی تیاری کے وقت پتی
کی ڈنڈی کی جڑ میں جہاں تم ہی دوٹانکے لے کر سوئی سے اُوپر
جاکر پتّی کے بیچ میں چھید کیا۔ پھر برابر چھید میں اورما شروع کیا۔ پتّی میں آڑا ہی یوں تی
میں گول ہو گا۔ اس کے بعد ڈنڈی میں جہاں دوٹانکے تیپچی کے لئے تھے اس پر اورما کر دیا
اسی طرح سب پتیوں کو تیار کر لیا۔ یہ تو ہو گئی۔ اب ایک بوٹی پہنارے کی جسے بٹن بھی کہتے
ہیں۔ جڑ اور ایک پتّی تو اس طرح بنے گی۔ جیسے پہلے۔ ہاں
پتیوں میں فرق ہی۔ دیکھئے یہ پہلی پتی آل کی ہے۔ اس کی ترکیب
یہ ہے۔ جب جڑ اور جڑ کی پتّی بنالی تو پتّی آل پر آئے۔ پہلے تو تین چار دفعہ اندر سوئی
پھرا کر چھید کر لیا اب چھید میں سوئی نکالی اور ہاتھ کے انگوٹھے سے تاگا دبا کر دوسری
سوئی پھر نکالی چونکہ تاگا دبا ہوا ہی۔ دوسری سوئی تاگے کے اندر سے نکلے گی۔ اسی طرح
تیسری سوئی تاگے کے اندر سے نکالی۔ غرض جتنی سوئیاں نکلیں گی تاگے کے اندر سے
نکلیں گی کہ پھندا بنجائے۔ غرض اسی طرح سب بنالیں۔ چاہے تین رکھے چاہی چار رکھے
نسیمہ لڑکی کو سمجھاتی رہی اور بیگم صاحب بھی پاس بیٹھی توجہ سے سنتی رہیں وہ تو پہلے ہی سے نسیمہ کا
کلمہ پڑھ رہی تھیں اس وقت بالکل ہی ایمان لے آئیں اور ہزاروں دعائیں دیتی ہوئی رخصت ہوئیں

(۲۸)

بھتیجی کو دیکھہ دیکھکر پھوپھی کا خون چلوؤں بڑھتا تھا۔ کہتی تھی اس بچی پر سو بیٹے قربان اور اس تھپڑ

ہیرے اور لال نثار۔ گیارہویں برس کا پورا ہونا تھا کہ کنبہ بھر میں ہاک ہوگئی قیمتی سے قیمتی کپڑے اور مشکل سے مشکل پھول پتیاں جو ساٹھ ساٹھ برس کی بڑی بوڑھیاں دیکھ کر حیران ہوں! اتنی سی جان بے چھاپے اور بے نشان الٹے ہاتھ کا کرتب یعنی سنجیدہ کی گڑیا بارہ برس کی عمر میں پچاس برس کی بڑھیا پھوپھی سے بازی لے گئی ایسے ایسے ترنج اور بیل پتیاں دل سے نکالتی اور ہاتھ سے بناتی کہ وہ پھوپھی یا استانی جو کچھ تھی دنگ رہ جاتی۔

ایک دن دوپہر کے وقت باہر سے نوکر نے گھر کا ملمع[۱] بھیجا اور دروازے پر کھڑے ہو کر کہا یہ پونے بیالیس روپے کا سودا آگیا۔ تول لیجئے اور حساب کر لیجئے۔ دس روپے کے گیہوں پونے گیارہ سیر کے ہیں۔ آٹھ روپے کا گھی ڈیڑھ چھٹانک سیر کا ملا ہے پہلے ان دونوں کو تلوا تو اور بتاؤں نسیمہ نے پتیلے کا دھڑا کر کے بھیجدیا تھا۔ دھڑے کے بٹ ترازو میں جوں کے توں رکھے تھے اس نے ماما کی نواسی سے کہا کہ تول لے۔ گھی تولا تو پونے نو سیر اترا نواسی کہنے لگی لو چھوٹی بی پونے نو سیر ہے۔ ایک روپیہ کا ڈیڑھ چھٹانک سیر آٹھ روپے کا کتنا چاہیئے۔

نسیمہ۔ مجھ سے پوچھ رہی ہو خود نہیں حساب کر سکیں؟ پہاڑے اگر یاد ہیں تو کیا دقت ہے سیر کی سولہ چھٹانکیں ہوتی ہیں آٹھ روپے کا آٹھ سیر تو الگ ہو گیا اب رہا ڈیڑھ چھٹانک فی روپیہ۔ آٹھ ڈیوڑھے بارہ۔ یوں سمجھو آٹھ روپے کی آٹھ چھٹانکیں الگ ہوئیں۔ اب رہ گیا آدھی چھٹانک فی روپیہ آدھی چھٹنکیوں کی چار چھٹانکیں چار چھٹانکوں کا پاؤ سیر تو اب جوڑ لو آٹھ سیر ایک۔ آٹھ چھٹانک ایک ساڑھے آٹھ سیر تو یہ ہو گیا۔ پاؤ سیر ایک پونے نو سیر ٹھیک تو ہے اچھا یہ تو بتاؤ اگر ڈیڑھ چھٹانک کم سیر ہوتا تو کتنا ہوتا پہلے چھٹنکیوں سے حساب کرو۔ سیر کی سولہ۔ ڈیڑھ چھٹانک فی سیر کم ہے سولہ چھٹانک میں سے ڈیڑھ چھٹانک نکال دو ساڑھے چودہ رہیں۔ اب آدھی چھٹانک تو الگ کر دو۔ چودہ رہیں آٹھ روپے کا حساب کرنا ہے چودہ اٹھے ایک سو بارہ اگر آدھ پاؤ کم سیر ہوتا یعنی چودہ چھٹانک فی روپیہ تو آٹھ روپیہ کا

ایک سو بارہ چھٹانک ہوتا۔ مگر میں پوچھ رہی ہوں ڈیڑھ چھٹانک کم یعنی آدہ پاسے آدہی چھٹانک بڑہتی تو اب آدہی چھٹانک فی روپیہ اور حساب کرلو۔ آٹھ کے آدھے چار تو گویا چار چھٹانکیں اور ہوئیں ایک سو بارہ تو اوہر ہوئیں اور چار یہ کل ایک سو سولہ چھٹانکیں ہوئیں ان کے سیر بنالو۔ سولہ ستے ایک سو بارہ سیر تو یہ ہو گئے۔ چار چھٹنکیوں کا پاؤ سیر۔ کل سوا سات سیر ہوا۔ دیکھو یہی ہے پہاڑہ۔

	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
دو	دو	چار	چھہ	آٹھ	دس	بارہ	چودہ	سولہ	اٹھارہ	بیس
تین	تین	چھہ	نو	بارہ	پندرہ	اٹھارہ	اکیس	چوبیس	ستائیس	تیس
چار	چار	آٹھ	بارہ	سولہ	بیس	چوبیس	اٹھائیس	بتیس	چھتیس	چالیس
پانچ	پانچ	دس	پندرہ	بیس	پچیس	تیس	پینتیس	چالیس	پینتالیس	پچاس
چھہ	چھہ	بارہ	اٹھارہ	چوبیس	تیس	چھتیس	بیالیس	اڑتالیس	چون	ساٹھ
سات	سات	چودہ	اکیس	اٹھائیس	پینتیس	بیالیس	انچاس	چھپن	تریسٹھ	ستر
آٹھ	آٹھ	سولہ	چوبیس	بتیس	چالیس	اڑتالیس	چھپن	چونسٹھ	بہتر	اسی
نو	نو	اٹھارہ	ستائیس	چھتیس	پینتالیس	چون	تریسٹھ	بہتر	اکیاسی	نوے
دس	دس	بیس	تیس	چالیس	پچاس	ساٹھ	ستر	اسی	نوے	سو
گیارہ	گیارہ	بائیس	تینتیس	چوالیس	پچپن	چھیاسٹھ	ستتر	اٹھاسی	ننانوے	ایکسو دس
بارہ	بارہ	چوبیس	چھتیس	اڑتالیس	ساٹھ	بہتر	چوراسی	چھیانوے	ایکسو آٹھ	ایکسو بیس
تیرہ	تیرہ	چھبیس	انتالیس	باون	پینسٹھ	اٹہتر	اکیانوے	ایکسو چار	ایکسو سترہ	ایکسو تیس
چودہ	چودہ	اٹھائیس	بیالیس	چھپن	ستر	چوراسی	اٹھانوے	ایکسو بارہ	ایکسو چھبیس	ایکسو چالیس
پندرہ	پندرہ	تیس	پینتالیس	ساٹھ	پچہتر	نوے	ایکسو پانچ	ایکسو بیس	ایکسو پینتیس	ایکسو پچاس
سولہ	سولہ	بتیس	اڑتالیس	چونسٹھ	اسی	چھیانوے	ایکسو بارہ	ایکسو اٹھائیس	ایکسو چوالیس	ایکسو ساٹھ

اور یہ دونو سطریں تو یاد ہوں گی۔ یا اس میں بھی سوچنے کی ضرورت ہے۔

[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

اتنا البتہ یاد رکھنا چاہیئے کہ تولے ماشے تو ہر وقت ہر گھر میں ہوتے نہیں اگر تولہ بھر تولنا ہو تو روپیہ چھٹانک بھر تولنا ہو تو پانچ روپے بھر تول لیا۔ ایک حساب اور بتاؤ۔ اگر کبھی ڈیڑھ چھٹانک کے بدلے ڈھائی چھٹانک کم ہوتا اور آٹھ کے بجائے سات روپے کا ہوتا تو کتنا ہوتا۔ دیکھو سولہ چھٹانک کے بدلے ڈھائی چھٹانک کم کرو ساڑھے تیرہ ہیں۔ سات کا حساب کرنا ہے۔ تیرہ ستے اکیانوے آدھی چھٹانک باقی ہے سات کے آدھے ساڑھے تین۔ اکیانوے اور ساڑھے تین چورانوے اب چھٹنکیوں کے سیر بنا لو۔ سولہ چھکے چھیانوے۔ چھیانوے ہوتیں تو چھ سیر ہوتے اب یہ ساڑھے چورانوے ہیں۔ یعنی ڈیڑھ چھٹانک کم۔ تولے لو حساب ہو گیا۔ ڈیڑھ چھٹانک کم چھ سیر۔

اچھا اب گیہوں تو لو پونے گیارہ سیر کے کہہ رہا ہے۔ دس روپے کے کتنے ہونگے گیارہ دہائی ایک سو دس گیارہ سیر کے ہوئے تو ایک سو دس سیر ہوئے اب پونے گیارہ ہیں یعنی پاؤ سیر کم دس پو سیروں کا کیا ہوا۔ ڈھائی سیر ایک سو دس میں سے ڈھائی نکال لو۔ ایک سو ساڑھے سات سیر ہوئے اس کے من بنا لو۔ دو من اسی سیر ہو گئے۔ باقی بچے ساڑھے ستائیں سیر اس کا دھون بناؤ گی تو بیس سیر کا دھون۔ دو من ایک دھون ساڑھے سات سیر ہوئے۔ دھڑی بناؤ تو پانچ سیر کی دھڑی۔ چاہے دو من ساڑھے پانچ دھڑی رکھ لو۔ چاہے دو من ایک دھون ڈیڑھ دھڑی رکھ لو۔

نوبہار (تولکر) جی ہاں چھوٹی بی ٹھیک ہیں۔ دیکھئے ذرا سے اُڑتے ہیں۔

نسیمہ۔ خیر اس کا خیال نہ کرو چھٹانک آدھی چھٹانک جیجن کے ادھر اُدھر ہو گئے تو جانے دو۔ یہ تو تم جانتی ہو تین ادہ بیوں کا ڈیڑھ پا تین چھٹنکیوں کا پون پا اور ہاں یہ بتاؤ اگر یہ گیہوں سوا چودہ سیر کے ہوتے تو دس روپے کے کتنے ہوتے دیکھو چودہ دہائی ایک سو چالیس اگر چودہ سیر کے ہوتے تو سیدھا حساب تھا اب یہاں سوا چودہ ہیں پاؤ سیر بڑھتی ہیں۔ دس پؤسیریوں کے ڈھائی سیر اور زیادہ کرلو۔ ایک سو چالیس سیر کے ساڑھے تین من ہوئے نہیں چالیس پر تقسیم کرلو۔ چالیس تیئے ایک سو بیس تین من تو الگ ہو گئے۔ بیس سیر یا دہون بھر یا چار دہڑی الگ ہیں۔ ساڑھے تین من سمجھو۔ بس اب ڈھائی سیر رہے لو حساب پورا ہو گیا۔

اچھا اور بتاؤ ایک چیز چودہ آنے سیر ہے۔ پون پا کتنے کی ہوئی اور پاؤ بھر کتنے کی بشنو۔ ایک بہت آسان طریقہ بتاتی ہوں۔ یہ تم کو معلوم ہی ہے تین پائی کا ایک پیسہ، چار پیسہ کا ایک آنہ سولہ آنے کا ایک روپیہ پندرہ روپے کی ایک اشرفی جس کو گنی سورین پونڈ بھی کہتے ہیں۔ لو اب چیز کے دام گنو۔ چودہ آنہ کی سیر ہے نہ۔ ان چودہ آنے کے پیسے بنالو چودہ چوک چھپن پیسے ہوئے یعنی ایک چیز چھپن پیسہ کی سیر بھر ہے تو پون پا کتنے کی۔ یوں حساب کرو کہ ساڑھے تین پیسے چھٹانک ہوئی۔ چھپن پیسے کی سیر بھر اٹھائیس پیسے کی آدھ سیر چودہ پیسے کی پاؤ سیر ہوئی۔ اس میں سے چھٹانک بھر کے دام نکالو۔ پون پا کے معلوم ہو گئے چھٹانک بھر کے بڑھا دو سوا پا کے معلوم ہو گئے۔ چودہ میں سے ساڑھے تین پیسے نکلے۔ دہیلا ڈھائی آنے رہے۔ یہ پون پا کی قیمت ہوئی۔ چودہ میں ساڑھے تین جوڑ دیئے۔ دہیلا سوا چار آنے ہوئے۔ یہ سوا پا کی قیمت ہو گئی۔

لو اب یہ دال چاول سب تول لو۔ مونگ کی دال ایک آنہ روپے کی آٹھ سیر سوا چار روپے کی تیس سیر ہوئی ٹھیک ہے۔ مرچیں اچھی سرخ ٹینہ کی کھلے بہا ؤ چھ آنے

سیر بکے ہی ہیں۔ سوا سیر ساڑھے سات کے نے کی ہوئیں۔ یہ پونے آٹھ آنے کی کس حساب سے
بتا رہا ہے۔ نئی چھالیہ کس نے منگائی تھی۔ آدھی سے زیادہ گلی نکلتی ہے۔ یہ توریوں کی یوں
ہی الٹی پھیرو۔ بیوقوف کہیں کا جانا بڑی بی کہنا بارہ مہینے کا لانے والا۔ میں کبھی نئی چھالیہ
کھاتی ہوں، پرانی لا۔ دیکھو کتھہ بھی اُڑتا ہوا ہے۔ کمبخت آنکھیں بند کرکے کیوں سودا لاتا ہے
کیوں بے کریم یہ کتھہ پاؤ سیر ہے۔ سوا روپے کے دام اور پھر بھی اُڑتا ہوا؟ دیکھے نہ بھالے،
تولے نہ جوکھے جو دکاندار نے دیدیا آنکھیں بند کیں اور لے آیا۔ تجھے بھی ہیروں پھیروں کا
مزا پڑ گیا ہے۔ بس ایک گیا گیا شام کو پلٹیو۔ مفت کا پیسہ تو نہیں ہے کہ جو تولے آئے وہ میں
رکھ لوں۔ کوئی ایسا سینکڑوں کوس بڑا نہیں کہ چلتے ہی چلتے آندہ آ جائے۔ نگوڑی
دو قدم پر منڈی ہے۔ ہاں یہ ارہر کی دال نو سیر کیونکر آئی۔ پرسوں ہی تو نصیباً بھائی
کے یہاں نئی دال سوا دس سیر کی لائی تھی۔ تجھے مرد کی صورت دیکھکر اور سوا سیر کم کر دی
جا اس کو بھی پھیر۔ عورت ذات تولائے سوا دس سیر یہ سو سانو ہی سیر اٹھا لائے۔ یہ
چنے تیرہ سیر بارہ آنے کے کس حساب سے ہوئے۔ دنیا جہان میں پونے اٹھارہ بک رہے
ہیں، ایک روپے کے پونے اٹھارہ۔ آٹھ آنے کے آدھ پا کم نو سیر چار آنے کے چھٹانک کم
ساڑھے چار سیر جو چار آنے کے ہوئے وہ پونے اٹھارہ میں سے نکال دو۔ باقی بارہ آنے کے
رہ جائیں گے تو پونے اٹھارہ میں سے چار سیر گئے پونے چودہ ہے اس میں سے آدھ سیر اور نکالو
سوا تیرہ رہے مگر نکالنے میں چھٹانک کم آدھ سیر اور نکالے پورے آدھ سیر سوا تیرہ سیر میں چھٹانک
پھر اندر ملاؤ سوا پاؤ ہوئے۔ یہ فقط تیرہ سیر ہیں۔ سوا پاؤ کہاں غارت ہوئے۔ جب
کمبخت سودا لائیگا ایسا ہی خاک اُڑا لائے گا۔ آدھا پاؤ دانا پونا جو ہاتھ لگا لایا اور
پٹخ دیا۔ غضب خدا کا یہ چھ سیر چاول ہیں موٹے کھدی۔ بھائی آتا کہا جتنا آٹے
میں نمک۔ بی نواسی! اب یہ سب چیزیں مٹکے ٹھلیوں میں بھر کر کوٹھری میں رکھ قفل
لگا دو۔ مہینہ بھر کا سب سامان ہے۔ سب سے پہلا کام یہ ہے کہ مہینے بھر کا طمع گھر میں موجود ہو

ابھی ایندھن باقی ہے۔ اللہ چاہے کل وہ بھی منگوالیں گے۔

گیہوں بھی سیلے معلوم ہوتے ہیں پہلے انکو اچھی طرح سکھا لینا۔ پھر پسنہاری کو تول کر دینا۔ مگر بیسن کی ایک چٹکی بھی گھر میں نہیں ہے۔ چنے تو کل ہی سکھا چھان پھٹک پسنہاری کے کے حوالے کردو۔ ایک دفعہ ہی اکٹھے پسوا لو روز روز کی کہاں تکلیف اُٹھاؤ گی۔ بڑی بی تو اور قسم کی آدمی تھیں۔ یہ لمبی بڑھیا مجھے ذرا چلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ پرسوں بھی ویٹھوں کی تہی کی تہی ٹھلکے میں سے نکالکر لائی ہوں تم ہشیار رہنا۔ چیز نہ رکھوانی اور چوروں کا لی دو۔ اس پر کوٹھری نہ چھوڑنا۔ جو چیز نکلواتی ہو اپنے سامنے نکلوائی اور قفل لگوادیا احتیاط کرو گی تو مہینہ بھر سے ایک آدھ دن زیادہ ہی کا سودا ہے۔ پھوپی اماں بہت اچھا کرتی ہیں کہ مہینہ بھر کا سودا منگوا لیتی ہیں۔ یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ چٹھی گئی اور بنیئے کے ہاں سے جنس آگئی۔ خیر نہ برکت حاصل نہ فائدہ سیر کا تین پاؤ تو بنیئے نے بھر ایا۔ چھٹانک آدھ پاؤ ماما نے ہضم کیا۔ روٹی پکی تو کیسی کہ دانت نہ دیا جائے کرکرا بے حساب، بُرے سے بُرا اور خراب سے خراب خشکی ہتر گئی تو اب بنیئے کی دکان پر دوڑے جاؤ۔ گھی ہے وہ آدھا چربی آدھا تیل۔ مہینہ بھر تک قرض کا پھیر رہا۔ تنخواہ آئی اور ریوڑیاں سی بٹ گئیں پھر وہی بنیئے کی منت اور خوشامد۔ پھوپی اماں کہتی ہیں چاہے سوکھا آٹا اور روکھی دال کیوں نہ ہو گا گھی بھروالے سالن نہ ہو گا دال۔ دال نہ ہو گی چٹنی۔ دو وقت نہیں ایک وقت۔ وقت پر نہیں بے وقت۔ گھر میں چیز تو ہر وقت موجود ہو گی۔ وہ اس تکلیف کو اس آرام سے اور اس دکھی کو اس دغتی سے ہزار درجہ بہتر اور برتر سمجھتی ہیں۔ اب دیکھو چاروں طرف تلا توپ ڈال رکھی ہے۔ ایک آیا ہے کہہ رہی ہیں صبح بھی بھائی اقبال کو ٹال پر بھیجا تھا کہ ایندھن اکٹھا پڑ جائے۔ اول تو سادے ہی دلوں میں انکی عادت ہمیشہ بھی ہی اور پھر آج کل تو سر پر برسات آرہی ہے۔ بازار کے بھیگے چوڑا اُپلے سیلی لکڑیاں بیٹھے پھوں پھوں کرتے رہو تکلیف کی تکلیف نقصان کا نقصان۔ مٹی کے تیل کی کوئی نہ دنئے کبھی بوتل

نہیں منگوائی ہمیشہ کنستر۔ ایک بڑی کا فائدہ رہتا ہے اور پھر تیل اچھا۔ یہ نہیں کہ آج دہلوایا ہے کل چمپی کالی ہوگئی پرسوں پانی ملا ہوا ہے۔ کوڑیوں اور پیسوں کے حساب کہ تم ادنی چیز سمجھتا ہے ذرّوں سے شہر اور کوڑیوں سے روپے بنتے ہیں۔ بھوئیاں بھوئیاں تالاب بھرتا ہے۔

ہاں بی ظہورن! اشرفی میں سے کیا کیا لائیں؟ دو روپے گیارہ آنے کا کنستر لو نیچے چودہ آنہ کا پان۔ کیا ہوا۔ گیارہ آنے اور چودہ آنے پچیس ہوئے ایک روپیہ نو آنے بلکہ ایک پیسہ کم دو روپے۔ ادھر کنستر کے ہیں تین روپے پونے نو آنے ہوئے پیسہ کی پچکیں پورے نو آنے ہوئے۔ پانچ پیسے کا بنڈل سوا دس آنے تین پیسے کے ریل پونے گیارہ آنے یعنی تین روپے گیارہ آنے کا سودا آیا۔ ساڑھے پانچ آنے کے دو ٹکے۔ پونے تین آنے۔ چلو دو پیسے چار روپے ہوئے۔ باقی دس روپے ساڑھے پندرہ آنے لاؤ۔

پھوپھی پاس بیٹھی سن رہی تھیں اور خوش ہو رہی تھیں کہ نسیمہ نے کس خوبی سے نواسی کو حساب کی باتیں سمجھائی ہیں۔ جی میں آیا کہ نسیمہ کو کچھ باتیں اور سمجھا دے کہنے لگی!

اچھا بی نسیمہ، میں تم سے ایک بات پوچھتی ہوں سوچ کر جواب دینا۔ دیکھو ٹھیک ٹھیک بتانا۔ بیس آدمیوں کی دعوت، بریانی، قورمہ، شامی کباب تین چیزیں تیار کرنی ہیں۔ بتاؤ کیا کیا چیز کتنی درکار ہوگی۔ تم تو بالکل ہی چپکی ہوگئیں۔ لو سنو۔ میں بتاؤں فی آدمی ڈیڑھ پاؤ رکھو۔ بیس ڈیڑھ پاؤں کا کیا ہوا۔ پنسیری کے حساب تو پانسیر ہوئے یہاں ہیں ڈیڑھ پا یعنی آدھ پا زیادہ۔ بیس آدھ پاؤں کا ڈھائی سیر۔ پانچ دہ ڈھائی یہ ساڑھے سات سیر ہوئے۔ پانچ سیر چاول رکھو ڈھائی سیر آٹا۔ ہو گئے ساڑھے سات سیر۔ اب سب ملیں لو۔ سیر کو پنسیری گھی تو سوا سیر گھی چاولوں کا ہوا۔ اب بریانی کا گوشت لو دگنا ٹھیک ہوگا؟ دس سیر ڈالو۔ مصالحہ سنو۔ زعفران تولہ بھر الائچیاں آدھی چھٹانک لونگیں آدھی چھٹانک۔ نمک ٹن پاؤ لہسن پیاز سیر بھر کیوڑا پاؤ سیر بیا قورمہ سوا سیر گوشت ڈھائی سیر آٹے کو بہت ہے۔ سالن میں ڈیڑھ پاؤ گھی۔ باقی ملے ہی مرچیں دھنیا لہسن پیاز ہی

معمولی دو سیر کباب کا گوشت بہو دہ ایل کرپس کرر ہی کیا جائے گا۔ ہاں یاد رکھنا کہ چار پانچ انڈے ضرور ڈال دینے چاہئیں اس سے کباب ٹوٹیں گے نہیں بلکہ خوب پھولیں گے۔ تین پاگئی کہو۔ لو بھائی رحیم آگئے۔ کل سے یاد کر رہی تھی۔ تین آدمی بھیج چکی ہوں۔ لو بیٹی تم لکھتی جاؤ۔ میں سب کپڑا لکھوا دوں۔ دم بھر میں جا کر لا دیں گے۔ پھر میں کس کس کی منتیں کرتی پھروں گی۔ ادھر بھائی رحیم جیسا کپڑا کہ دکان کی جان نکال لاتے ہیں۔ لکھو ایک تھان ململ کا ساڑھے انیس گز کا سوا چار آنے گز کے حساب سے۔ بھائی ایک عرض دیکھ لینا چھ دوپٹے بنجائیں گے۔ اچھا بی اب یہی اوڑھنیاں لکھو ڈھائی گز کی رہیں گی وہی ایک عرض کی سوا گز پنے والی پونے چار آنے گز کے حساب سے۔ ایک تھان پورا پونے ۱۹ گز کا۔ اب رہی کرتے آٹھ میرے آٹھ تمہارے۔ ایک تھان سیکھیا کا ایک ڈوریئے کا سیکھیا نمازتے پانچ آنے گز۔ سوا بارہ گز کا تھان ہوتا ہی۔ ڈوریا وہی ساڑھے تین آنے گز والا دس گز کا فی ہوگا۔

اچھا بھائی صاحب! آپ تو تشریف لیجائیے۔ لو بیٹی اب تم حساب کرو۔ کتنے کا سب کپڑا ہوا۔ منہ زبانی کو رہنے دو۔ لاؤ یہ سلیٹ پنسل ادھر لاؤ۔ میں بتاتی جاؤں تم لکھتی جاؤ۔ پھر سب جوڑ لینا۔

ایک	دو	تین	چار	پانچ	چھ	سات	آٹھ	نو	دس	گیارہ	بارہ	تیرہ	چودہ	پندرہ	سولہ	سترہ	اٹھارہ	انیس	بیس	اکیس
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶	۱۷	۱۸	۱۹	۲۰	۲۱
1	2	3	4	5	6	7	8	9	10	11	12	13	14	15	16	17	18	19	20	21

یہ تمہارے تو اردو انگریزی کے تمکو یاد ہی ہیں۔ بس اب تم لکھتی جاؤ اور میں لکھواتی جاؤں۔ شروع سے چلو ململ کا تھان ساڑھے ۱۹ گز کا سوا چار آنے گز کے حساب سے۔ یہ میں پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ سولہ گرہ کا ایک گز ہوتا ہی۔ دیکھو یہ نقشہ بھی دکھا دیتی ہوں۔ بھول گئی ہو تو یاد کر لو۔

انچ	فٹ	فٹ	گز	گز	میل	میل	کوس	فرلانگ	کوس
۱۲	۱	۳	۱	۱۷۶۰	۱	۲	۱	۸	۱

میں نے تم کو جب ہم ایک دفعہ میرٹ سے واپس آ رہی تھے تو رستے میں چھوٹے چھوٹے پتھر دکھا کر
کہا تھا کہ یہ فرلانگ ہیں جب سات پورے ہو جاتے ہیں تو آٹھویں پر میل آتا ہے اور ایک
میل سے دوسرے میل تک سترہ سو ساٹھ گز کا فاصلہ ہوتا ہے۔ تیراس وقت تو تم کپڑے
کا حساب کرو۔ ہاں تو سوا چار آنے گز کے حساب سے ساڑھے ۱۹ گز کی قیمت نکالنی ہے۔
اب اس کے دو قاعدے ہیں یا تو بیس تک کے پہاڑے یاد ہوں یا ضرب سے نکال لو۔ انیس کا
پہاڑہ یاد ہے۔ انیس چوک چہتر آنے تو ایک آئے۔ مگر چونکہ سوا چار آنے ہیں ایک پیسہ کے
حساب سے انیس پیسے ایک ہوئے یہ چہتر آنے انیس پیسے انیس گز کی قیمت ہوئی۔ چہتر آنوں
کے روپے بنا ؤ اور انیس پیسوں کے آنے پھر روپے بنا لو سولہ چوک چونسٹھ چونسٹھ کے بعد
بارہ بچتے ہیں یعنی چونسٹھ اور بارہ چہتر تو چار روپے بارہ آنے تو یہ ہوئے اب رہا انیس پیسے
پونے پانچ آنے یہ ہوئے۔ دونوں کو جوڑ لو پانچ روپے پونے تین آنے اور ایک دھیلا ہوا۔
پورے انیس گز تمہاری اوڑھنیوں کا تھان پونے چار آنے کے حساب سے یہ بھی اسی
طرح نکالو۔ چار آنے گز ہوتا اور انیس گز ہوتا تو وہی انیس چوک چہتر چار روپے بارہ آنے
تھان میں پونے چار آنے یعنی ایک پیسہ کم۔ بس تو انیس پیسے نکالو۔ چار روپے بارہ آنے میں سے
پونے پانچ آنے گئے تو چار روپے سوا سات آنے رہے۔ اب چونکہ تھان پونے انیس
گز کا ہے اور یہ قیمت ۱۹ گز کی۔ اس لئے پاؤ گز کی قیمت ادھر کم کر دو۔ گز بھر کے پونے چار آنے
آدھ گز کے دھیلا سات پیسے۔ پاؤ گز کے دمڑی کم چار پیسے تو چار روپے سوا چھ آنے
اور ایک دمڑی ہوئی۔ اب سیکھیا اور ڈوریا لو سیکھیا ساڑھے پانچ آنے گز۔ سوا
بارہ گز کی قیمت نکالو۔ بارہ پنجے ساٹھ آنے ایک ہوئے۔ دو پیسے کے حساب سے
چھ آنے ایک ہوئے بارہ گز کی قیمت چھیاسٹھ آنے یعنی چار روپے دو آنے ہوئے
پاؤ گز کی قیمت ساڑھے تین پیسے۔ کل ہوئے چار روپے سوا تین آنے اور ایک دھیلا۔ ڈوریا ساڑھے
تین آنے گز کے حساب سے دس گز۔ تین دہائی تیس آنے۔ جس کے ایک روپیہ

چوده آنے - دو پیسے کے حساب سے. دس گز کے پانچ آنے. کل ملکر دو روپے تین آنے
اور سب کو جمع کردو۔

	روپیہ	آنہ	پائی	دھیلہ	دمڑی
میرے دوپٹوں کی ململ	۵	۲	۹	۰	۰
نسیمہ کی اوڑھنیاں	۴	۶	۳	۰	۱
سیکھیا	۴	۳	۳	۱	۰
ڈوریا	۲	۳	۰	۰	۰
کل	۱۵	۵	۶	۰	۱

جمع کرنا تو کوئی مشکل کام نہیں پہلے سب دمڑیاں جوڑ لو وہ جوڑ دی گی کیا کُل ایک تھی ہے ہی ایک کی ایک لکھ لو اب دھیلوں پر آؤ ایک اور ایک دو ہوئے مگر دو دھیلوں کا تو ایک پیسہ ہوتا ہے اس لیئے یہاں کچھ نہ رہا ہاں ایک پیسہ جو ہو وہ پائیوں میں جوڑ لو - مگر یہ کیونکر معلوم ہوا کہ دو دھیلوں کا ایک پیسہ ہو گیا - اس لئے کہ جو کچھ جمع ہو کر آیا ہی اس کو دو پر تقسیم کیا - دو پر کیوں تقسیم کیا اس لئے کہ دو دھیلوں کا پیسہ ہوتا ہی تقسیم کیونکر کیا دو اکن دو غرض ایک حاصل ہوا اور بچا کچھ بھی نہیں - اس لئے خالی نقطے دیدیئے اب ایک پیسہ جو ہاتھ لگا اس کو پائیوں میں جوڑ دو گی کس طرح یہ پیسہ وہ پائیاں اس کا ان کا کیا جوڑ برابر کی چیزیں جمع ہوتی ہیں - پیسے پیسوں میں پائیاں پائیوں میں تو اب جو یہ ایک پیسہ جوڑنا ہے اس کی بھی پائیاں ہی بنا لو تین ہوئیں اب انکو جوڑو - نیچے دیکھو - پائیوں کے خانے پر نظر رکھو - تین اور نو بارہ بارہ اور تین پندرہ اور تین آٹھارہ - اب اٹھارہ پائیوں کے آنے بناؤ - بارہ پائی کا آنہ اٹھارہ کو بارہ پر تقسیم کردیا بارہ اکن بارہ چھہ باقی بچے ان چھہ کو پائیوں میں رکھو ایک آنہ حاصل ہوا - اب اس ایک آنے کو آنوں میں جوڑو - ایک اور دو تین تین اور چھہ نو - نو اور تین بارہ . بارہ اور تین پندرہ . یہ پندرہ کے پندرہ

ہی رہی۔ اس لئے آنوں میں پندرہ لکھو۔ آنوں کا کچھ حاصل تو ہوا ہی نہیں۔ جو روپیوں میں جوڑو فقط روپے ہی روپے جوڑ لو۔ پانچ اور چار نو۔ نو اور چار تیرہ۔ تیرہ اور دو پندرہ بس روپے پندرہ ہوئے۔ روپوؤں میں لکھ دو۔

کل کیا ہوا؟ پندرہ روپے پندرہ آنے چھ پائی ایک مرتبہ۔ لو یہ سب کپڑے کی قیمت ہو گئی۔

(۲۹)

نسیمہ تو خیر بیٹی بھتیجی شاگرد سب ہی کچھ تھی سنجیدہ کی تربیت سے جتنا کچھ بھی ہوتی تھوڑا اور کم۔ وہ بڑھیا ماما کی نواسی جو پیچ غ گستاخوں کی طرح آئی اور گنواروں کی طرح رہی ایک سنجیدہ کے فیض تربیت سے چند ہی روز میں پتھر سے پارس ہتیں سے کندن غرض دیکھتے ہی دیکھتے کچھ سے کچھ ہو گئی۔ شروع شروع میں تو بہت اکڑ سی اور اکڑانے کی بات ہی تھی۔ آئی تھی یہ سمجھ کر نسیمہ برابر کی سہیلی کھیلوں گی اور کھاؤں گی یہاں آکر دیکھا تو صبح سے شام تک کام ہی کام دن رات اسی تاک میں رہی کہ بس چلے تو یہ بھی تڑا تڑا ایسی بھاگوں کہ ملتا تو در کنار نام تک نہ لوں مگر ادھر نانی کا آنکس۔ ادھر سنجیدہ کا قبضہ کچھ ایسی پھنسی کہ بہتیرا ہی پھڑپھڑائی مگر نہ چھوٹنا تھا اور نہ چھوٹی۔ لیکن یہ گھبراہٹ اور بھڑک کچھ ہی دن کی تھی۔ تھوڑے روز بعد روک ٹوک میں ہوئی کمی کھانا ملا اچھا دل لگ گیا۔ پھر نسیمہ جیسی لڑکی کا ساتھ۔ بات کی تو چمکار کر کام لیا تو پیار سے نواسی کی تو یہ کیفیت ہوئی کہ اس گھر پر پروانہ تھی۔ آٹھویں دسویں۔ پندرہویں بیسویں نانی کی زبردستی ملنے گئی گھڑی آدھ گھڑی بیٹھی اور چلی آئی ہر چند گھر والے کہتے کہ اب آئی ہے تو رات کی رات پڑ رہ نماز دم چلی جائیو۔ مگر اس کا یہ حال تھا باتیں ماں سے کر رہی ہے اور دھیان نسیمہ میں پڑا ہے۔ بے سُری بے تُکی آئیں بائیں شائیں ادھر اُدھر کی ہاں میں ہاں ملائی خیر صلاح خیر و عافیت کہہ سن پوچھ پاچھ اُٹھی اور چلتی ہوئی۔

خدا کی شان ماما کی نواسی قلعی گر کی لڑکی اور یہ بھاگ کہ سنجیدہ نسیمہ اپنے ہاتھ سے سر دہلائیں۔ بھلے کے پاس بیٹھے جیائے ناگ پان، بُرے کے پاس بیٹھے کٹائے ناک اور کان۔ وہی نواسی جس کی آنکھوں میں پہلے دن ڈھیروں چیپڑ تھے ایک سال ہی بھر میں ایسی ہو گئی کہ بے جگائے اور بے بُلائے سنجیدہ سے پہلے نماز کو اُٹھتی اور نسیمہ کے ساتھ قرآن لیکر بیٹھتی۔ خدا کی قدرت یاد آتی تھی جس لڑکی کے ہاتھ کے کوئی چھوئے ہوئے بیر نہ کھائے آج وہ صرف اچھی صحبت اور تربیت کی بدولت اس قابل ہو گئی کہ جس گھر میں جا نکلی۔ عزت اور جس خاندان میں پہنچ گئی وقعت۔ بڑی بڑی بیویاں اور رئیس زادیاں اس کی خاطر مدارات اور آؤ بھگت کرتیں۔ نواب علی نقی صاحب کی بیگم نے ایک دفعہ نہیں بار ہا کہلا بھیجا کہ اگر نواسی زیادہ نہیں ایک چار گھنٹہ میری بچی کے پاس آ بیٹھا کرے تو خیر اس کے قابل تو نہیں ہے مگر پندرہ روپے مہینہ، کپڑا، جیسا بُرا بھلا مجھکو میسر ہو روٹی جیسی روکھی سوکھی مجھکو نصیب ہو حاضر ہے مگر نواسی تو پندرہ کیا اگر پندرہ سو بھی کوئی دیتا تو نسیمہ کو خوشی سے چھوڑنے والی نہ تھی۔ اس کی کیفیت تو یہ تھی کہ اگر دم بھر کو بھی نسیمہ اِدھر اُدھر ہو جاتی تو بالکل بچپن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دو جوڑواں لڑکیاں ہیں جو کبھی کبھار وہ بھی بڑی مشکل اور زبردستی سے علیحدہ کر دی جاتی ہیں۔ وہی گھر اور وہی گھر کا کام جس میں دونوں پھوپھی بھتیجیاں اور دو ایک ماما دن بھر پلے رہتے اب اکیلی نواسی کے سر تھا اگر یہ کہنا غلط ہے کہ اپنی آلکسی سے تو یہ کہنا یقیناً صحیح ہے کہ نواسی کی تعلیم و تربیت کی وجہ سے نسیمہ نے دوسرے سال بالکل ہی ڈھیٹی دیدی۔ حساب کا شوق ایسا لگا کہ مہینوں باورچی خانہ میں آکر جھانکتی تک نہیں۔ اگر نواسی سے کچھ بھول چوک ہو بھی گئی تو دور ہی سے بیٹھے بیٹھے حکم دیدیتی یا ہدایت کر دیتی سب سے بڑی نیت یہ تھی کہ نواسی کچھ ایسی بلا کی ذہین واقع ہوئی تھی کہ جو بات نسیمہ کے دل میں ہے وہ نواسی کے منہ پر، پھر کیا ضرورت تھی کہ نسیمہ اپنے شوق کو ٹھنڈا اور وقت کو ضائع کر دیتی۔ جو

سیکھنا تھا سیکھ لیا۔ ایسا سیکھا اور اتنا سیکھا کہ نواسی جیسی گنواری کو بیگم بنا دیا۔
بڑی بی بیچاری کے تو فرشتوں کو بھی یہ وہم و گمان نہ تھا کہ یہ نواسی جو دن بھر گلیوں میں ننگے پاؤں، اور گھر میں ڈیڑھ ڈیڑھ گز کی جھلانگیں مارتی پھرتی ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایسی ہو جائے گی کہ کنبہ بھر میں اس کا شہرہ محلہ بھر میں اس کی دھاک اور شہر بھر میں اس کا چرچا ہوگا ایک وہ وقت تھا کہ جدھر گئی دُرِ دُر اور جس طرف پہنچی پھٹ پھٹ ایک آج کا دن ہے کہ اپنے تو سر پر بٹھاتے چاہے آنکھوں پر۔ غیر گھروں تک میں اس کی آؤ بھگت ہو رہی ہے۔

(۳۰)

اس میں کیا کلام ہو سکتا ہے کہ نسیمہ پہلی ایسی ماں کے دودھ سے جو مذہب کی زیادہ پابند تو کیا سرے سے نماز ہی گنڈے دار کتی مگر بڑی ایسی پھوپی کی گود میں جو بھلا کچھ نہیں تو رات دن میں ایک پچاس دفعہ تو خدا کے خوف سے کانپ کر استغفار پڑھتی ہوگی پانچویں برس سے لیکر اور آجتک کون سا ایسا دن گیا کہ اس نے بھتیجی کے سامنے خدا کی عظمت نہ بیان کی ہو اور کون سی ایسی رات گزری کہ ساتھ لیکر لیٹی اور مسئلہ جزا و سزا کے متعلق گفتگو نہ کی ہو وہاں کا حال تو خدا ہی جانے مگر اتنا ہم بھی کہیں گے کہ اگر قیامس کوئی چیز ہے تو سنجیدہ اس نیائے ناپائیدار سے ایسا اسباب اور سامان ساتھ لے گئی جو اس آڑے وقت میں جہاں کوئی رفیق و مددگار نہیں۔ اس پر کوئی مصیبت نہ آنے دیگا۔ اگلے زمانہ کی کوئی بچی کھچی بڑی بوڑھی رہ گئی ہو تو ہو۔ ورنہ اب ایسی بیویاں بہت کم نظر آئیں گی۔ یہی خوف قیامت جس کو اول دن سے سنتے چلے آئے ہیں۔ اس کے دل میں کچھ ایسا سرایت کر گیا تھا بسا اوقات بیٹھے ہی بیٹھے خیال آیا اور تھرا اُٹھی۔ کچھ ہزاروں لاکھوں کی آدمی نہیں۔ پچاس ساٹھ روپیہ کا کرایہ شہر کا خرچ بھاری پتھر آگے۔ مگر بارہ مہینے دو ایک یتیم بچے ایک آدھ بڑھیا ٹھیرا یا۔ غرض کوئی

نہ کوئی اس کے دسترخوان پر ضرور ہوتا۔ بیماروں کی عیادت اپاہجوں کی خدمت محتاجوں
کی مدد۔ غریبوں کی خاطر۔ عورت کیا فرشتہ تھی کھلا کر کھایا پہنا کر پہنا گرمی کے پہاڑ سے
دن اور جمعرات جمعہ کا روزہ جاڑوں کی کٹھن راتیں اور تہجد کی نماز نعمت پر شکر مصیبت
پر صبر سو سے اوپر عمر پائی مگر ایک دن کسی کا دل نہ دکھایا جی تو پھول چڑھے مری تو پھول
چڑھے ایسی نیک بیوی جس کی ہوا لگنے سے آدمی انسانیت پکڑے۔ نسیمہ کو جتنا اچھا
اُٹھاتی کم تھا۔ یوں تو عذابِ الٰہی کا خوف شروع ہی سے اس نے بھتیجی کے دل میں
پیدا کر دیا تھا۔ مگر پانچ برس کی بچی خدا کو کیا جانتی اور کیا پہچانتی۔ ہاں اتنا ضرور
ہوا کہ خدا کی ہستی کا یقین کچھ ایسا ذہن نشین ہوتا چلا کہ ذرا نماز کو دیر ہوئی اور گھبرائی
کوئی بھوکا آنکلا تو ننگے پاؤں کھانا چھوڑ چھاڑ روٹی دینے گئی۔ مصیبت زدہ
دکھیاریاں دور دور سے نسیمہ کا نام سُن کر آتیں اور نہ اُن کا دکھ سنتی اور ہاتھ سے
پاؤں سے روپیہ سے پیسہ سے جو کچھ ہوسکتا مدد دیتی اور خدمت کرتی۔ امیر کی بچی لاڈکی
پلی کوارپنے کا زمانہ پہننے اوڑھنے کے دن روپیہ گز کا پہنتی اور اشرفی تولہ کا کھاتی تو بجا تھا
مگر اس کو تو پیسہ فضول اُٹھانا قسم تھا۔ جو پھوپھی نے بنا دیا اور کھلا دیا سر آنکھوں پر۔ خدا معلوم
قدرت کی اس حکمت میں کیا بھید چھپا ہوا تھا کہ کامل دو سال گزر گئے اور ایک بوند
مینہہ کی نہ پڑی۔ دونو برساتیں نکل گئیں۔ ساون بھادوں کے مہینے جھڑیاں اور
موسلا دھار تو در کنار ابر کا ٹکڑا تک نظر نہ آیا کہ کچھ امید ہی بندھتی۔ پہلے سال تو کسان
غریبوں نے جوں توں کھینچ کھانچ کسی نہ کسی طرح کھیتوں میں پانی پہنچایا۔ دوسرے سال ندی
نالے جوہڑ تالاب کوئی بھی اس قابل نہ رہا کہ ان غریبوں کی محنت برباد ہونے پر دو آنسو
گرا دیتا۔ کال پڑا اور ایسا کہ خاصے کھاتے پیتے آدمی دو دو دانوں کو محتاج ہو گئے۔ شہر پر تو
یہ آفت اور شہر والوں پر یہ مصیبت مگر سنجیدہ کی ہمسائی بی نکا تر کے یہاں کال دیکھ کر عید
ہو گئی۔ آنکھوں پر رکھی ٹھیکری دل کیا پتھر مرنے کو بھول چار دن کی زندگی پر پھول گھر بھر نا

شروع کیا۔ باپ کے ترکہ کا تین ساڑھے تین ہزار روپیہ نقد موجود تھا۔ وہ پونجی کی چیزیں کوڑیوں
کے مول خریدنی شروع کیں۔ اپنی غرض باولی اس ظلم و ستم پر بھی مصیبت ماریاں کروسوں سے
آمیں منتیں کرتیں اور اونے پونے آدھی چوتھائی جو دام مل جاتے غنیمت سمجھتیں۔ اور صبر کرتیں جارا
کسی پر وقت نہ ڈالے او غرض اٹکائے۔ چار چار پانچ پانچ سیر تانبے کے برتن تین تین چار چار
سیر آٹے میں دینے پڑتے۔ غضب یہ تھا کہ کم بخت دگنے اور تگنے وعدہ پر کیتی او چند ہی روز
میں آئے گئے کر دیتی۔ کمال یہ تھا کہ حقیقی رشتہ دار ہر وقت کے اٹھنے بیٹھنے والے بھوکے مر جائیں
چھوٹے چھوٹے بچے سگے بھانجے بھتیجے بلوں بلوں کرتے پھریں اور ان ناگن کا دل نہ پسیجے۔ کچھ
ایسا خدا کا خوف دل سے اٹھا کہ مرنے سے دونو وقت ڈٹ ڈٹ کر کھاتی اور دکھا دکھا کر کھاتی

زمانہ کا انقلاب جان کے ساتھ ہے۔ ساون تو تیسرا بھی البتہ کورا ہی گیا۔ بھادوں کا
تیسرا یا چوتھا روز تھا کہ دوپہر کے وقت دھواں دھار گھٹا پورب سے اٹھی۔ ابھی پانی کا پتہ بھی
نہ تھا کہ لوگ خوشی کے مارے اچھل پڑے۔ جو جہاں تھا گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں مانگنے لگا۔
بھوکوں کی زاری خالی نہ گئی۔ مینہہ برسنا شروع ہوا۔ دو برس کا رکا ہوا ابر بھلا دو چار
گھنٹے کیا برستا۔ وہ دھوتال پڑا کہ جی چھڑا دیئے۔ جمع ہوتے ہی ذرا تھما تھا ایک گھنٹہ ہی
بعد ابر سیاہ نے پھر اندھیرا گھپ کر دیا۔ ہوئیاں ہوئیاں ہوا بڑ رہی تھی اور کالے کالے
بادل جھوم جھوم کر آ رہے تھے آخر برسا اور کچھ ایسا لے دے کہ دن گزرا رات گزری اور
دوسرا دن بھی مگر پانی کی رفتار میں کمی نہ ہوئی اونچی اونچی حویلیاں اور پکی پکی محلسرائیں
آخر تھیں تو مٹی گارے ہی کی تیسرے دن جا کر ٹپاٹپ اٹھیں رات کو اکا دکا تارے جھلملانے
لگے تھے امید تھی کہ اب نہ برسے گا۔ مگر ادھر چھ گھڑی کی توپ چھوٹی ادھر پھر برسنا
شروع ہوا۔ اب پانی نہ تھا طوفان تھا۔ موسلا دھار مینہہ اور ہوا کا جھکڑ ایسے ویسے
کچے دہالے تو کبھی کے رخصت ہوئے سنگین عمارتیں کچھ ٹھہریں مگر آدھی رات تک وہ بھی
چلتی تھیں چھتیں اور کوٹھے پیچھے اور منڈیاں بیاد ھڑیں ہوا میں ہوں آوازیں آ رہی

تھیں۔ بکا ٹر سے دیوار بیچ ایک یتیم خانہ تھا۔ جس میں استانی جی نے بیس پچیس بے ماں باپ کی لڑکیاں جمع کر لی تھیں جو کچھ ادہر اُدہر سے آجاتا پکا پکو اُن کے آگے رکھدیتیں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ کسی کو اپنے پیٹ کے بچوں کی مامتا ہوگی تو اتنی ہی جتنی استانی جی کو ان بے وارثوں کی۔ ہزار بارہ سو کا مکان ڈہائی تین سو کا زیور چالیس پچاس کے برتن غرض جو کچھ جمع پونجی تھی وہ سب ان بچیوں کی نذر کر دی۔

بکا ٹر استانی جی کو راگ دے فرزندی کے بہانے ایک لڑکی کو قبضہ میں لے مٹی پلید کر چکی تھی اور اب ایک اور لینے کی فکر میں تھی۔ استانی غریب ایک ہی کو دیکر ایسی پچتائی تھیں کہ جب اُس پر چار چوٹ کی مار پڑتی تو ڈاڑہیں مار کر روتیں۔ گو کال نے اوسان بگاڑ دیئے اور بکا ٹر نے ستم میں کوئی کمی نہ کی مگر صد آفریں استانی جی کو کہ دو دو تین تین وقت بعد اچھی یا بری جو میسر ہوئی پہلے اُن کے پیٹ میں ڈالدی پھر آپ منہ پر رکھی۔ لبیریاں لگائیں اور لیتھڑے پہنے چکیاں پیسیں اور چیتھڑے اوڑہے لیکن ان معصوموں کو کلیجہ سے جدا نہ کیا۔ اس وقت آدہی سے زیادہ رات گزر چکی تھی پانی برابر اسی طرح پڑ رہا تھا اور استانی جی بچیوں کو لیے بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھیں ٹپکے نے اور بھی دم ناک میں کر دیا بالشت بھر جگہ ایسی نہ تھی جو محفوظ ہو۔ اوڑہنے کو کہیں لینے چراغ لئے کوٹھری میں آئیں۔ دیکھتی ہیں تو بڑی دیواریں پر کڑیاں ہیں پھولی کہڑی ہیں جلدی جلدی چیز بست اُٹھا کر لڑکیوں کو لے باہر آئیں پانی دہونتا اوپر سے آیا ہو بنچال والان اڑا اڑا کر نیچے گرا۔ ایک بچی پیچھے کے نیچے لیٹی تھی۔ برابر کی دو کڑیاں اوپر آئیں مغز پاش پاش ہو گیا۔ چھ برس کی لڑکی کی لیاٹ ہی کیا۔ جب تک استانی پہنچیں آنکہیں پہیر بیچار رخصت ہو گئی۔

کیسا نازک وقت تھا۔ مینہہ کی وہی کیفیت ہوا کی وہی حالت خدا کسی پر وقت نہ ڈالے استانی جی اس شان کی عورت کہ کبھی ناک پر مکھی نہ بیٹھنے دی بھیگتی بھاگتی کھڑکی میں آئیں اور بکا ٹر کو آواز دیکر منت سے کہا اتنی اجازت دو کہ ان معصوموں کو لیکر رات کی

رات تمہارے ہاں پڑ رہوں۔ اندھیرے منہ اُٹھکر نواب صاحب کے یہاں چلی جاؤں گی ایسا ثر سنگدل کیا موم ہونے والی تھی ہنسی اور ہنسکر کہا بیٹھنے کو گھر نہیں کھانے کو ٹکڑا نہیں۔ پھر یہ لڑکیوں کی حمائل کیوں ڈال رکھی ہے۔ میں نے کتنی منت سے کہا تھا اُستانی جی ایک لڑکی ہیں اور دیدہ و تاک بہو سکینہ ٹیڑی ہوئیں ہیں تو وہی ظالم بیرحم ہوں ایک لڑکی میرے حوالے کرو شوق سے آجاؤ۔ ایک رات کی جگہ دو رات پڑ رہو۔

استانی جی اس وقت لاکھ حاجتمند ہوں مگر ایسی گئی گزری نہ تھیں کہ حاجت سے دب کر اور ضرورت سے مجبور ہو کر لڑکی دینے کی حامی بھر لیتیں۔ ثر کا ثر اُن کو ملاتی بھیک منگنی مردہ شو نیقرنی کچھ ہی سمجھے مگر ناداری میں بھی اتنی عزت رکھتی تھیں کہ سرداراآباد تک کی رئیس ادیاں اُن کی تعظیم کو سرو قد کھڑی ہوتیں خدا کی شان تھی کہ اس آن بان کی عورت جس نے نکہہ تی پھوپی کے آگے آجتک ہاتھ نہ پھیلایا ایک ایسی ناہنجار و کم بخت کی خوشامدیں کر رہی تھی۔ رات اپنی منزل کا بڑا حصہ طے کر چکی تھی بادل زور شور سے گرج رہا تھا اور بجلی کی چمک آنکھوں میں گھسی جاتی تھی۔ ایک ایسی مسلمان بچی کا مردہ جس کا والی وارث سوا خدا کی ذات کے کوئی نہ تھا۔ کڑیوں میں دبا پڑا تھا اور چند معصوم لڑکیاں مع اُستانی جی کے صحن میں کھڑی بھیگ رہی تھیں۔ کچھ کرتے دھرتے نہ بن پڑتی تھی۔ زندہ اور مردہ دونوں کی مٹی پلید تھی۔ گرانی کے موسم اور ایسے نازک وقت میں سنجیدہ اور نسیمہ دونوں پھوپھی بھتیجیوں کی ہمدردی پر بے اختیار دل سے آفرین نکلتی ہے۔ یوں تو جس دن سے کال پڑا اور خلق خدا پر مصیبت کی گھڑی آئی ایک دن بھی ایسا نہ گزرا کہ پھوپی بھتیجیوں کے دستر خوان سے دو چار بھوکوں کا پیٹ نہ بھرا ہو۔ سیر بھر آٹا اس وقت سیر بھر اس وقت تو یتیم خانہ کا مقرر ہی تھا۔ اس کے علاوہ کبھی جب ضرورت ہوئی اور جو موجود ہوا ہنسی خوشی دیا اور بے منت دیا۔ قرض نام لین دین دنیا میں چلا ہی آتا ہے نسیمہ نے اس کال میں کمال کیا کہ جسکو دیا اور جو کچھ دیا یہ سمجھکر دیا اور کہکر دیا کہ واپسی کی ضرورت نہیں۔ نتیجہ یہ ہوا اور یہ ہونا چاہئے تھا

کہ نہ صرف محلہ ہی محلہ میں بلکہ دور دور جہاں صبح اُٹھ کر نکھٹو کا نام لینا لوگ منحوس سمجھتے تھے وہاں ننھے ننھے دلوں تک سے نسیمہ کو دعائیں ملتی تھیں۔ گو نکھٹو نے دو ڈیڑھ سال میں کئی ہزار کی جائداد کی اور نسیمہ پورے چار سو روپے کی پھوپھی کی قرضدار ہو گئی مگر پان سیر چاندی اُٹھا کر وہ خزانہ جمع کر لیا کہ ریاستیں قربان اور سلطنتیں نثار۔ دو دو تین تین وقت کے فاقہ زدہ جس وقت اس کے دروازہ سے پیٹ بھر کر جاتے اور چین سے پڑ کر سوتے تو اگر رات کو کبھی آنکھ کھل جاتی تو کہتے الٰہی اس گھر والی کو دنیا جہان کی خوبیاں۔ ان ہی دعاؤں کا اثر تھا کہ نسیمہ ایسی پھلی پھولی کہ خدا سب بیٹیوں کو نصیب کرے۔

مینہ برسنے کی خوشی میں پہلے پہلے تو سب کی طرح وہ بھی شریک تھی مگر جب بارش نے قیامت بپا کر دی اور اِدھر اُدھر سے ہولناک آوازیں اور وحشت انگیز خبریں آنے لگیں۔ پڑوسیوں کو دیکھا کہ سب ہی پر جان ہے تو گو اپنا مکان پختہ اور سنگین سب ہی کچھ تھا۔ مگر حق ہمسایہ اس کا جایا ذرا کہیں سے دھماکے کی آواز آئی اور اس کا کلیجہ دھک سے ہوا۔ کوٹھے پر کھڑی ایک ایک کی خیر صلاح پوچھ رہی تھی، رجبن سقنی کا گھر پرانا اور الگ کھڑا تھا۔ اس کو بال بچوں سمیت شام ہی سے اپنے ہاں بلا لیا تھا۔ خرابی یہ تھی کہ استانی جی چار گھر پرے تھیں اور گھر بھی کچھ ایسا پرانا نہ تھا۔ نہ ظاہر گرنے کے کوئی آثار تھے اتفاق کی بات اور ہونی شدنی کہ خاصا اچھا مکان بتاسے کی طرح بیٹھ گیا۔ اُستانی جی کی پریشانی یہاں سے وہاں اور وہاں سے وہاں اس گھر سے اس گھر اور اس گھر سے اس گھر ہوتی ہوئی نسیمہ تک بھی پہنچی۔ سنتے ہی بے چین ہو گئی۔ دیوار پر چڑھ کر آوازیں دیں گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخی مگر پرنالہ اور پھر مینہ کا شور استانی جی تو رہیں اس پار برابر کے گھر میں سے بھی کسی نے کروٹ نہ لی۔ مایوس ہو کر چپکی ہوئی نا امید ہو کر نیچے آئی نوراسی کو ساتھ لیا۔ لالٹین ہاتھ میں لی اور پھوپھی کو اطلاع دے چلی اُستانی کے ہاں۔ مان لیا کہ سنجیدہ فرشتہ صفت انسان تھی مگر تھی تو انسان ہی نسیمہ کو اس وقت جاتے دیکھ طرح طرح

کے وہم اس کے دل میں آنے لگے۔ سوچا اور سوچ کر بولی۔ بیٹی اس وقت تو جانا ٹھیک نہیں
چاروں طرف دیواریں اور کوٹھے پھولے کھڑے ہیں۔ ذرا مینہہ تھم جانے دو۔

نسیمہ۔ اے ہے پھوپھی اماں آپنے سنا نہیں مکان گر پڑا۔ عائشہ دب گئی اُستانی جی
ایک ایک کی منتیں کر رہی ہیں اور کوئی آتا نہیں کہ اس مصیبت میں ان کا ساتھ دے
ہمدردی کا وقت تو یہی ہے بیبن بائیں دم اس وقت آسمان کے نیچے کھڑے بھیگ رہی ہیں۔ جب تک
یہ ہاتھ پاؤں چلتے ہیں ان سے کام لینا چاہیئے۔ پھر تو شاید ان کو کھڑے بھی نہ کہائیں عائشہ
بگوڑی شاموں شام تو پیالہ لینے آئی ہے۔ پھوپی اماں مسلمان کا مردہ ہے اجازت دیجئے
برقع اوڑھے ہوئے ہوں گئی اور آئی پہنچی اور لائی۔

اب یہ خدا جانے کہ ہنسی خوشی یا مجبوری لاچاری سنجیدہ خود بھی ساتھ ہوئی
مگر بڑھاپے کی عمر گھٹنوں گھٹنوں پانی ٹخنوں ٹخنوں کیچڑ دو ہی قدم چلی تھی کر آم کے چھلکے
پر سے پاؤں پھسلا وہ تو خدا نے یہ خیر کی کہ گھڑونچی ہاتھ میں آگئی نہیں تو بیٹھے بٹھائے مفت
کی پریشانی تھی۔ غرض سنجیدہ کو گھر میں چھوڑ نواسی کو ساتھ لے استانی کے ہاں
پہنچیں۔ اُستانی اور شاگرد سب کے سب کھنڈر میں بیٹھے اللہ اللہ کر رہے تھے نسیمہ کی صورت
دیکھتے ہی استانی جی کی آنکھ میں آنسو بھر آئے۔ جوش محبت میں کھڑی ہوگئیں اور صرف
یہ الفاظ منہ سے نکلے "میری بچی میں تیرے قربان"۔ لڑکیاں ہٹا ملبہ سرکایا۔ عائشہ کو نکال
اُستانی اور لڑکیوں کو ساتھ لے اپنے ہاں آئی۔ اپنے ہاتھ سے کمرے میں تین پلنگ دو
چارپائیاں بچھا اُن پر بچھونے کئے اور لاوارث لڑکیوں کو لٹا کر سلا دیا۔ صبح ہوتے
ہی باقی تھا تو عائشہ کو اول منزل پہنچایا۔

ناممکن ہے کہ یہ سطریں اس کیفیت کو ظاہر کر سکیں جو اس وقت استانی جی کے دل
کی تھی جس دل سے اُنہوں نے دعائیں دیں اور دکھ پڑی لڑکیوں کی آتما نے یہ سکھ پا کر
جو کچھ کہا وہ الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتا۔ مختصر یہ کہ زندگی ہو تو ایسی دنیا ہے تو یہ دین ہے تو

رات ساری ہنسے والی نہ تھی۔ آئی بھی اور نکل بھی گئی۔ البتہ وہ بات باقی ہی اور کچھ
روز تک باقی رہیگی۔ چار روز کی زندگی کے واسطے انسان جو چاہے کرلے۔ خدا کی لاٹھی اور
بے آواز۔ دیر ہے اندھیر نہیں۔ آج کے تپے آج ہی نہیں جلتے۔ باپ کی ناؤ آج نہیں کل اور
کل نہیں پرسوں ایک دن ڈوبے اور ڈوبے۔ کال ختم ہوا اور چوتھے سال تو اللہ کی کچھ
ایسی مہربانی ہوئی کہ چھ دھڑی کے گیہوں بک گئے۔ بستا سماں ہوتے ہی وہ تکلیف
اور پریشانی سب بھول بسر گئے۔ ہاں تکاثر کا ستم اور نسیمہ کا کرم دلوں پر نقش تھا۔ نوبت
یہاں تک پہنچی کہ محلہ والوں نے ملنا جلنا بات چیت تکاثر سے قطعی بند کردی۔ اس خودغرضی
اور نفس پروری کا نتیجہ یہ ہوا کہ زندوں نے جیتے ہی جی اسے مردہ سمجھ لیا۔ دن بھر بیٹھی کھیاں
مارتی اور کوئی آکر جھانکتا تک نہیں۔ آدمی کچھ ہو کر سیکھتا ہی۔ چاہیے کہ تکاثر اب تو
اپنی حرکتوں سے باز آتی مطلق نہیں۔ یتیم خانہ کی وہ لڑکی معصومن جو قبضہ میں تھی۔ بندر کی
بلا طویلہ کے سر۔ محلہ بھر کا غصہ اس غریب پر تھا۔ دوپہر کے وقت ایک روز لڑکی کو بخار چڑھا
جاڑوں کے دن تھے دھوپ میں بیٹھی کپکپا رہی تھی۔ تکاثر نے ٹپاری منگوائی۔ زبردست
کے بسوے بیس۔ اٹھی اور لائی۔ چھ سات برس کی جان بخار میں پھنکتی۔ بچا پانی ستانا تھا ہاتھ
میں۔ پاؤں پھسلا اور دھڑام سے گری۔ بیمار کا گرنا تھا کہ تکاثر جھلا کر اٹھی۔ ٹپاری کو تو
وہیں چھوڑا اور معصومن کا ہاتھ پکڑ کر بیدردی سے گھسیٹتی ہوئی لائی۔ بخار زدہ معصومن
کی حسرت آمیز نظریں تکاثر جلاد سے رحم کی ملتجی تھیں اور بے گناہی کا اظہار کر رہی تھیں
مار پڑنی شروع ہوئی۔ جب طاقت ضبط نہ رہی تو رو کر کہنے لگی۔ بیگم صاحب اب معاف
کر دیجئے پھر کبھی نہیں گراؤں گی۔ یہ تو کہنا ہی فضول ہے کہ بے بس لڑکی کی منت وزاری
کا تکاثر پر کیا اثر پڑا۔ جتنا مار سکتی تھی مارا اور مار چکی تو ایک لیا دھکا دیا کہ اوندھے
منہ جا کر تخت پر گری کنپٹی میں کیل چبھی خون کی تللی بندھی۔ سارا چہرہ لہولہان ہو گیا

معصومن سے زیادہ بدنصیب کون ہوگا۔ پہلی مصیبت تو یہ آئی کہ ماں چھوٹی ماں کا
پیچھوا چھوٹا، دوسری آفت تقدیر نے یہ ڈھائی کہ پہنچی ایک کٹر کے پاس جس کے دل میں
رحم نام کا نام نہیں او پھنسی ایسی ظالم کے پھندے جس کو خدا سے غرض رسول سے واسطہ
بخار، بخار پر مار، مار پر چوٹ، اولاد والی ہوتی تو کلیجہ پکڑ کر بیٹھ جاتی۔ مگر اس کے بھانویں
بھی نہیں۔ معصومن میلی کچیلی اوڑھنی سے آنسو پونچھ پانچھ کونہ میں جا لیٹی۔ غنیمت تھا کہ نکاتر
اسی پر بس کرتی۔ نہیں۔ بیٹھی کو اٹھوا مصالحہ پسوایا۔ برتن دھلوائے اور کھانا کھانے
بیٹھی۔ بڑا ہو یا بچہ تکلیف کا احساس تو ہوتا ہی ہے۔ معصومن کچھ دیر تک تو باورچی خانے
میں پڑے پر سر رکھے ہوئے ہوئے ہولے ہائے اللہ ہائے اللہ کرتی رہی اور پھر اپنی
مری ہوئی ماں یاد آگئی۔ بخار کی گھبراہٹ چوٹ کی تکلیف خون کی کثرت اس پر ماں
کی شفقت کا یاد آنا تھا کہ ننھا سا دل بھر آیا۔ روئی اور رو کر باہر آئی نگاہ اٹھا کر دیکھا
تو آسمان چھوٹے چھوٹے تاروں کو اپنی گود میں لئے کھڑا تھا۔ کچھ دیر تک چپکی کھڑی
سوچتی رہی اور پھر کہنے لگی "بس اللہ میاں میرے اماں باوا تم ہی ہو۔ میرا بخار
اتار دو۔ میرا خون تھما دو۔ اور مجھکو یہاں سے نکلوا دو۔ دیکھو سر میں کیسا درد اٹھا ہے۔
اللہ میاں اللہ کی قسم بھیجا نکلا پڑتا ہے" آدمی غور کرے تو آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے
کہ جس طرح یہ ایک دو یا چند گردش کے مارے زمانہ کے ستائے ہمارے ماتحت ہیں اور ہم
اُن پر حاکم ہیں اسی طرح ایک زبردست طاقت ہمارے اوپر بھی حاکم ہے۔ جس وقت نکاتر
معصومن کا ہاتھ پکڑ کر لائی ہے اور معصومن نے نگاہ یاس سے نکاتر کو دیکھا ہے گو اس کی
نظر اور وہ خود دونوں مجبور و لاچار تھے مگر اس کا دل یہ ضرور کہہ رہا تھا "اے
تھوڑی سی دیر کی حاکم میرا تیرا فیصلہ اور انصاف وہ حقیقی مالک کر دے گا جو ہمیشہ
ہمیشہ کے واسطے میرا اور تیرا دونوں کا حاکم ہے۔ میں اس وقت بے بس ہوں اور
بیکس ہوں۔ ماں میرے ساتھ نہیں باپ میرے پاس نہیں۔ مگر میرا وارث اور حامی ابھی

ایک میں جو دیکھ رہی ہے۔ جو میری بیگناہی اور تیرے ظلم کو دیکھ رہا ہے"۔

قبولیت کی گھڑی عام آدمیوں کے واسطے کوئی خاص ہو تو ہو، مظلوم کے واسطے تو حاکم حقیقی کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ معصومن کی التجا دکھے ہوئے دل کی آہ تھی۔ کلیجہ سے نکلی زبان پر آئی زبان سے نکلنے کی دیر تھی آسمان اور زمین دونو کانپ گئے۔ حاکموں کا حاکم بادشاہوں کا بادشاہ مظلوموں کا والی معصومن کا وارث جس کے حضور میں اتنی دیر گڑگڑائی اس فریاد کو سن رہا تھا۔

نکاثر کھانا کھا رہی تھی کھا چکی تو آواز دی کہ برتن اٹھا۔ معصومن سنتے ہی ادھر چلی مگر چلا نہ گیا۔ خون بند ہو گیا تھا۔ مگر نجار جوں کا توں۔ چکر آیا اور ساتھ ہی اندھیرا۔ گری مگر سنبھلی اتنی دیر میں دو تین آوازیں اور تین چار گھرکیاں پڑ چکی تھیں۔ گرتی پڑتی پہنچی۔ دسترخوان بیٹھا۔ برتن اٹھائے اور پھر پڑ رہی۔

نکاثر کی گردن میں گدی کے نیچے پھنسی نہ پھوڑا ایک یوں ہی سا ودوڑا دو تین دن سے تھا صبح کو جو اٹھی تو ذرا جلن معلوم ہوئی۔ سمجھی گرمی دانہ پک گیا۔ مگر جلن زیادہ ہوئی کالے مرہم کا پھایا لگایا السی کی پلٹس باندھی۔ گھی لگا کر پان چپکایا کاسٹک کی پھریری پھیری۔ مگر وہ باجرے برابر دانہ خدا معلوم کس وقت کا تھا کہ گھنٹوں اور گھڑیوں منٹوں اور پلوں بڑھ رہا تھا۔ دوپہر کو کہیں سہ پہر کو کہیں شام کو تو کہیں کا کہیں پہنچا آدھی رات تک تو کچھ سوئی اور کچھ جاگی۔ مگر آدھی کے بعد تو پلک سے پلک جھپکانی حرام تھی۔ منہ اور گردن دونوں سوج کر کپا ہو گئے بڑی مشکلوں اور مصیبتوں سے چیخ پیٹ کر رات کاٹی۔ نماز دم خالہ نانی کو بلوایا چچی پھوپی کو ڈولی بھیجی۔ غرض جس نے دیکھا دم بخود رہ گیا۔ ڈاکٹر جراح حکیم طبیب سب ہی آئے اور گئے۔ مگر تسکین کی کوئی صورت نہ نکلی ایک چیخ آسمان اور ایک زمین تھی۔ جس شخص نے کبھی پیسہ تو پیسہ سوکھی روٹی تک نہ دی ہو بھر بھر مٹھیاں روپے دے رہی تھی اور ایک ایک کی خوشامدیں کر رہی تھی۔ دنیا بھر کے جتن کر ڈالے مگر آرام اور ذرا افاقہ کیا۔ جیں سے انیس بھی نہ ہوا۔ کس قیامت کی کھولن اور غضب

کی جلن تھی کہ کسی کروٹ بھی چین نہ پڑتا تھا مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی۔ دن بھی آفت میں بسر ہوا۔ پھوپھی اور چچی نے تو ڈولی ہی الٹی پھیری البتہ خالہ اور نانی وہ بھی سگی نہیں رشتہ کی آ پہنچیں تھیں۔ شام کو وہ بھی چلی گئیں محلہ والے تو پہلے ہی دن اتا اس کی جان کو رو رہی تھے بلا واسطہ بے غرض تکلیف پہنچاتی تھی۔ کچھ ایسا بغض للہی تھا کہ جب تک دن بھر میں ایک آدہ کو سخت نقصان نہ پہنچا لے صبر ہی نہ آتا تھا۔ اشتانی جی اگلے زمانہ کی عورت نکاتر کے ماں کے ساتھ کی کھیلی ہوئی یہ کیفیت سنکر آگئیں مگر ٹھہر پہر کر آئیں عصر جاکر گھر پڑھی۔ تیمار دار تھی یا خدمت گار وہی سلے دیکر ایک مصیبت سو وہ غریب آپ ہی مر رہی تھی مگر پھر بھی سرسے پٹی باندھ جتنا کچھ ہوسکا برابر لگی لپٹی رہی۔

دوسری رات پہلے سے بھی بدتر گزری۔ ایک زخم تھا جس پر کوئی گھونگے دیتا تھا صبح جراح نے آکر چیرا دیا۔ دوپہر کو بخار چڑھا۔ غفلت شروع ہوئی۔ گھڑی دو گھڑی بعد ہوش آجاتا تھا تو ایسی بلبلاتی تھی کہ سننے والوں تک کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے تھے۔ شام کو بخار ذرا ہلکا ہوا مگر پھوڑے کی تکلیف بدستور تھی۔ پلنگ باہر بچھوا انگنائی میں آکر لیٹی۔ یہ عمر بھر میں پہلا ہی دن ہوگا کہ نکاتر ارحم الراحمین کے رحم کی ملتجی تھی اور اس کو یاد کر رہی تھی۔ عشا کا وقت تھا کہ ایک فقیر نے دروازے پر آکر صدا لگائی۔

سب ٹھاٹھ پڑا رہجائیگا جب لاد چلیگا بنجارا

بیماری کی حالت رات کا وقت مضمون دردانگیز فقیر خوش الحان دفعتہً نکاتر کو عاقبت کا خیال پیدا ہوا سوچنے لگی کہ بس زندگی کے دن پورے ہوگئے اور ایک دو روز یا دو چار گھڑی دنیا کی ہوا کھا رہی ہوں لے لیا جو لینا تھا اور کرچکی جو کرنا تھا۔

افسوس ہے اس دنیا پر جس کے واسطے اتنا کچھ کیا آخر بیوفا نکلی۔ بچہ بچہ پر ظلم کئے بڑوں بڑوں کو دھوکا دیا۔ آج شہر بھر میں ایک متنفس ایسا نہیں جو مجھ سے خوش ہو اتنی بیویاں محلہ میں بھری پڑی ہیں مگر ایک اتنا نہیں کہ جھوٹے موٹ تو آکر میری خیر صلاح

پوچھتا مگر کیوں پوچھتا اور کس لئے آتا۔ میں ہوں ہی کس سے بھلی جو میرا خیال کسی کو ہو میرا گرگر ہلاکی کر دیں تو بھی اُن کا احسان۔ ورنہ میں تو اس کی بھی مستحق نہیں، افسوس افسوس ناکام جی اور بدنام مری۔ یتیموں کے مال کھائے، رانڈوں پر ستم کئے، معصوم جیسی بچی ماں باپ میرے ہاتھ سے کیسی کیسی بے گناہ پٹی۔ وقت گزر گیا دن نکل گئے اب اس کی سزا ہے۔ ان ہی خیالات میں غلطاں پیچاں تھی کہ یکایک ایسا معلوم ہوا کہ ایک عظیم الشان مکان میں شادی کا شامان ہے ڈولیوں پر ڈولیاں اُتر رہی ہیں مگر آنے والیاں کچھ ایسی سراسیمہ و پریشان کہ باوجود ملاقات اور جان پہچان کے نہ کوئی کسی سے بولتا ہے نہ چالتا۔ بکاخر نے کئی ایک سے پوچھا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے اور یہ کس کا گھر ہے مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ دفعتہً ایک بڈھا سا شخص آیا اور بکاخر کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف گھسیٹتا لے چلا۔ اس شخص کی صورت ظاہری تو چنداں خوفناک نہ تھی مگر آواز میں کچھ اس بلا کی دہشت تھی کہ کلیجہ بلیوں اچھل رہا تھا۔ ایک کوٹھری کے قریب لیجا کر اس شخص نے دھمکا کر کہا "چل چل اپنے بھل پا جو بویا وہ کاٹ" کہا اور کچھ ایسا کڑک کر کہا کہ بکاخر کے ہاتھ پاؤں میں رعشہ پڑ گیا۔ کوٹھری کے کواڑ کھل گئے اندھیرا گھپ تھا۔ یہ حالت دیکھکر چاہتی تھی کہ اس شخص کے پاؤں پر سر رکھکر کچھ عرض کرے کوٹھری کے اندر سے ایک سانپ نے ایسی پھنکار ماری کہ بالکل ہی دہل گئی۔ اتنے میں ایک آواز اس کے کان میں آئی جو یہ کہہ رہی تھی۔

"کیوں بکاخر چار دن کی زندگی پر ایسی پھولی کہ اگلے دن کا کبھی خیال نہ آیا۔ تو دن رات دیکھتی تھی کہ تیری ماں بہنیں بھاگی دوڑی اس جگہ چلی آرہی ہیں۔ مگر تو نے کبھی یہ نہ سوچا کہ ایک دن تجھکو بھی یہاں آنا ہے۔ دیکھ اس کاغذ کو دیکھ تیری ایک ایک گھڑی کا حال اور ایک ایک پل کی کیفیت اس میں لکھی ہوئی ہے۔ ہم نے تجھکو لکھکر اطلاع دی زبانی پیغام بھیجے کہ نادان ابھی کچھ نہیں گیا۔ کچھ کرنا ہے تو اب بھی کرلے ورنہ روئے گی اور پچھتائے گی۔ مگر تیرے کان پر جوں بھی نہ چلی۔ ان خوشیوں میں جو پاتی کے

بلبلہ کی طرح زیادہ ٹھہرنے والی نہ تھیں تو ایسی گیسی کہ نکلنے کو جی ہی نہ چاہا وہ تیرے جھوٹے دوست اور خوشامد کرنے والے آج کہاں ہیں؟ اے نمک حرام ہم نے پکار پکار کر کہا کہ سکھ سے جی چین سے رہ خوشی سے رہ اور شوق سے رہ مگر رہنے کو مستقل نہ سمجھ دیتا آج تیرے پاس ہمارے لئے کیا کیا سوغاتیں ہیں۔ ہماری محبت پر بھی تو نے غور کیا۔ تیری خاطر ہم نے سارے دنیا کو گلزار بنا دیا۔ کام کاج کو دن دیا۔ سونے کو رات دی۔ جاڑے کے بعد گرمی دی۔ گرمی کے بعد برسات دی۔ طرح طرح کے میوے قسم قسم کے پھل یہ وضع وضع کی نعمتیں کس کے لئے۔ گریبان میں منہ ڈالکر دیکھ ہماری عنائتیں اور مہربانیاں اسی قابل تھیں کہ تو ہمیں کبھی بھول کر بھی یاد نہ کرے۔ دیا ضرورت سے زیادہ کاقی سے بڑھ کر بے روک ٹوک دیا۔ جتنا چاہے کہا۔ جتنا چاہے پی جہاں ضرورت ہوا۔ جدھر مرضی ہو پھر پہن۔ اوڑھ۔ اُٹھ بیٹھ۔ لیٹ سو کہا۔ پی۔ مار ہی جائیو کم بخت نکا تو کبھی ہمارے احسان کو احسان نہ سمجھا! واحسان فراموش ناگنی ذرا تو سوچ اور غور کر تجھ جیسی بیوفا کو کہ نینتیس چونتیس برس میں ایک وقت ہمارے روبرو سر نہ جھکایا۔ ہم نے اپنی نعمت سے محروم نہ رکھا پیٹ بھرنے کو روٹی دی پہننے کو کپڑا دیا۔ ہاتھ دئے پاؤں دیئے کان دیئے ناک دی ہمیں مشکل نہ تھا کہ تجھکو اندھا کر دیتے بہرا بنا دیتے۔ تیری جیسی عورتیں تیرے ہی آنکھوں کے سامنے آنکھوں سے اندھی پاؤں سے لنگڑی ہاتھوں سے لولی کانوں سے بہری موجود تھیں۔ کبھی اُن کو دیکھکر بھی تو نے ہماری قدر نہ کی۔ تجھے کبھی یہ بھی نصیب ہوا کہ نیا کپڑا پہنکر ہمارا شکریہ ادا کرے کبھی یہ نیک توفیق ہوئی کہ اچھا کہا کر ہماری شفقت کو یاد کرے سر اُٹھا اور آنکھ ملا کر بات کر۔ ہم نے تجھکو کہاں کہاں بچایا کس کس جگہ مدد دی۔ کیسے کیسے موقعوں پر تیرا ساتھ دیا۔ تیرے ہی کارن اے نمک حرام صرف تیری خاطر تیری پرورش کی خاطر ماں کو ممتا دی باپ کو پیار دیا۔ بھولی بھولی صورت دی میٹھی میٹھی باتیں دیں کیوں نکا تو اسی لئے نہ کہ جب تو

پل بلا کر بڑی ہوا ور ڈیڑھ بڑہا کر جوان ہو تو تجکو بالکل ہی بھول جائے ہنستیں ماں چادر میں چڑھا
قبروں پر جھک پیروں کو پوج۔ اول سے آخر تک اپنے تمام حالات سُن اور تو ہی بتا۔ اب ہم
تیرے ساتھ کیا سلوک کریں۔ تجھ سے زیادہ ناعاقبت اندیش کون ہوگا۔ مسافر بنکر گئی
گھر والی بنکر بیٹھی۔ پردیس کو وطن سمجھا۔ سرائے میں ڈیرے ڈالے اور اس بات کا کبھی خیال
بھی نہ آیا کہ جو کچھ کر رہی ہوں حرف بحرف لکھا جا رہا ہے اور یہ دفتر ایک دن کھلنا ہے کیوں کاٹر
کال کے دن مٹھی بھر دانوں کے لالے اور تیرے ہی جیسے مظلوم و معصوم بندے دور سے آس
لگا کر تیرے پاس آئیں اور تو منہ پھیر لے۔ دکھیاریاں مصیبت ماریاں بھوکی پیاسی تیرے
در پر آکر پڑیں اور تو اُن کا زیور تائے تیس تیس چالیس چالیس روپے کی رقمیں محنت کی نبائی
مصیبت کی جوڑی دس دس پندرہ پندرہ روپئے میں ہتھیائیں اور کبھی رحم نہ آیا یتیموں کے مال
مارے وقت پڑوں کے زیور چھینے رانڈوں کے دل توڑے بچوں پر ظلم کیا کسی کا مکان دبایا۔
کسی کی دکان اُڑائی۔ مگر او بیوقوف وہ سب یہیں تک کا تھا اور یہاں کا وہیں رہا۔ آج تیرے
ساتھ ان میں سے تو کچھ نہیں مگر ہاں مظلوموں کی آہیں اور دکھے ہوئے دلوں کی بددعائیں
تیرے ساتھ ضرور ہیں۔ تکاثر وہ ظلم و ستم اور غرور تمکنت سانس ہی تک کا تھا اب ختم ہوا
اب تو ہے اور ان کرتوتوں کا پھل جو کیا وہ بھر، جو بویا وہ کاٹ یا دہے یا بھول گئی۔ آدھی
رات کا وقت پانی کا طوفان اور وہ بن ماں باپ کی بچیاں رات کی رات تیرے گھر پر
رہنا چاہیں منتیں کریں خوشامدیں کریں اور تو اس کان سُن اس کان اُڑا دے ان کا کچھ نہیں
گیا تو نے اپنی آخرت برباد کر لی وہ دن اور رات کچھ کبھی نہ رہا مگر تیرا عمل باقی رہ گیا جس مکان
پر اتنا گھمنڈ کیا وہ سدا رہنے والا تھا تکاثر آج اس گھر میں الو بول رہے ہیں اور کوئی
اتنا نہیں کہ چراغ جلا کر بیٹھ جائے کس برتے پر تتا پانی۔ کس بات پر پھولی اور کیا سمجھ کر
پھولی جو کچھ کرتی اور جو کچھ دیتی وہ سب تیرا امانت ہوتا اور آج ہم تجھکو تیری امانت دگنی
اور تگنی واپس کرتے۔ دیتے اور اتنا دیتے کہ تو خوش ہو جاتی مگر تو تو ہمارے

نام سے ایسی بیزار ہوئی کہ مر گئی اور ہم کو جھوٹوں یاد نہ کیا۔

کچھ معصومہ کے برتاؤ کا دھیان ہے آج ہم وہی برتاؤ تیرے ساتھ کرینگے تونے اس کو بیٹی کی طرح رکھنے کا وعدہ کیا تھا اور اس کا ننھا سا دل باغ باغ تھا مگر اے سنگدل تونے اس کی بڑی مٹی پلید کی اور ذرا سے کلیجے پر بڑے بڑے داغ دیئے۔

اس ایک معمولی سی ہنسی میں تونے محلہ کا محلہ سر پر اٹھالیا اور وہ بخار میں ہلبلاتی آفت زدہ بچی جو تیرے حکم پر پانسیر کا بوجھ اٹھا کر لائی صرف پاؤں پھسل جانے پر اس سزا کے قابل تھی کہ سر لہولہان ہو جائے۔ وہ بھی تو تیری طرح جان رکھتی تھی صرف اتنا فرق تھا کہ تو زبردست تھی وہ کمزور، تو اختیار والی تھی وہ مجبور مگر اس وقت تو ایسی عدالت میں موجود ہے جہاں کا حاکم تجھ سے زیادہ زبردست اور جس کا فیصلہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوگا۔ معصومہ کا دل مجروح اس بارہ میں تجھ سے زیادہ پیارا ہے اور یہی سات برس کی لاوارث بچی اور تیری دست نگر لونڈی کی خاطر ہے کہ تو اس سخت عذاب میں پڑتی ہے۔ اٹھ اور جو کیا اس کو بھگت۔

آنکھ کھلی تو جنگل تھا نہ میدان خدا تھا نہ فرشتے وہی اپنا گھر ٹوٹے پھوٹے جھلنگے اور لائے گئے آدمی کلیجہ بلیوں اچھل رہا تھا۔ چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتی تھی بہتیرا چاہتی تھی کہ سنبھلے مگر دل تھا کہ اندر سے بیٹھا جاتا تھا بمشکل تمام رک رک کر اور تھم تھم کر معصومہ کو آواز دی پاس بٹھایا اور خواب کے حالات پر غور کرنے لگی سوچتی ہے تو واقعی بیس پچیس برس میں مہینہ اور مہینے کا کوئی دن اور کوئی گھنٹہ بلکہ کوئی ساعت اور کوئی گھڑی ایسی نہ گزری کہ سچ پچ نہیں تو جھوٹ موٹ اور واقعی نہیں تو دکھاوا ہی سہی کبھی تو خدا یاد آیا ہو یا خدا کے خوف سے کوئی کام کیا ہو۔ دو ڈھائی گھنٹہ تک پڑی اپنی حالت سوچتی اور افسوس کرتی رہی۔ جس پہلو پر نظر ڈالتی تھی ندامت اور شرمندگی کے سوا کچھ نہ دکھائی دیتا تھا۔ آخر اس نتیجہ پر پہنچی کہ یہ خواب

میرے واسطے غیبی ہدایت ہے۔ میں بہت خوش نصیب ہوں کہ ابھی تمام باتیں میرے
اختیار میں ہیں جو کہیں مرگئی ہوتی تو ہمیشہ اسی عذاب میں پڑی سڑا کرتی۔

اگلے پچھلے گناہوں کا دھیان خدائے وحدہٗ لاشریک کی قدرت اور ہستی کا یقین ہونا تھا
کہ افسوس و ندامت کے ساتھ بیمار کے چہرہ پر مسکراہٹ آگئی۔ اتنے میں دل نے اندر سے صدا دی
کہ غافل یہی وقت توبہ کا ہے منٹ منٹ اور پل پل کا بھروسہ نہیں۔ گو دقت سے اٹھی مگر
اٹھی۔ بیٹھے بیٹھے ہی وضو کیا جانماز بچھوائی اور سجدے میں گر ہی۔ یہ عمر بھر میں پہلا اتفاق
تھا کہ سرکار ارحم الراحمین کے حضور میں سچے دل سے پڑی گڑگڑا رہی تھی۔ گھنٹہ سوا گھنٹہ تک
پڑی روتی رہی۔ رو چکی تو اٹھ کر پلنگ پر آئی۔ معصومہ کو بلا کر گلے لگایا۔ اپنا قصور معاف
کروایا۔

خدا کی قدرت کہو۔ یا اتفاق محض رات کی تکلیف میں زمین آسمان کا فرق تھا
صبح ہی اٹھ کر استانی جی کو بلایا۔ روتی ہوئی لپٹی اور جھکتی ہوئی ملی ایک ہزار روپیہ کا
نوٹ یتیم خانہ میں دیا۔

انیس بیس کا فرق تو رات ہی کو تھا۔ صبح کو بہتر دوسرے دن اور بہتر ایک ہفتہ
ہی بھر میں پھوڑا ایسا ہوگیا کہ گویا تھا ہی نہیں۔

(۳۲)

میر زاہد نسیمہ کے والد ماجد کچھ ایسے بڑھے تو نہ تھے مگر ہاں تھے سدا کے روگی اور
ہمیشہ کے بیمار، وہمی اس غضب کے کہ اگر چھینک بھی آگئی تو گھنٹوں کریدنی اور پرچول۔
احتیاط اتنی زیادہ کہ تول کر کھائیں ناپ کر پئیں۔ باوجود اس کے چوتھیا بخار کچھ ایسا
ہاتھ دھو کے پیچھے پڑا کہ دلی اور کلکتہ بمبئی اور لکھنؤ چاروں ہی کھونٹ تلا توپ ڈالی مگر ٹلنا
تھا اور نہ ٹلا۔ زاہد جیسا نازک مزاج جس کا آدھ پاؤ دودھ میں جی متلائے بھرے بھرے
قدحے اور لبالب پیالے جن کو دیکھ کر دوسروں کو ابکائی آتی مجبوری اور معذوری

غٹ غٹ پی جاتا۔ اس کم بخت زندگی کے کارن سب ہی کچھ کیا۔ مگر جو دوا پی وہ الٹی اور جو علاج کیا وہ برعکس ڈھاپنچ تو رہ ہی گیا تھا اس پر ستم یہ ہوا کہ ایک دن صبح کو گرم پانی سے نہا کر چاولوں کے دو نوالے کھانے تھے کہ پسلی میں درد شروع ہوا۔ حکیم ڈاکٹر تو میں سب ہی آئے اور گئے مگر درد نے جنبش نہ کی۔ بال بچوں الاشخص کنبہ دار آدمی اور پھر آدمی بھی ایسا کہ پرائی آگ میں کود پڑنے والا۔ شام کو تو عورتوں کا ٹھٹھ کا ٹھٹھ مریض کے سرہانے موجود تھا۔

اُن کے آنے کی غرض درحقیقت ہمدردی ہو یا محبت لیکن بظاہر تو کچھ تھوڑی سی حماقت ہی تھی۔ دوائی کے یہ نہیں۔ ٹھنڈائی کے یہ نہیں، حکیم کے یہ نہیں بلکہ اور اُن کو دیکھ دیکھکر مریض کو دحشت ہوتی ہوگی۔ اِدھر گھر والوں کا جی الٹتا ہوگا۔ بیمار غریب کو اول تو ہوش ہی نہ تھا اور اگر کبھی گھنٹہ دو گھنٹہ بعد لمحہ دو لمحہ کو آنکھیں کھولتا بھی ہوگا تو یہ رنگ برنگ کی صورتیں اور طوفان بے تمیزی دیکھکر اپنے مرنے کا یقین ہو جاتا ہوگا۔ گھر والی عجیب پریشانی میں تھی۔ بیمار کی بیمارداری کرتی یا مہمانوں کی خاطر داری۔ اگر ایسا ہی آنے والوں کا دل پھڑک رہا تھا تو سیدھی سی بات یہ تھی کہ آیا نا کھایا پی لئے گھنٹہ آدھ گھنٹہ بیٹھ دور سے دیکھ دا کھ یا اِدھر اُدھر سے پوچھ پاچھ چلے گئے۔ یہ کس نے بتایا تھا کہ دس بجے کے آئے آئے شام ہو گئی جانے کا نام نہیں۔ پھر یہ کیسی آفت تھی کہ آئیں عیادت کو اور بال بچوں سمیت۔ بچوں کی چیخم دھاڑ عورتوں کی کچر کچر اور بھی آفت تھی۔ بیوی جتنی خدمت چاہیئے تھی سر آنکھوں سے کر رہی تھیں مگر اس کے ساتھ دودھ پیتے بچے کا ایسا اڑنگا لگا ہوا تھا کہ ذرا پاس سے سرکی اور اس نے بلکنا شروع کر دیا۔ سامنے کی چارپائی پر لیٹے پڑی بھی وہ سو جاتا تو اُٹھتی اور پاس آ بیٹھتی۔ ہاں خدمت کا حق ادا کیا تو نسیمہ نے کون کہہ سکتا تھا کہ یہ تیرہ چودہ برس کی بچی باپ کو ماں کی یاد دلا دیگی۔ پہاڑ سی آئیں گھر کا بچہ بچہ سو جائے اور وہ اللہ کی بندی ٹکٹکی باندھے باپ کی صورت

دیکھ رہی تھی۔ تیسری رات دو بجے ہوں گے۔ سنجیدہ نے کہا بیٹی اب تو جا کر ذرا لیٹ جا۔ میں بیٹھ جاتی ہوں۔

نسیمہ۔ پھوپھی جان اب مجھے لیٹنے کی ضرورت نہیں دنیا میں سب چیزیں مل جائیں گی مگر یہ نعمت گئی تو پھر ہاتھ آنے والی نہیں۔ ابا جان تیرہ چودہ برس تک میری خدمت کرتے رہے آج میرا فرض ہے کہ اس تکلیف میں اُن کا ساتھ دوں۔ پھوپھی جان زندہ ہوں تو راتیں سینکڑوں آئیں گی۔ یہی نیند ہو گی اور یہی میں مگر ابا جان کہاں اور میں کہاں۔ جس کے صدقہ میں برسوں راج کیا۔ اگر اس وقت اپنا تھوڑا سا آرام اس کے واسطے کھو دوں تو کیا بیجا ہے۔ میرا بس چلے تو میں اپنی جان تک قربان کر دوں۔

پھوپھی۔ توبہ نسیمہ! کیسے بڑے بڑے خیال تمہارے دل میں آتے ہیں۔ انشاء اللہ صحت ہو جائے گی۔ کمزوری کے مارے غوطے میں پڑے رہتے ہیں۔ بیٹی ایسی باتیں زبان سے نکالتے نہیں وہم نہیں آتا۔

نسیمہ۔ ہاں پھوپھی جان! اللہ ابا کی عمر میں برکت دے۔ مگر پھوپھی جان لاکھ آپ مجھ سے چھپائیں میں بھی تو آخر چھوٹی موٹی بڑی ہلی کچھ تو عقل رکھتی ہوں۔ بچہ نہیں نادان نہیں۔ ہائے پھوپھی جان میرا دل اندر سے کہہ رہا ہے کہ میں باپ سے چھوٹی اور ایسی چھوٹی کہ سدا کو۔ اب تو آپ ابا جان کو اس گھر میں مہمان ہی سمجھیئے۔ کلیجہ اندر سے اُڑا چلا آتا ہے کس قیامت کی رات ہے۔ دیکھیئے تو سہی صبح ہونے کا نام ہی نہیں لیتی۔ لیجئے دو بجے ہیں۔ میں تو خدا سے التجا کرتی ہوں کہ ابا جان کی بیماری مجھکو لگ جائے اور یہ اچھے ہو جائیں! اللہ میری دعا قبول کرے۔ ڈاکٹر کم بخت کو تو دیکھیئے کیا منہ بھر کہہ گیا ہے کہ اب علاج بیسود ہے۔ پھوپھی سے یہ کہکر جو باپ کی صورت پر نظر ڈالی اور ساتھ ہی اس کی شفقت و محبت کا خیال آیا تو دل بالکل ہی بے اختیار تھا۔ اس کا تن تن کہکر آواز دینا پاس بلانا سر پر ہاتھ پھیرنا۔ کھلانا پلانا غرض شفقت پدری کا فراق کیا تھا کلیجہ پر تیر لگ رہے تھے۔ کچھ

ایسا جوش آیا کہ جھکی اور جھک کر اپنی آنکھیں باپ کے تلوؤں سے ملیں۔
نسیمہ کا رو رو کر آنکھیں ملنا اور بوسہ دینا تھا کہ میرزا ہد نے آنکھ کھولی۔ دیکھا تو گھر بھر پڑا سوتا تھا سنجیدہ کی بھی آنکھ لگ گئی تھی۔ نسیمہ کو پاس بلا کر گلے سے لگایا اور آہستہ سے کہا "میری جان میں تو اچھا ہوں تو کیوں دل بھاری کرتی ہو" باپ کے یہ الفاظ ان کے تسکین کے بدلے ایک ایسا نشتر تھا جو فوراً ہی دل کے پار ہو گیا۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ہر چند باپ نے سمجھایا اور دلاسا دیا مگر وہ کچھ اس درجہ نا امید ہوئی تھی کہ کسی طرح نہ سنبھلی۔ سنجیدہ سوئی تو کیا خاک تھی تین چار راتوں کی جاگی ہاری تھی۔ گاؤ تکیہ پر سر رکھ کر سیدھی کرنے لیٹ گئی تھی۔ ذرا کی ذرا آنکھ جھپکی ہو گی کہ بھتیجی کے رونے کی آواز آئی۔ گھبرا کر اُٹھی اور سٹ پٹا کر دوڑی۔ بھائی کو ہشیار دیکھ کر جان میں جان آئی بھتیجی کو سمجھا بجھا پانی پلایا اور بھائی سے باتیں کرنے لگی۔
میرزاہد کی حالت اس وقت تعجب انگیز تھی یا تو وہ غفلت اور غوطہ کہ گھنٹوں چپکا پڑا ہے آوازوں پر آوازیں دو مگر خبر نہیں یا یہ اوسان اور ہوش کہ اپنے منھ سے پانی مانگا اُٹھ کر بیٹھا۔ گھر کے ایک ایک بچہ کو نام بہ نام پوچھا۔ گھنٹہ سوا گھنٹہ اس طرح گزرا ہو گا کہ حالت پھر بگڑی جیسی بیٹھ گئی۔ آنکھیں پھر گئیں۔ سنجیدہ پان بنا رہی تھی نسیمہ سہارا دیئے بیٹھی تھی بہتیرا سنبھالا مگر جب دیکھا کہ اب میرے بس کا نہیں ہاتھوں پر سر لیکر تکیہ تک لائی۔ ابھی سر تکیہ تک پہنچا بھی نہ تھا کہ میرزاہد کو ہچکی آئی اور بیٹی کے ہاتھوں میں ہمیشہ کو رخصت ہو گیا۔ سنجیدہ نے آکر دیکھا تو بھائی کبھی کا روانہ ہو چکا تھا۔ چیخ مار کر گر پڑی ہوش آیا تو بھتیجی کو گلے لگا کر کیسی بلکی ہے کہ سننے والوں کے دلوں پر چوٹ لگتی تھی۔ نسیمہ کی آنکھ سے باپ کی زندگی میں تو ساون بھادوں کی جھڑیاں تھیں۔ مگر باپ کا دم نکلنا تھا کہ بالکل ہی پتھر ہو گئی۔ نہ آنکھ میں آنسو، نہ ٹھنڈا سانس ایک تصویر تھی کہ گم سم بیٹھی ہے۔ پون گھنٹہ اسی طرح گزرا ہو گا کہ اُٹھی۔ اُٹھ کر کلام اللہ لائی اور باپ کے سرہانے بیٹھ کر پڑھنا شروع کیا

رات ختم ہوئی اور موذن نے صدائے اللہ اکبر بلند کی۔ فراق ابدی کا ثبوت باپ کا مردہ آنکھ کے سامنے تھا۔ اذان کی آواز کان میں آتے ہی منہ پر سے کپڑا اٹھایا اور یہ کہکر لپٹ گئی "ابا جان لونڈی سے کچھ خدمت نہ ہو سکی"۔

(۳۳)

میرزاہد کو تو خیر مرنا تھا وہ مر گیا۔ مگر سچی بات یہ ہے کہ نسیمہ کو جیتے جی مردہ بنا گیا سنجیدہ جیسی پھوپی جس پر سو مائیں قربان جس نے تیرہ چودہ برس تک بھتیجی کی آنکھ تک نہ میلی ہونے دی اس معاملہ میں بالکل مجبور تھی۔ یہ پہاڑ نسیمہ پر ایسا آن کر گرا کہ سنجیدہ کے سرکائے نہ سرکا، لاکھ تسلی اور تشفی دیتی۔ مگر میرزاہد کی موت نسیمہ کے لئے ایک ایسا کاری زخم تھا جس نے اندر ہی اندر گھلانا شروع کر دیا۔ پھوپی کی زبردستی، ماں کے کہنے سننے سے برائے نام دسترخوان پر آبیٹھتی۔ مگر جہاں نوالہ توڑا اور باپ کا تصور بندھا بمشکل سے رات دن میں آدھ پاؤ ڈھائی چھٹانک اناج اس کے پیٹ جاتا ہوگا۔ دسواں بیسواں چالیسواں سب کچھ ہو گیا۔ میرزاہد کو مرے دو تین مہینے ہونے آئے۔ بیوی اور بہن دونوں رو پیٹ کر صبر کر چکیں مگر نہ درست ہوئی تو حالت نسیمہ کی۔ ذکر ہے تو اسی کا اور فکر ہے تو اسی کا۔ مردوں کی سی صورت یتیموں کی سی حالت، پڑی ہے تو چپکی، کھڑی ہے تو گم سم۔ بھائی کا صدمہ تو سنجیدہ بھول بسر چکی گئی۔ مگر بھتیجی کی یہ کیفیت اس کے دل پر ہر وقت کچوکے دیتی۔ سب کوشش کر چکی تو استانی جی کو جو چند روز کے واسطے کلکتہ گئی ہوئی تھیں مفصل حال لکھکر ان سے مدد مانگی کہ اگر آسکیں تو خود آئیں ورنہ لکھکر سمجھائیں۔ استانی جی کچھ ایسے بکھیڑے میں تھیں کہ کئی دفعہ آنے کا ارادہ کیا۔ مگر ہمیشہ کوئی نہ کوئی سبب ایسا ہو گیا کہ نہ نکل سکیں۔ اس وقت جو خط انہوں نے نسیمہ کو لکھا ہے دیکھنے کے قابل ہے۔

"پارۂ جگر نسیمہ بیگم سلمہا۔ دعائے فراواں، میر صاحب کی رحلت سے جو صدمہ

تم کو پہنچا مشکل ہے کہ دوسرا آدمی اس کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کرسکے۔ میں ہرگز اس خیال
کی آدمی نہیں ہوں کہ ایک شخص پر مصیبت پڑے اور دوسرے اس کو صبر کی تلقین کرنا
محض اپنا فرض سمجھیں۔ صبر ایسی چیز نہیں کہ کسی کے کہنے سننے سے آجائے یا دینے
سے ملجائے۔ بلکہ میں تو اس کو ایک قسم کی زیادتی سمجھتی ہوں سننے والے کی تو جان پر بنی
ہوئی ہے اور دیکھنے والے صبر صبر پکار رہے ہیں۔ یہ کہنے کا حق تو اسی معبود حقیقی کو حاصل
ہے جو مصیبت پر صبر کرنے والے کو صبر جمیل بیان فرماتا ہے۔ تم کو اس وقت جس قدر
صدمہ ہو صحیح اور جتنا غم کرو درست۔ سنجیدہ بہن کے خطوں سے تمہاری حالت معلوم
ہوئی۔ وہ اپنی ماں کے مارے کچھ ہی کہیں مگر میں تو یہ کہتی ہوں کہ یہ حالت جو تمہاری
ہوئی بجا ہوئی اور جائز ہوئی اور ہونی چاہیئے تھی۔ کس منہ سے کہوں اور کس دل سے
لکھوں کہ صبر کرو۔ وہ تو اپنے وقت ہی سے آئیگا۔ آئیگا اور ضرور آئیگا۔ مگر ہاں باپ کا
سایہ سر سے اُٹھنا تھا وہ اُٹھ گیا۔ محبت اور خوشامد کرنے والے زندہ ہو تو بہت سے ملیں گے
مگر اس دل سے چاہنے والا اب نصیب ہوگا۔ میری رائے میں زندگی کی گراں بہا نعمت
ماں باپ کا سایہ ہے اور تم اس آرہی نعمت سے محروم ہوگئیں۔ تقدیر نے تم سے ایک بیش بہا
چیز چھین لی اور اس طرح چھینی کہ اب کبھی ہاتھ نہ آئے گی۔ میرے خیال میں کوار پتہ کی
بڑی کمائی اور میکے کا انمول جہیز یہی دو چیزیں ہیں۔ تم کو تعجب تو ہوگا مگر غور کروگی تو معلوم
ہو جائیگا کہ گو ماں باپ جہیز میں نہیں ہوتے مگر اُن کی دعائیں بیٹی کے ساتھ ہوتی ہیں۔
نسیمہ بیگم میں سچ کہتی ہوں نہ اب میرزا صاحب قبر سے زندہ ہو کر آئیں گے نہ ویسی دعا دینے والا
میسر ہوگا۔ ایسے نقصان پر جس کی تلافی تمہارے کیا کسی کے بس کی نہیں۔ جتنا رو‌ؤ
تھوڑا ہے۔ تم کو یہ تو معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ ایسی دولت جس کا دنیا میں کوئی بدل نہیں
چند روز کی مہمان ہوتی ہے۔ جب مہمان نے رخصت کی ٹھانی تو کچھ ہی کرو اور کتنا ہی
رو‌ؤ سب فضول۔ پھر یہ دم بھر سکنے والے تمہیں چھوٹے اور ایسے چھوٹے کہ پھر چاہیے

دنیا بھر کی خاک چھان ڈالو مگر یہ کہاں نسیمہ بیگم برا نہ ماننا اسوقت رنج اور غم جو کچھ بھی کر رہی ہو اپنے آرام کا ہے محبت آزمانے کا وقت تو وہ تھا کہ جب باپ مرض الموت میں گرفتار اور تمہاری مدد کا محتاج ہو کر پڑا، تو تم نے کتنی خدمت کی۔ مجھکو تمہاری سعادتمندی سے امید نہیں یقین ہے کہ وہ شخص جس نے اپنا سکھ چین تم پر سے قربان کر کے تمکو نسن سے نسیمہ بیگم بنایا۔ آخر وقت میں اس طرح رخصت ہوا ہوگا کہ اس کی روح ہمیشہ ہمیشہ تمکو دعائیں دیگی یقین نہیں یقین کامل ہے کہ تم نے باپ کا تھوک بھی صندل کیا ہوگا میں دعوی سے کہتی ہوں کہ بھولوگی بہلوگی اور کبھی اس بات کا پچھتاوا نہ آئیگا کہ باپ کا حق الخدمت ادا نہ ہوسکا۔

مجھکو یہ سنکر خوشی ہوئی کہ باپ کی یاد میں آجتک تمہاری آنکھ سے آنسو بہ رہے ہیں۔ میں نہ تم کو منع کرتی ہوں نہ یہ کہتی ہوں کہ زاہد جیسے باپ کو دل سے بھلا دو اور دنیا کے مخمصوں میں ایسی پھنسو کہ مرحوم باپ کا کبھی خیال نہ آئے مگر ہاں اتنا ضرور کہونگی اور وہ بھی اس لئے کہ ضرورت ہے۔ بیٹی یہ تمام رشتے ختم ہونے والے اور فانی ہیں۔ یہ سلسلہ اسی طرح چل رہا ہے اور چلتا رہیگا۔ ذرا سوچنے کی دیر ہے۔ آسانی سے معلوم کرلوگی کہ کوئی اللہ کا بندہ ایسا نہ ہوا ہے نہ ہوگا جو اس رنج سے بچا ہو۔ جوں جوں عمر بڑھتی گئی یہ صدمے زیادہ ہوتے گئے۔ زندگی کے ساتھ ہی ان واقعات کا دیکھنا اور صدمہ کا اٹھانا بھی لازمی سمجھ لو۔ کبھی قبرستان میں جانے کا اتفاق ہو تو دیکھنا بیسیوں اور سینکڑوں ہزاروں اور لاکھوں قبریں ہی قبریں دکھائی دیں گی۔ کچی اور پکی ثابت اور ٹوٹی غرض چپہ چپہ اور کونہ کونہ ان ہی سے پٹا ہوگا آخر یہ کون ہیں؟ کلیجے کے ٹکڑے آنکھوں کے تارے لالوں کے لال یہ وہ چاند سی صورتیں ہیں جو راتوں سینوں پر لوٹی ہیں اور آج جنگل بیابان اندھیرے گھپ میں مٹی اور گارے کے نیچے دبی پڑی ہیں انکو کس دل سے رخصت کیا اور کن ہاتھوں سے سلایا وہی دل جس پر انکی چند روزہ جدائی سے چھریاں چلتی تھیں انکو گہری گور میں سلاتے اور فراق ابدی پر راضی ہوگیا۔

یہی دنیا کا یہی دستور ہے کہ ایک سے ایک چھٹتا چلا آیا ہے۔ جس طرح آج ہمارے ماں
باپ ہمکو تن تنہا چھوڑ کر سدھار گئے اسی طرح ایک دن ہمکو بھی اپنے بچوں سے منہ موڑنا ہے۔ یہ
وہ قانون ہے جو بدلنے والا نہیں اور وہ سلسلہ جو کبھی نہ ٹوٹے گا۔ ہم اُن پر رو رہے ہیں لوگ ہمپر
روئیں گے۔ جیسے ہم مرنے والوں پر رو رہے ہیں۔ مرنے والے اپنے پیاروں کو رو دیئے مگر نہ
اُنکے مرنے سے قدرت کے انتظام میں فرق آیا نہ انکے مرنے سے آئیگا۔ آسمان جیسے پہلے چھایا
ہوا تھا آج بھی چھایا ہوا ہے وہی دن ہیں وہی راتیں ہیں وہی صبح وہی شام مرنے والے مرگئے
اور چلنے والے چلدیئے اب ہم ہیں اور دنیا، وہی دنیا اور وہی دنیا کے دھندے مرنے
کے ساتھ کون مرتا ہے اگر کہیں مردوں کے ساتھ زندہ بھی دفن ہوتے تو دنیا کے کام ہی چوپٹ
ہو جاتے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ مرنے والا کیسا مرا۔ گیا تو کیا کر کے گیا اور چلا تو کیا لیکے چلا۔
پھر زاہد خدا بخشے مجھ سے آٹھ برس چھوٹے تھے۔ میں ہٹی کٹی بیٹھی ہوں اور اُنہوں نے جنگل
جا بسایا۔ گو انکی عمر مرنے کی نہ تھی مگر پھر بھی اُنکو جو کچھ کرنا تھا اگر سب نہیں تو بہت کچھ کر گئے
بیٹا بیاہا بیٹی بیاہی۔ بیٹی کے بچے دیکھے بیٹے کی دلہن دیکھی۔ رہے تو ایسے رہے کہ واہ وا
اور سبحان اللہ اور گئے تو ایسے گئے کہ تم تو بیٹا ہو میں غیر بھی آجتک رو رہی ہوں اُنکو
نہیں رو رہی بلکہ اپنی غرض کو کیونکہ محلہ میں کوئی اتنا نہیں دکھائی دیتا۔ بیٹی پیاری اُنکو
تو جو کچھ کرنا تھا وہ کر گئے اور اچھا کر گئے۔ تم کو جو کچھ کرنا ہے اس پر بھی تو نظر ڈالو۔ ورنہ دنیا
میں آنے کی غرض گئی گزری ہوئی۔ جانتی ہو کیا کرنا ہے؟ اتنا تو تمکو معلوم ہے کہ تمہاری
زندگی سے کارخانہ قدرت کو کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اگر فائدہ پہنچ سکتا ہے تو
تمہارے اپنے بہن بھائیوں کو تمہارے ہی جیسے آدمی کو تمہارے ہی جیسے اللہ کے بندوں کو
محتاجوں کی خدمت، حاجتمندوں کی مدد مظلوموں کا ساتھ بے وارثوں کا پاس بڑوں کی
تعظیم چھوٹوں سے سلوک یہ کام ہیں جن کے واسطے تم بنائی گئیں تاکہ آدمی اور جانور غرض جسکا
جو کچھ حق تمہارے ذمے مقرر ہوگیا اس کو پورا کرو۔ بیٹی زندگی کا مزا تو جب ہی ہے ورنہ جینا۔

فضول اور رہنا بیکار۔ تم نے تو ابھی عمر کی پہلی منزل بھی طے نہیں کی۔ حالانکہ پہنچنا بہت دور ہے۔ ابھی تو آگے چلکر دیکھنا کہ کیسے کیسے ندی اور نالے پہلا نگنے پہاڑ اور گھاٹیاں اُترنی پڑتی ہیں۔ ضرورت یہ ہے کہ بڑی بڑی ٹکروں اور سخت سخت مصیبتوں کے واسطے تیار رہو اگر آج ہی ہمت پست کرو گی اور جی ہار وگی تو یہ عمر کس کے کاٹے کٹیگی۔ یہ بیڑا کیونکر پار ہوگا اور یہ منزل کس طرح پوری ہوگی۔ نسیمہ بیگم تمکو چند بندوں کی پرورش کرنی ہے اور ایک گھر کا مالک بننا ہے تم ابھی سے کندھے ڈالو گی تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ تم یہ کوشش کرتی ہو کہ قدرت کے انتظام میں رد و بدل کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ چن لو۔ بیٹی یہ تو ہونا نہیں پھر کیوں کہکر بدنام اور کرکے شرمندہ ہوئیں۔ یہ انتظام میری تمہارے دو ہاتھ دو پاؤں والے آدمی کے کام نہیں بلکہ ایک زبردست احکم الحاکمین کے احکام ہیں۔ کس کی مجال ہے کہ دم مارے اور اس کے فیصلہ پر چیں بجبیں ہو۔ میں مسلمان کے ہاں پیدا ہوئی اب بھی مسلمان ہوں اور دعا کرتی ہوں کہ مسلمان مروں۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ ہم سب اپنا وقت پورا کرکے ایک بڑے دربار میں اس غرض سے حاضر ہوں گے کہ زندگی میں جو غفلت کی اس کی جوابدہی کریں۔ ممکن ہے میری رائے صحیح نہ ہو۔ لیکن میں تو زندگی کا ماحصل یہ سمجھتی ہوں کہ جس وقت دنیائے ناپائدار کو خیرباد کہوں تو جس طرح تم اپنے باپ کو رو رہی ہو دنیا مجھکو اس طرح روئے اور میں جو دنیا میں روتی ہوئی داخل ہوئی ہنستی ہوئی رخصت ہوں۔

اب میں اس نتیجہ پر پہنچتی ہوں کہ جب زندگی کا مقصود خدا اور اسکے بندوں کی رضامندی ہے۔ تو کس کا صدمہ اور کس کا رنج جو حال ہے وہ اچھا جو وقت ہے وہ خوب باپ کی محبت رنج وغم سے ظاہر نہیں ہو سکتی۔ سچی ہو تو وہ باپ جس کا دن رات تمہاری صورت دیکھتے گزرتا تھا اور آج تمہاری مدد کا محتاج ہے۔ اس کی خدمت کرو۔ خیرات کرو۔ قرآن پڑھو وہ بھی تو سمجھے کہ میری محنت ٹھکانے لگی۔ مجھے میاں زاہد مرحوم کا حال اچھی طرح معلوم ہے جس طرح اُنہوں نے دنیا میں کسی کا دل نہ توڑا۔ خالق حقیقی اُن کا دل نہ توڑے گا۔ مگر وہ تو جیسی

گزارنی تھی گزار گئے۔ لیکن تم کو ابھی بہت سی گزارنی ہے نسیمہ بیگم سب سے زیادہ اس کا لحاظ کرو اور یہ سمجھو کہ دنیائے ناپائدار کی کسی حالت کو قرار نہیں کوشش یہ ہو کہ جب تک زندگی ہے۔ عزیز اقارب محلہ پڑوس۔ اپنے ہوں یا غیر رشتہ دار ہوں یا جان پہچان کسی کو تکلیف نہ پہنچے اور جب واپسی کا وقت ہو تو دربار حقیقی میں شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

(۳۴)

اُستانی جی کا خط ایک نشتر تھا جس نے صبح ہی صبح نسیمہ کے پکے پھوڑے کو چھیڑ دیا۔ مواد بھرا ہی ہوا تھا ہاتھ لگانے کی دیر تھی پڑھتے ہی بے اختیار ہو گئی اندر کے کمرے میں جا لگی پھوٹ پھوٹ کر رونے بیٹھ گئی ڈیڑھ گھنٹے بعد جا کر ہچکی تھمی تھی تو سوچنے لگی کہ سچ تو یہی جو ہونا تھا وہ ہو گیا اب اس رونے دھونے اور فکر و رنج سے کیا حاصل۔ کیا کروں ہر چند دلکو سمجھاتی ہوں مگر کسی خیال سے تسکین نہیں ہوتی۔ یہ صحیح ہے کہ کوئی میں الوکھی بیٹی تھوڑی ہوں اور کچھ میرے ہی سر سے باپکا سایہ نیا نہیں اٹھا۔ دنیا جہان میں یہی ہوتا آیا ہے۔ خدا کی مرضی یہی تھی پوری ہوئی۔ اب میں قدرت کے انتظام میں دخل دینے والی کون۔ اُستانی جی نے کیسی اچھی بات لکھی ہے کہ خیرات کرو۔ قرآن پڑھو باپ کی محبت ہے تو ثواب پہنچاؤ۔ مجھے اس کی تعمیل میں تو عذر نہیں مگر ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔ بزرگوں سے بھی سُنا کتابوں میں بھی پڑھا کہ مرے کو ثواب پہنچتا ہے آخر یہ کس طرح۔ پھوپی اماں سے چلکر پوچھوں۔

نسیمہ کو خبر ہو یا نہ ہو مگر یہ خط اصل میں سنجیدہ اور استانی جی کی ملی بھگت تھی ڈاکئے کا آکر آواز دینا تھا کہ وہ اندر بیٹھی بیٹھی باہر آئی۔ کن انکھیوں سے پتہ پڑھا اور لفافہ کی صورت دیکھتے ہی خط کا مضمون بھانپ گئی۔ نسیمہ مسئلہ ثواب کو دریافت کرنے آئی تو اس نے اس طرح جواب دینا شروع کیا۔

تم جانتی ہو باری تعالیٰ خود تو کسی بندے کی عنایت یا عبادت کا محتاج

ہے انہیں خیرات وزکوٰۃ مقرر کرنے کی غرض صرف یہ ہے کہ حاجتمند اس بہانہ سے اپنی حاجتیں رفع کریں جس طرح مالداروں کی ضرورتیں بہ آسانی پوری ہوتی ہیں۔ اسی طرح مفلسوں کی بھی ہوتی رہیں۔ اور وہ لوگ جن کے پاس ضرورت سے زیادہ ہے۔ دوسروں کی ضرورت کا بھی لحاظ کریں۔ اسی واسطے سب سے پہلے عزیز اقارب کی خدمت ہے تاکہ وہ غیروں کے دست نگر نہ ہوں۔ ہر شخص کے اوپر دنیا میں دو قسم کے حق ہیں ایک خدا کا جس کو حقوق اللہ کہتے ہیں اور ایک بندوں کا جسے حقوق العباد کہتے ہیں۔ میں پہلے بھی ایک دفعہ تم کو بتا چکی ہوں لیکن آج اس مسئلہ پر مفصل گفتگو کرتی ہوں تاکہ مسئلہ ثواب تمہاری سمجھ میں آ جائے یوں سمجھو کہ ایک اپاہج کو کوئی ضرورت پیش آئی۔ قدرت نے اس کو ان ذرائع سے محروم کر دیا جو اس کی ضرورت پوری ہونے میں مددگار ہوتے۔ اب اس کی ضرورت کا حق اس کے ہم جنسوں پر ہے۔ ایک شخص کو رحم آیا اور وہ مدد کرنے پر آمادہ ہوا۔ اگرچہ اس حق میں جو اس پر ہے تمام انسان شریک ہیں اور صرف ایک شخص اس حق کو محض ہمدردی کے طور پر ادا کرنا چاہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ انسانیت متقاضی ہے اس بات کی کہ میں اس کی مدد کروں۔ جہاں تک امکان میں ہے مدد دی اور یہ چاہا کہ اس کا ثواب میرے کسی عزیز کو ملے۔ اب یہ خیال کہ دینے والے نے ایک روٹی دی اور مرنے والوں کو بھی روٹی پہنچی ٹھیک سا نہیں معلوم ہوتا لیکن اپاہج کی خدمت رضائے الٰہی کا سبب ہوا۔ اور جب خدا کی رضامندی حاصل ہوئی تو یہ کچھ تعجب کی بات نہیں کہ وہ دینے والے کی خواہش پوری کر دے اور اس کے اس عزیز کی جو ہر قسم کی مدد کا محتاج ہے۔ اپنی رحمت سے اعانت کرے اور یہ ناچیز تحفہ کسی دوسری صورت میں اس تک پہنچا دے۔

(۳۵)

جس طرح برف کی ساری سل گھل گھلا کر آخر کار پانی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح رنج اور صدمہ تحلیل ہوتے ہوتے ایک نشان سا باقی رہ جاتا ہے۔ استانی جی کا خط پھوپھی کی تلقین نسیم

کو کچھ ایسی تسکین ہوئی کہ بظاہر غم کے کوئی آثار اس کے چہرہ سے نہ معلوم ہوتے تھے۔ البتہ صبح شام دونوں وقت دو پارے قرآن شریف دو آدمیوں کا کھانا بلا ناغہ باپ کو پہنچوا دیتی۔ اگر کوئی مستقل فرق حالت میں ہوا تو صرف یہ کہ مونس و ہمراز رفیق و دمساز گڑیاں یا سہیلیاں جو کچھ بھی تھیں وہ کتابیں۔ غرض معلومات مذہب میں جو تھوڑی بہت کمی تھی وہ اس طرح پوری ہوئی۔

نسیمہ کے سگھڑاپے اور سلیقہ شعاری کی دھاک گھر گھر اور محلہ کیا کنبہ اور شہر میں کبھی کی بندھ چکی تھی چودہویں برس ہی ہر طرف سے شادی کے چرچے ہونے لگے۔ بڑی بڑی رئیس زادیوں اور امیر زادیوں کو نسیمہ کے لانے کا ارمان تھا اور ایمان کی بات بھی یہ ہے کہ دہین بھاگ اس گھر کے جس میں نسیمہ دلہن بنکر پہنچے۔

ایک وہیں بڑے بڑے گھرانوں کی بیویاں سینکڑوں ہزاروں کی جائداد لکھنے کو تیار تھیں۔ ادھر منجھلی کے سسرال والوں نے مارے تقاضوں کے دم ناک میں کر رکھا تھا گو سنجیدہ نے کئی دفعہ کھلم کھلا صاف جواب دیدیا۔ مگر کچھ عجیب قسم کے لوگ تھے کہ گھر کی مٹی لے ڈالی۔ سنجیدہ کا انکار اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ پردیس میں بیٹی دینا گناہ سمجھتی ہو لڑکے کے گن ہی اس قابل نہ تھے کہ نسیمہ جیسی بیوی کا خاوند ہوتا۔ روپیہ کی افراط ضرور تھی مگر سنجیدہ اس کی بھوکی نہ تھی۔ سو عیبوں کا عیب اور ہزار نقصوں کا نقص یہ تھا کہ صاحبزادہ کی کل علمیت اردو کی دو چار کتابیں تھیں ایسی جگہ تو لوگ اگر آنکھیں بچھاتے اور سونا لٹاتے تو سنجیدہ بیٹی دینے والی نہ تھی۔ جن صفتوں کا لڑکا اُسے مطلوب تھا وہ علانیہ کہہ چکی تھی۔ اس پر منجھلی والوں کا اصرار بالکل بے سود اور قطعی بیکار تھا۔ مجبوراً ایک دن صاف کہدیا۔ بیوی مجھکو کیوں پریشان کیا۔ کئی دفعہ کہہ چکی کہ مجھکو روپیہ پیسہ نہیں چاہیئے میں تو صرف لڑکا پڑھا لکھا چاہتی ہوں۔

(منجھلی والی) تو پھر بیگم بگڑتی کیوں ہو۔ کس برتے پر یہ شوں شاں۔ ایسے لڑکی میں

کیا لال لگے ہوئے ہیں۔ علم علم۔ علم نہ ہوا میرزا کوڑا کا تام جھام ہوا۔ امکا امتحان پاس ہو ڈھمکا امتحان پاس ہو۔ بس تو اصل نسل ہڈی تو کچھ چیز ہی نہ رہی۔ تقدیر میں نوکری نہیں تو پاس کو میٹھی چاٹا کرنا۔ بڑے بڑے پاس والے جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں اور کوئی بات تک نہیں پوچھتا۔

شاطرہ تو خدا معلوم کیسی جلی اور کب کی بھری ہوئی تھی کہ گھر چیڑہ کر آئی اور سر چڑھ کر رہی اتفاق سے نند بھاوجیں دونوں ہی بیٹھی تھیں اور بھاوج کو تو غصہ بھی آ چلا تھا مگر سنجیدہ بھاری بھر کم تجربہ کار عورت ہونٹ کرنے دی۔ جانتی تھی کہ اس کے منہ لگنا اپنے سر کی بیوقوفی اور حد درجہ کی نادانی ہے۔ کیوں اندھا نیوتا اور کیوں دو بلائے۔ ایسی گہنی سادی کو خبر ہی نہیں یہ کہ کس کو رہی ہے۔ بڑھیا کچھ دیر تک تو اس توقع پر کہ شاید کچھ جواب ملے منہ تکتی رہی مگر جب دیکھا کہ یہاں کسی کے کان پر جوں بھی نہ چلی تو برقع سر پر ڈال سیدھی ہولی۔

اتنے بڑے شہر میں لڑکوں کی کیا کمی۔ مگر انٹرینس پاس سو روپیہ کی مستقل آمدنی یہ دو نچیں ایسی تھیں کہ سال پورا ہونے آیا اور ایک بات ڈھنگ کی نہ جڑی۔ پیغام بیسیوں آئے مگر جو آیا وہ بے تکا۔ مالدار ہیں تو جاہل پڑھے لکھے ہیں تو مفلس وانت کریدنے کو تنکا تک نہیں۔ دولت پور کے رئیس کا نام سنکر تو ماں کے منہ میں پانی بھر آیا اور منہ سے کہا بھی مگر سنجیدہ کچھ ایسی مستقل مزاج آدمی تھی کہ جو ایک دفعہ منہ سے نکل گیا آخر تک اس پر اڑی رہی

میرزا مرحوم کے چچا زاد بھائی کا لڑکا قسیم تیورس کے سال بی اے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ بچپن ہی سے کچھ ایسا سیدھا اور نیک واقع ہوا تھا کہ تمام جھگڑوں سے الگ تھلگ مدرسہ اور کتابوں کے سوا تیسری چیز سے واسطہ ہی نہ تھا چودھویں برس میں انٹرینس کیا سولھویں میں ایف۔ اے۔ اٹھارویں میں بی۔ اے نتیجہ کا نکلنا تھا کہ نائب تحصیلداری میں نام درج ہو گیا اور اس سال مستقل جگہ مل گئی سنجیدہ کی نگاہ تو قسیم پر کبھی کی پڑ چکی تھی۔ خصوصاً بقر عید والے روز تو وہ یہ دیکھ کر بالکل

لٹو ہو گئی کہ بکرا ذبح کرنے کے واسطے کنبہ ہی بھر نے زور لگایا مگر اس نے اپنے ہاتھ سے چھُری نہ پھیری۔ کسی نے مرتد کسی نے کافر کسی نے لڑاکی کسی نے بزدل۔ غرض جو جس کے منھ میں آیا سب ہی کچھ بنایا مگر ذبح کرنا تو درکنار وہ ذبح کے وقت کھڑا نہ ہو سکا۔

چونکہ سنجیدہ کا مذہب بھی تقریباً یہی تھا۔ اس لئے قسیم کی عزت تو اس کی نگاہ میں اس وقت سے تھی۔ جب وہ کچھ بھی نہ تھا۔ اب تو بی اے اور نائب تحصیلدار چیڑی اور دودو مگر بیٹی کی ماں تھی کیا مجال جو اشارۃً یا کنایۃً کبھی کسی کے آگے زبان پر لائی ہو۔ ادہر قسیم کی ماں نسیمہ کا انتظام خانہ داری اور اس کے خیالات سُن سُن کر سو جان سے عاشق تھی۔ گو زبان پر نہ لائی مگر دل میں کہہ چکی تھی کہ اگر جان میں جان ہے تو بھابی جان سے بیٹی لوں اور لوں۔ سنجیدہ کی شرطیں اس کے کان تک پہلے ہی پہنچ چکی تھیں اور اب تک اس کی خموشی غفلت نہ تھی بلکہ بیٹے کی نوکری کا انتظار۔ نائب تحصیلدار ہوا تھا کہ وہ ایک روز پانچ روپے کی مٹھائی ساتھ لے صبح کی نماز سے فراغت پا سنجیدہ کے ہاں آن اُتری نسیمہ تو سنتے ہی کمرے میں چلی گئی چبوترے پر دونوں گلے ملیں اور دالان میں آکر ہنستی ہوئی بیٹھیں

سنجیدہ آج کدہر رستہ بھول گئیں غنیمت ہو کہ ملنے کو تو جی چاہا۔ میں تو ایک ایک سے خیر صلاح پوچھتی تھی۔

قسیم کی ماں - جی بجا ہے۔ دل چاہتا تھا تو میں ایسی کونسی ہزاروں کوس تھی۔ بچی اچھی ہے۔

سنجیدہ - ہاں خدا کا شکر ہے آپ کی دعا سے اچھی طرح ہے۔

قسیم کی ماں میرے آنے کی شرم میرے بڑھے چونڈے کی لاج تمہارے ہاتھ ہے فقط ملنے ہی نہیں آئی۔ غرض لیکر آئی ہوں قسیم کے عیب اپنے دامن میں چھپاؤ اور اس کو غلامی میں قبول کرو۔ میں ہوں تو چھوٹی سی آدمی مگر یہ وعدہ کرتی ہوں کہ جب تک زندہ ہوں پاؤں دھو دھو کر پیوں گی۔ نہ دو نہیں برستی نہیں مگر یہ ارمان قبر میں ساتھ لیجاؤنگی

میرا دل نہ توڑنا۔ لاؤ بیست کی باتیں تو مجھے آتی نہیں تین ہزار روپیہ اسی نام کا ابتک میں نے الگ کہا ہے وہ حاضر ہے۔ یہی جوڑا اچڑہا دو سمجھہ لو ۔ مردہ بنکر آئی ہوں زندہ بنا کر بھیجو میری طرف دیکھو اپنی طرف نہ دیکھو۔ آپا جان ہنسی کی بات نہیں ہے مجھے ہنسی میں نہ اُڑاؤ۔ چھوٹا منہ بڑی بات تو ضرور ہے مگر دروازہ پر آئی ہوں خالی نہ جاؤں گی ۔

سنجیدہ ادہر کا خیال تم کو کہاں سے پیدا ہوا۔ کیوں ریفت میں گاڑہے کا پیوند لگاتی ہو۔ کس بل پر ہاں کروں روپیہ پیسہ ہنر سلیقہ شکل صورت کچھ بھی تو نہیں کیوں مجھکو کہکر شرمندہ کرتی ہو۔ غریبوں کی کہیت تو غریبوں میں ٹھیک آتی ہے قسیم اللہ اس کی عمر دراز کرے اور تمہارا کلیجہ ٹھنڈا رکھے ۔ جیسے تمہارا بچہ ویسے میرا مگر کیا کروں عقل کام نہیں کرتی ۔خیر ابھی انکار اقرار تو کچھ کرتی نہیں۔ ہاں اتنی مہلت دو کہ اس کی ماں کا بھی عندیہ لے لوں ۔

بظاہر تو سنجیدہ نے پانی کے آگے خوب پار باندھی مگر دل کی کیفیت یہ تھی کہ قسیم کا نام سنتے ہی سوکھے دہانوں میں پانی پڑگیا قسیم کی ماں کیسی ہی سیدھی اور بھولی کیوں نہ ہو ایسی بچہ بھی نہ تھی کہ معاملہ ادہر نہ اُدہر اور ادہر میں ڈال چلتی ہوتی سنجیدہ کی گفتگو سنکر پہلے تو ہنسی اور پہر کہنے لگی ۔

بھابی جان کا عندیہ کیا۔ اصل عندیہ تو تمہارا ہے۔ جہاں تم راضی ہو وہاں وہ خوش اور اگر خیر اُن ہی پر دارومدار ہے تو وہ کون سے کالے کوسوں ہیں ۔ جانا بڑی بی ذرا بلانا ۔ کل پندرہ دن کی چھٹی ہے ۔جس میں سے آج تین دن تو ہو ہی گئے ۔ ان ہی بارہ دن میں سب کچھ کرنا دہرنا ہے ۔ اچھی مہلت مانگی ۔

قیاس تو یہی کہتا ہے کہ سنجیدہ ایسی جلدی ہاں کرنے والی نہ تھی ۔ اور اگر قسیم کی ماں غیر ہوتی تو یقیناً برقعے پھٹتے اور جوتیاں ٹوٹتیں ۔گو اپنی کرنی میں اسوقت بھی کسر نہ رکھی اور ہر چند چاہا کہ کسی طرح اس وقت ٹال دے ۔ مگر قسیم کی ماں برابر کی سہیلی اور قریب کا

رشتہ ان ٹالے بالوں میں کیا آنیوالی تھی صبح کی نماز پڑھ کر آئی اور ظہر کے بعد ہاں کروا کر اُٹھی۔ شادی کیا ہتیلی پر سرسوں جمانی تھی کہ اس پیر کو بات ٹھہری اگلے پیر کو ساچق منگل کو برات۔ بدھ کی وداع سنجیدہ کے دور اندیش اور سمجھدار ہونے سے انکار نہیں مگر ساتھ ہی یہ بھی ماننا پڑیگا کہ اگر نسیمہ چاہتی تو سنجیدہ ہی کے ہاتھوں اشرفیاں مٹی کروا دیتی ایک کاٹ کباڑ ہی میں جس کو کوئی کوڑیوں کے مول نہ پوچھتا دو چار سو روپے اُٹھ جانے کوئی بڑی بات نہ تھے اور سچ یہ ہے کہ سنجیدہ جھکی ہوئی بھی اس طرف تھی کہ تھوڑی بہت برات کی سوبھا ہو جائے مگر نسیمہ نے پھوپھی سے صاف صاف کہدیا کہ لمبی لمبی کشتیاں اور چکلے چکلے خوان بڑی بڑی گھڑونچیاں اور بھاری بھاری لگن سوا اس کے کہ گلگرا ہوں اور کس کام کے۔ ہاں تانبے کے برتنوں کا مضائقہ نہیں وہ بھی ضرورت کے موافق اور حیثیت کے لائق یہ نہیں جو چیز نکلی تار بندھ گیا۔ برتنوں کی حالت تھوڑی ڈالنی ہے۔

یوں تو جس دن سے بھتیجی بیٹی بنی اسی دن سے گلہری کے گودڑ کی طرح ایک ایک چیز سنجیدہ نے سینت سینت کر رکھنی شروع کر دی تھی۔ مگر لکڑی کی چیزیں اس خیال سے کہ زیادہ دن ہو کر بے آب معلوم ہوں ابھی نہ لی تھیں۔ لیکن نقد پانسو روپے اس کام کے لئے الگ رکھ چھوڑے تھے۔ نسیمہ کا یہ حال دیکھکر اس کو کیا غرض پڑی تھی کہ گرہ سے اُٹھاتی اور بیوقوف بنتی سو سوا سو روپے میں لگن گھڑونچی کرا کرے چار سو بچا لئے۔

جوڑوں کا ذکر آیا تو نواسی کی معرفت پھوپھی کے کان میں بات ڈلوا دی کہ وہاں بھی کہلا بھیجئے جو تھی کا جوڑا نہ کار چوبی چاہیئے نہ مصالحے لپا۔ گوٹے ٹھپے میں زیادہ رقم لگانا روپے کے چار آنے کرنے ہیں۔ اس کے بدلے زیور میں ایک چیز بڑھ جائے تو بہت اچھا۔ بیٹے والوں کا کیا ہرج تھا جوڑا معمولی کر سہاتے بڑھا دیئے۔ بھتیجی کا عندیہ دیکھ پھوپھی نے بھی دولہا کا جوڑا الغلط کر ڈھائی سو روپے نقد دے دئے۔ جہیز کے جوڑوں میں بھی ایسی ہی کتر بیونت کر کرا دو ہزار روپیہ کا ایک مکان نسیمہ کے نام خرید لیا گیا۔ زیادہ سے

زیادہ پانسو روپے اوپر لگے ہوں گے۔ پانسو کا کھانا دانہ ایک ہزار کا زیور۔ چار ہزار کی شادی ایسی ہوئی کہ ادہی کی کوڑیاں بھی بیکار نہ گئیں۔

وداع کا دن آیا تو پر محلہ تک کی عورتیں گھر میں بھری تھیں اور کوئی ایسی تھی جس کی آنکھ میں آنسو اور لب پر دعا نہ ہو۔ خوش نصیب بچی تھی نسیمہ۔ بیٹی بنی تو ایسی بنی کہ محلہ بھر کے دل میں گھر کیا اور بہو بننے کا وقت آیا تو پڑوسنوں تک کو خون کے آنسو رلوا گئی۔ چاروں طرف سے یہی صدائیں آ رہی تھیں الٰہی دودھوں نہائے پوتوں پھلے ماں اور پھوپھی کی تو جو کچھ کیفیت تھی وہ تھی۔ ساٹھ ساٹھ پینسٹھ پینسٹھ برس کی بڑھیاں جنہوں نے اپنے ہاتھ سے بیٹیاں اور نواسیاں تک کی بیاہ دیں کلیجہ سے لگا ڈاڑیں مار مار کر رو رہی تھیں نسیمہ کی محبت نے کچھ ایسا گرویدہ کر لیا تھا کہ سنجیدہ کی بیٹی محلہ بھر کی بیٹی معلوم ہوتی تھی سمدھنوں کا اترنا تھا کہ نسیمہ کی طبیعت دفعتہً بگڑ گئی۔ بیٹھے بیٹھے یہ خیال آیا کہ جس گھر میں پلی اور بڑھی آج اس کا کولا کولا اور پا کہا پا کہا سب چھوٹے اور چودہ برس کا ساتھ ختم ہوا۔ عمر کا یہ حصہ بھلا یا برا جیسا گزرنا تھا گزر گیا۔ افسوس یہ ہے کہ جو کام کا وقت تھا وہ پورا ہوا آگے چلکر تو دنیا کے دھندے ہیں اور میں ہوں۔ بزرگوں کی خدمت کے دن تو یہی تھے۔ اب بھلا میں اُن کی اطاعت کرنے کہاں سے آؤں گی اور تو اور پھوپھی اماں تک کو کئی دفعہ میں نے کیسے سخت جواب دیئے کہ وہ میرا منہ دیکھکر چپ ہو گئیں اُف کہاں اور میں کہاں وہ کیا ہمیشہ باتیں سننے کو میرے پاس بیٹھی ہیں۔ ایک پھوپھی اماں ہی پر کیا خدا معلوم کس کس کی شان میں کیا کیا گستاخی کی اور کس کس کے ساتھ کیسا کیسا برتاؤ کیا ہے۔ نسیمہ ان ہی خیالات میں غلطاں پیچاں تھی کہ باہر سے نکاح کی خبر آئی اور چاروں طرف سے مبارک سلامت کی دھوم دھام ہونے لگی سمدھنوں نے وداع کا تقاضا شروع کیا۔ آرسی مصحف کے واسطے دولہا اندر آیا تو سنجیدہ نے بیویوں کو قرینے سے بٹھا کر کہا "میں اپنی بچی کو رخصت کرنے سے پہلے کچھ کہنا چاہتی ہوں گو آپ سب کو تعجب ہوگا کہ میں ایسا انوکھی بات کر رہی ہوں اور سچ ہے جو کچھ کہنا تھا تنہائی

میں کہتی تخلیہ میں کہتی مگر مجھے اس محفل میں بہت سی لڑکیاں ایسی نظر آ رہی ہیں جنکو بہت جلد میکے سے رخصت ہونا ہے۔ اس لیئے میری یہ تقریر ایک پنتھ دو کاج ہو جائیں گے۔

"نسیمہ بیگم! آخر وہ دن آگیا جس کے دھڑکے میں میری ساری رات آنکھوں میں کٹی۔ کل کی بات ہے کہ تم میری گود میں تھیں اور آج خدا کا شکر ہے۔ دلہن بنی بیٹھی ہو چودہ برس کا زمانہ خواب خیال ہو گیا۔ اس وقت جو کچھ میری کیفیت ہے اور جس دل سے میں تم کو رخصت کر رہی ہوں وہ بیٹی والیوں ہی کے دل جان سکتے ہیں اور جو حالت تمہاری اس وقت ہوگی۔ وہ میں خوب سمجھتی ہوں۔ کیونکہ تمہاری ہی طرح ایک دن میں بھی دلہن بنی تھی۔ ماں جیسی چاہنے والی بہن بھائی جیسے پیار کرنے والے۔ غرض سولہ برس کے رفیق و شفیق سب کو چھوڑ چھاڑ ایک ایسے محلہ میں آئی جہاں آج کھڑی ہوں گو ابتداء میں دل ضرور گھبرایا مگر رفتہ رفتہ وہ الجھن اور گھبراہٹ سب جاتی رہی۔ جوں جوں دن بڑھتے گئے طبیعت لگتی گئی۔ میکے کا زمانہ زندگی کا کوئی حصہ نہ تھا بلکہ کھیل کود کے دن تھے۔ غور سے دیکھو تو زندگی آج ہی شروع ہوئی اور میں اپنے ہاتھوں تمہارے کندھے پر ایک بڑی ذمہ داری کا بوجھ رکھتی ہوں۔ اس گھر سے چھوٹ کر اب تم کو ایسا گھر آباد کرنا ہے۔ جہاں حق ہمسایہ ماں کا جایہ کوئی نہیں جو ہے وہ نیا اور اجنبی۔ مگر سچ پوچھو تو زندگی میں تم کو جو کچھ کرنا ہے اسکا پہلا کام یہی ہے اور اصل دنیا وہی۔ گو غیروں کے دل میں گھر کرنا مشکل ہو مگر تھوڑی ہمت کرو گی تو بیڑا پار ہے میں بھگت چکی اور جانتی ہوں کہ رنگ برنگ کے لوگ طرح طرح کی بولیاں بولیں گے مگر ان کا رام کرنا کوئی بڑی بات نہیں تھوڑی سی تکلیف اٹھا کر عمر بھر راج کرنا ہے۔ پہلا حملہ ساس نندوں کا ہے جنکو نادان لڑکیاں دوسرے ہی دن سے جان کا دشمن بنا لیتی ہیں۔ مگر مجھکو تمہاری دانشمندی اور دور اندیشی سے یقین ہے کہ تم اپنی ساس کی عزت مجھ سے زیادہ کرو گی۔ جس قدر تم نے میری اطاعت کی ہے میرا منہ نہیں کہ اس کی تعریف کروں آج اتنی ہی اطاعت کی توقع پر میں تم کو سسرال بھیجتی ہوں۔ نسیمہ بیگم میں جانتی ہوں

اور سچ کہتی ہوں کہ اگر ساس کی اطاعت میں غفلت نہ کی تو سسرال میں بیٹھی حکومت کروگی ہاں چند نامرادیں تمکو ایسی بھی ملیں گی جو ادھر اُدھر کی باتیں لگا کر اور بات کے بتنگڑ بنا کر دلوں میں فساد ڈلوانے کی کوشش کریں۔ ان سے البتہ ہوشیار رہنا اس سے زیادہ بدنصیب لڑکی اور کون ہوسکتی ہے جو شادی ہوتے ہی ساس سسروں سے علیحدگی کی خواہشمند ہو۔ میری رائے میں ساس کی زندگی بہو کے واسطے ایک سرپوش یا جہاڑو کا بندھن ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ تم اس نعمت کو ہمیشہ وقعت کی نظر سے دیکھوگی۔ میں خدا کو گواہ کرکے کہتی ہوں کہ ماں کے بعد جو شفقت مجھپر میری ساس نے کی دنیا میں اور کسی نے نہ کی چند روز کی مہمان کو دکھ نہ دینا اور یاد رکھنا کہ ساس کی رضامندی سسرال کی پہلی منزل ہے۔ یہ مہم جیت لی تو نندوں کا سر کرلینا بڑی بات نہیں۔

نسیمہ بیگم اب نیا گھر ہوگا اور تم ہوگی۔ نئی دنیا ہوگی اور تم ہوگی۔ کوارپتہ کا زمانہ ختم ہوا، اور خدا کا شکر ہے بہ عزت و حرمت ختم ہوا۔ میں تو آج کیا کئی مہینے سے رو رہی ہوں مگر تمہاری جدائی پر سارا محلہ آٹھ آٹھ آنسو رو رہا ہے۔ میری پیاری نسّا یہ وقت تیرے رونے کا نہیں میرا دل دیکھ نسیمہ جیسی بیٹی جس کو کبھی دم بھر کے واسطے آنکھ سے اوجھل نہ کیا۔ آج مجکو روتا چھوڑ اپنا گھر الگ بسا رہی ہے۔

نسیمہ بیگم، میں تمہارے پاس نہ سہی ساتھ نہ سہی تم کہیں سہی میں کہیں سہی مگر جب تک جیتی ہوں میرا دل میرا خیال سب تم میں ہے۔ جانتی ہو تکلیف یہ مصیبت میں نے کیوں اپنے سر لی۔ میں تمکو ایک بڑے سخت امتحان میں بھیجتی ہوں اور ایک اجنبی شخص کے ہاتھ میں تمہارا ہاتھ اس امید پر دیتی ہوں کہ تم اپنی خدمت گزاری سلیقہ شعاری سے اس کو رضامند رکھوگی یہ وہ شخص ہے جس کے اوپر تمہاری زندگی کا دارومدار ہے اور جس کے ساتھ عمر بسر کرنی ہے تم اور وہ دونوں ملکر دنیا میں ایک آدمی سمجھے جاؤگے کہنے کو دو مگر اصل میں ہر ایک رنج میں اور ہر ایک خوشی میں شریک۔ میں نوسا تھی، تمہارے جہیز میں جوڑے اور زیور تو جیسی میری حیثیت تھی اس کے موافق

دئے ہی ہیں مگر ایک بیش بہا رقم بھی ساتھ جا رہی ہے اور یہ وہ چیز ہے جس پر ہزاروں لاکھوں روپئے اشرفیاں قربان بتاؤ یہ کیا چیز ہے یہ جوہر شرافت ہے امیری فقیری تقدیری امر ہیں مگر شریف ماں باپوں کی بیٹیاں ہر حال میں خاوندوں کے ساتھ خوش ہیں۔ فاقے کریں پیوند لگائیں اور بڑوں کی عزت ہاتھ سے نہ دیں۔ سنا ہوگا لائے بیٹیوں کی بیٹیاں جو رکھیں پنچوں کی لاج۔

آج یہی جوہر شرافت تمہارا بڑا جہیز ہے اور مجھکو یقین ہو گیا ہے تکلیف سے جان پر بنجائے اور فاقوں سے دم ناک میں آجائے مگر اس جوہر کو ہاتھ سے نہ دوگی اور جب تک میں زندہ ہوں کبھی تمہاری شکایت نہ میرے کان تک آئیگی نہ کسی کی زبان تک۔ میری پردیسن بچی مسافر بیٹی مہمان بھتیجی میں تیری خدمت اچھی طرح نہ کرسکی۔ اے نسیمہ اگر بھولے سے تربیت میں کوئی غفلت ہوئی یا کوئی تنبیہ ناگوار گزری ہو تو معاف کیجیو۔ نسیمہ بیگم تمہارا رنج چند روز میں بہل جائیگا مگر پھوپھی کے دل سے پوچھو جسکا بھرا گھر آج سونا ہو گیا۔
اتنا کہکر سنجیدہ نے صدر بہن کی طرف رخ کیا۔ اور کہنے لگی۔

لو یہ چودہ برس کی امانت تمہارے سپرد ہے۔ صاحب ولا ہو ہمیشہ دکھتے ہوئے دل کی مدد کرنا خدا تم کو بہولیجا کی نصیب کرے مگر میری تنکے کی مینا اتوں میرے کلیجہ پہ سوئی اور سینہ پر لوٹی ہے بیکس بیچارے باپ کی لاج رکھنا اور اگر کوئی بات خلاف مزاج ہو تو معاف کر دینا۔ کیا کروں دنیا کا یہی دستور ہے امی جان کو بیٹی بھی پال پوس کر بڑا کیا تھا کہ تمہارے ہاتھ میں ہاتھ دے بیٹھے یا تو جہاں خالی ہاتھ ہو بیٹھو۔ نسیمہ بیگم آؤ چودہ برس کی کہلائی خدمتگذار بیوی اور بڑے نام کی کلیجہ سے لگوا دلسم اللہ کہکر اپنے گھر سدھارو

الٰہ العالمین! بے ماں باپ کی بچی نسیمہ جس کو آج میں تیرے توکل پر وداع کرتی ہوں تیرے سپرد ہے۔ ارحم الراحمین اس کٹھن منزل میں تو ہی مددگار ہے۔ دنیا کی بہار اس کے واسطے موجود ہے اور یہ زندگی جس کی اصل قیمت صبح ہے عزت آبرو کے ساتھ بسر ہوجائے۔

وداع کا سماں یوں ہی دردانگیز تھا اس پر سنجیدہ کی تقریر ہچکیاں بندھ گئیں۔ آدھ گھنٹے کے بعد سامان نکلکر باہر آیا۔ اور نسیمہ بیگم گرم ماں کی خاموش پھوپھی کو تنہا روتا چھوڑ کر بے سہارا سب کے ساتھ دعاؤں کا بھاری جہیز لیکر سسرال سدھار رہیں۔

خدائی لشکر کا ایک رسالہ

قلعہ دل پر نفس و شیطان نے لام باندھا ہے۔ حرص و طمع کی پلٹنیں، خود رائی و تکبر کے رسالے، حسد و عناد کے ہتھیار سنبھالے، سائنس و فلسفہ کی مدد رسانی کے بھروسہ پر ایمانی سرحد میں گھسے چلے آتے ہیں اور قلعہ نشین اطمینان سے قصر روحانی کے دریچوں میں ذکر الٰہی کر رہے ہیں تو کیا دشمن فتحیاب ہو جائیں گے؟ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، جنود یزدانی حرکت میں آتے ہیں۔ قدوسی فوجیں ضرب نفی و اثبات کے حربے اٹھائے نعرہ ہو لگاتی امنڈی چلی آتی ہیں۔ اب توپیں گرجیں گی، گولے گولیاں برسیں گی، خون کی کیچڑ میں پاؤں پھسلیں گے، نفس خودی کے تاجدار سپاہ الٰہی کی ٹھوکروں سے پامال ہوں گے۔ اگر کوئی اس ہنگامہ گرمی کا ظہور دیکھنا چاہے تو خدائی لشکر کے ہراول رسالہ **نظام المشائخ** دہلی کو منگا کر دیکھے جو ہر انگریزی مہینے کی چھٹی تاریخ کو سید علی و مولانا خواجہ **حسن نظامی** صاحب خواہر زادہ سلطان المشائخ محبوب الٰہی کی سرپرستی و نگرانی اور ملا **محمد الواحدی** کی ایڈیٹری میں بہتر مضمون پر دہلی سے شائع ہوتا ہے گویا وہ صفحے لیکر ہر ماہ میں ایک بار الحاد رسانی کے کیمپ پر چھاپہ مارتا ہے۔ یہ وہ رسالہ ہے جس کی بلند نامی کی ہندوستان بھر میں دھوم ہے۔ یہ وہ رسالہ ہے جو علوم روحانی کو انگریزی، سنسکرت اور عربی چھاؤنیوں سے بلا کر اپنے اردو کے خیمے میں جمع کر لیا ہے۔ یہی وہ رسالہ ہے جس نے ہزاروں انگریزی تعلیم یافتوں کو جو ترک کر تصوف سے ہٹ گئے تھے پھر دائرہ وحدت پر سمیٹ لیا ہے۔ یہی وہ رسالہ ہے جس نے جدید اور قدیم کے مضمون نگاروں کو ایک میدان میں طبع آزمائی کا موقع دیا ہے۔ صوفیانہ رزم و بزم کے جلسے دیکھنے ہوں، سینکڑوں برس کے گذشتہ نامور بزرگوں کی محفلوں کا کیف مشاہدہ کرنا ہو، علوم جدیدہ کو علوم قدیمہ کے پاؤں پر گرتے دیکھنا ہو تو رسالہ **نظام المشائخ** طلب کیجئے۔ راحت دل آپ کا وقت خوشی درکار ہو تو اس رسالہ کو پڑھئیے جس میں تسکین کو سوز اور حیات جاودانی روحانی کا عظیم الشان ذخیرہ مہیا کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دوستانہ تحائف کے تبادلہ میں یہ رسالہ کام آتا ہے۔ بزرگ اپنے خردوں کو، پیر مریدوں کو اسی کا انعام دیتے ہیں۔ مریدوں کی جانب سے مرشدین کی خدمت میں یہی رسالہ نذر ہوتا ہے۔ شریف مستورات کے مطالعہ کے لئے بھی اسی کی مانگ ہے۔ لہٰذا آپ کو بھی چاہیئے کہ خدائی لشکر کے اس رسالہ کا خیر مقدم کر کے غازیان دین کے رجسٹر میں اپنا نام لکھوائیں۔ رسالہ نظام المشائخ میں حضرت خواجہ حسن نظامی کی عام فہم تفسیر القرآن بھی ہر مہینہ بہ اقساط شائع ہو رہی ہے۔

قیمت سالانہ مع ضمیمہ عام فہم تفسیر القرآن [illegible] اور بغیر عام فہم تفسیر [illegible]

ملنے کا پتہ

مینیجر نظام المشائخ پوسٹ بکس ۵ دہلی